صوفیائے بہار

کے ملفوظات و مکتوبات

ڈاکٹر سید شاہ یحییٰ ابدالی

چودھویں صدی عیسوی میں

صوفیائے بہار

کے ملفوظات و مکتوبات

(فارسی)

یحییٰ ابدالی

نام کتاب : چودہویں صدی عیسوی میں صوفیائے بہار کے ملفوظات و مکتوبات

مصنف : پروفیسر یحییٰ ابدالی

موضوع : تحقیق

سنہ اشاعت : ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء (ربیع الاول-اپریل)

کمپوزنگ : اسٹار کمپیوٹرس، پتھر کی مسجد پٹنہ-۶ فون نمبر: 2689566

مطبع : کوالیٹی آفسیٹ پریس، شاہ گنج، پٹنہ-۶

ناشر : محمد اکرم رضا اسپوروی، بکرم، پٹنہ

قیمت : ایک سو روپیہ Rs.100/-

ملنے کے پتے

(۱) محمد اکرم رضا اسپوروی، شکور کالونی، ہمن پورہ، پٹنہ

(۲) سید شاہ لطف علی، خانقاہ منیر شریف، پٹنہ

(۳) کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ

فہرست مضامین

Hasnain Sialvi

انتساب

ابی و مرشدی حضرت سید شاہ محمدؒ علی منیری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کی تربیت، رہنمائی اور شفقت نے

اس مشکل کام کو انجام تک

پہنچانے کے قابل بنایا

خاک پائے درویشاں

یحییٰ ابدالی

پیش لفظ

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

یہ کتاب ''چودہویں صدی عیسوی میں صوفیائے بہار کے ملفوظات ومکتوبات فارسی'' آج سے چار دہائی قبل پٹنہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کرنے کے لئے لکھی گئی تھی، اس لئے اس کے مشمولات کو اسی تناظر میں دیکھنا بہتر ہوگا۔ میدان تحقیق میں بے شمار افراد اترے اور کارآمد تحقیقی کام بھی ہوئے ہیں، اس لئے حالات میں نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ میں نے تمہید میں لکھا تھا کہ صوفیائے بہار کے حالات اور کارناموں پر کوئی اہم کتاب سامنے نہیں آئی ہے۔ اس سے میری مراد یہ تھی کہ مجموعی طور پر صوفیائے بہار کا تذکرہ ان کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے منظر عام پر اس وقت تک نہیں آیا تھا۔ بحمد اللہ یہ کمی آہستہ آہستہ پوری ہوتی جارہی ہے اور چند کتابیں اس سلسلہ میں منظر عام پر آئی ہیں، جن میں ایک اہم کتاب برادر محترم طیب ابدالی صاحب مدظلہ کی ''چودہویں صدی عیسوی میں صوفیائے بہار'' کے نام سے طبع ہوئی ہے اور اس سلسلہ کو وہ آگے بڑھانے کا بھی قصد رکھتے ہیں۔ اس سے قبل ''اردو میں صوفیانہ شاعری'' کے نام سے بھی ایک کتاب انہی کے قلم سے احاطۂ تحریر میں آچکی ہے، گرچہ اس میں صوفیائے ہند کے کارنامے مندرج ہیں۔ لیکن صوفیائے بہار اور ان کی خدمات کا تذکرہ بھی مناسب طور پر اور تفصیل سے ہوا ہے۔ امام الدین فردوسی کی ایک تحقیقی کاوش ''بہار کے فارسی گو شعراء'' کے نام سے اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی کی شکل میں منظر عام پر آچکی ہے۔ ورنہ اس سے قبل مجموعی طور پر صوفیائے بہار کے تذکرے کی شکل میں چند کتابیں ہی لکھی گئی تھیں، جن میں اولیت ''مناصب الصفیا'' مصنفہ حضرت

مخدوم شاہ شعیب ؒ"شیخ پورہ کو حاصل ہے۔ اس کے ایک طویل مدت کے بعد حضرت صوفی منیریؒ نے حضرت مخدوم شرف الدین علیہ الرحمۃ کے حالات ان کے خانوادہ کے بزرگوں اور بزرگان منیر شریف کے تذکرے پر مشتمل "کتاب وسیلہ شرف ذریعہ دولت" تحریر فرمائی۔ شاہ شعیب پھلواری کی کتاب "اعیان وطن" بھی ایک حد تک ایک ہی خانوادہ کے احوال پر مشتمل ہے۔ اکابر صوفیائے بہار جو مختلف خانوادوں اور سلسلوں سے سروکار رکھتے تھے ان کا ذکر یکجا کیا جاتا تو یہ ایک بڑا کام ہوتا جو اس سے قبل نہیں ہوا تھا اور اسی پر میں نے افسوس کا اظہار اپنی اس کتاب کے آغاز میں کیا تھا، لیکن اب حالات وہ نہیں رہے۔ ویسے بھی تحقیقی کام انفرادی طور پر اس سلسلہ میں بہت ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سبھوں کو سامنے رکھ کر یکجا طور پر صوفیائے بہار کے حالات مرتب کئے جائیں، تا کہ تمام خانوادہ کے بزرگوں کے حالات اور کارناموں پر پوری طرح روشنی پڑے۔ امید ہے کہ یہ کام بھی کسی نہ کسی کے ہاتھوں ضرور انجام پائے گا۔ ابھی تو طیب ابدالی صاحب مدظلہ ہی کمربستہ ہیں، لیکن ان کی مسلسل علالت اس کام میں رکاوٹ نہ ڈالے اور جو کام انہوں نے شروع کیا ہے وہ انجام تک پہنچ جائے تو میری سب سے بڑی تمنا پوری ہو جائے۔

اس کتاب کی طباعت میں تاخیر کی وجہ اپنی مشغولیات اور پریشانیاں رہیں۔ اب بھی اگر عزیزان سعید اکرم رضا اسپوروی اور ابوالمظفر عالم سلمہما اس کی طباعت پر مصر نہ ہوتے اور اس سلسلہ کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر نہ لیتے تو میرے لئے یہ کام مشکل ہی بنا رہتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دونوں جہان کی سرخروئی اور کامرانی عطا فرمائے۔

بندہ پراگندہ

یحییٰ ابدالی

۲۱/ اکتوبر ۲۰۰۴ء

خانقاہ منیر شریف

فون: 9431286887

تمہید

بگیر این ہمہ گلدستۂ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

سرزمین بہار کو اللہ تعالیٰ نے بڑا شرف بخشا ہے۔ اس کی خاک میں شروع ہی سے ایسی تاثیر رکھی گئی ہے کہ اس سے برابر مبلغین اور مصلحین اٹھتے رہے ہیں۔ گوتم بدھ، مہابیر، جین اور کرشن نے اس سرزمین کو اپنی تبلیغی اور روحانی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنایا۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔ اور اکابر صوفیہ کے غلغلہ روحانیت نے اسے ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر تفوق عطا کیا۔ حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگ جوتؒ۔ حضرت آدم صوفی چشتیؒ، حضرت یحییٰ منیریؒ، حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ، حضرت احمد چرم پوشؒ، حضرت غریب اللہ حسین دھکڑ پوشؒ اور حضرت پیر بدر عالم زاہدیؒ وغیرہم جیسے مایہ ناز صلحاء امت اور اکابر زہاد نے اس سرزمین کو اپنی روحانی تعلیم اور اشاعت اسلام کے لئے منتخب فرما کر اسے ایک نمایاں اور امتیازی مقام بخشا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے علمی و ادبی کارناموں اور روحانیت اور صفائے باطن کی کوششوں کو خاطر خواہ طور پر منظر عام پر نہ لایا جا سکا۔ کچھ لوگوں نے توجہ فرمائی بھی تو محض چند رسائل اور کچھ تصنیفات کی اشاعت وطباعت کے بعد ہمت ہار بیٹھے۔ ان کے کارناموں کو بیرون بہار متعارف کرانے کی کوئی منظم اور مربوط جدو جہد نہیں کی گئی اور اسی لئے یہ لوگ گوشۂ گمنامی میں پڑے رہے۔ حالانکہ ان بزرگوں کی کثیر تصنیفات، ملفوظات اور مکتوبات اس بات کے متقاضی تھے کہ ان کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور صوفیائے ہند کی رہنمائی اور رہبری کا سہرا ان کے سر باندھا جائے۔

میری شروع سے ہی یہ خواہش رہی کہ میں صوفیائے بہار کے کارناموں اور

ان کی تعلیمات سے لوگوں کو متعارف کروں تاکہ جو عام غلط فہمیاں تصوف اور راہ سلوک سے متعلق لوگوں میں پائی جاتی ہیں وہ ان کی تعلیمات کی روشنی میں دور ہو سکیں۔ اور یہ بتاؤں کہ تصوف یا درویشی وہ نہیں ہے جو خانقاہوں میں آج پائی جاتی ہے۔ بلکہ روح تصوف تو ان بزرگوں کی تصنیفات، ملفوظات اور مکتوبات میں ہے، جس پر اب تک لوگوں کی نظر نہیں پڑی ہے، یا اگر پڑی بھی تو محض سرسری طور پر۔ چنانچہ میں نے اپنے تحقیقی کام کیلئے اسی موضوع پر استاذی پروفیسر سید حسن صاحب مدظلہ (مرحوم) سے گفتگو کی۔ انہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور صوفیائے بہار کے ملفوظات ومکتوبات پر دور متعین کر کے تحقیقی کام شروع کرنے کا حکم دیا۔ بہار سے متعلق قدیم معلومات کا خزانہ محترم پروفیسر سید حسن عسکری (مرحوم) کے پاس تھا، اس لئے موصوف سے بھی رجوع کیا۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے کمال محبت و عنایت سے عنوانات کی ترتیب وتعین میں میری رہنمائی فرمائی اور اپنے بیش بہا مشوروں سے بھی نوازا۔ استاذی پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن صاحب عطا کاکوی مدظلہ (مرحوم) ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات عربی و فارسی، بہار، پٹنہ نے اپنی شفقتوں کا اظہار اپنے قیمتی مشوروں کی شکل میں کیا اور بعض مراحل میں میری رہنمائی بھی فرمائی۔ ان تمام مذکورہ بالا اساتذہ کی رہنمائی اور رہبری کے باوجود اگر کہیں تشنگی یا خامی اس کتاب کی ترتیب میں نظر آئے تو اسے ناچیز کی بے بضاعتی، کم مائیگی اور کم علمی پر محمول کیا جائے اور اس کی نشاندہی فرما کر ازالہ کا موقع عنایت فرمایا جائے۔

اس کتاب کی ترتیب وتدوین کے دوران میں جن ذہنی اور قلبی پریشانیوں میں مبتلا رہا اس کا ذکر بھی یہاں پر بے محل نہ ہوگا اس لئے کہ بعض فروگزاشتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ اگر جامعہ رحمانی مونگیر کا علمی وادبی ماحول مجھے نہ ملا ہوتا تو شاید یہ کام میرے تردداد وتفکرات کی نذر ہو گیا ہوتا۔ گو اس کی تدوین کا کام وقت معینہ پر اختتام پزیر نہ ہو سکا لیکن عام طور پر جو تاخیر تحقیقی کتابوں کی ترتیب وتکمیل میں دیکھنے میں آتی ہے اللہ کا شکر ہے کہ میرے غم و اندوہ اور الجھنوں کے باوجود اس سے یہ مقالہ محفوظ رہا۔ پھر بھی اپنی اس کوتاہی پر مجھے افسوس ہے۔

آخر میں سرورق کی تزئین کے لئے میں اپنے کرم فرما محترم مولانا علاء الدین صاحب (مرحوم) مدرس جامعہ رحمانی، مونگیر اور مولوی شاہ محمد ولی رحمانی صاحب خلف الصادق حضرت مولانا شاہ منت اللہ صاحب مدظلہ (علیہ الرحمۃ) کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے میری استدعا پر اپنے قیمتی اوقات اس کی نذر کئے۔ برادران عزیز سید شاہ شہاب الدین و سید قطب عالم سلمہ اللہ نے بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ مقالہ کی صفائی اور کتابت میں میری معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور دین و دنیا کی کامرانی نصیب فرمائے۔

برادر محترم حکیم شاہ علیم الدین صاحب بلخی مدظلہ خلف الصادق محترم جناب شاہ تقی حسن صاحب بلخی مدظلہ (علیہ الرحمۃ) نے بھی اپنے کتب خانہ کی جو نادر و نایاب اور قلمی کتابیں محض اعتماد پر اس تحقیقی کام کی تکمیل کے لئے میرے حوالہ کیں اور اس طرح جو احسان عظیم ناچیز پر کیا اس کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ ان کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طور پر اس کتاب کی ترتیب و تحریر میں میری معاونت فرمائی او اپنی قیمتی مشوروں سے مجھے نوازا۔

خانقاہ رحمانی، مونگیر　　　　　　　　محمد یحییٰ ابدالی

۳۰ رنومبر ۱۹۶۸ء

تصوف اسلامی

در ازل پر تو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہ ہمہ عالم زد

حافظ

تصوف اسلامی شریعت اسلامیہ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ۔ بلکہ جس طرح عبادات اسلامیہ اعمال کی درستگی کا ذریعہ ہیں اسی طرح تصوف اسلامی کا منشاء بھی تزکیہ باطن اور صفائے قلب ہے تا کہ عبد اور معبود کے درمیان جو رشتہ استوار ہو، وہ مضبوط مستحکم اور بے لوث ہو۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ ہی کے دو پہلو نکلے۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔

ظاہری کا تعلق مصلحت کی نگہداشت اور اس کی دیکھ بھال سے ہے۔ اس کے لئے جو ذرائع متعین ہیں انہیں عمل میں لانا اور اس کی اشاعت عامۃ المسلمین کے درمیان ضروری ہے۔ اسی طرح جن باتوں سے منع کیا گیا ہے اور جن سے مصلحت عامہ پر ضرب کاری لگتی ہو، ان سے خود پرہیز کرنا اور دوسروں کو روکنا بھی لازمی ہے۔ یہی مطلب آیہ کریمہ "اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" کا بھی ہے۔ باطنی امور کا تعلق انسان کے قلب ودل سے ہے۔ یعنی ایسے کام انجام دئے جائیں جن سے دل پر اچھے اثرات مرتب ہوں اور روح کی بالیدگی نصیب ہو۔

تصوف اسلامی آغاز میں ویسا ہی سادہ اور واضح تھا جیسا کہ عبادات یا معاشرت وغیرہ کا طریقہ۔ اس میں کسی دوسرے مذہبی نظریہ کی آمیزش قطعی نہ تھی۔ بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ تصوف اسلامی مسیحی یا یونانی یا بدھ مذہب کے اثرات سے ظہور پذیر ہوا، انہیں کسی طرح بھی حق بجانب نہیں کہا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ

آغاز میں تصوف اسلامی نے بغیر کسی مذہب کے اثر کے اپنے اصول وضوابط کی داغ بیل ڈالی۔ لیکن جیسے جیسے دیگر علوم وفنون کا اسلامی ادبیات پر اثر پڑنا شروع ہوا۔ ویسے ویسے تصوف اسلامی کی بھی سادگی اور اخلاص ختم ہوتا گیا۔ اور رفتہ رفتہ اس نے بھی دیگر ادبیات اسلام کی طرح دوسرے مذاہب کے اثرات قبول کئے۔

چنانچہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ تصوف کا آغاز بھی شریعت اسلامیہ کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہوا اور اس کا منبع ومخزن بھی وہی ہے جو شریعت اسلامیہ کا ہے، یعنی کلام اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ دوسری بات ہے کہ آغاز میں اس کا نام وہ نہ تھا جس سے ان دنوں یہ معروف ومشہور ہے۔ بلکہ صوفیا بھی ابتداء میں مختلف ناموں مثلاً زہاد، عباد، متقین، صالحین اور قانتین وغیرہ سے یاد کئے جاتے تھے۔ لیکن یہ تخصیص بھی دور نبوت اور صحابہ کبار کے عہد کے بعد ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض معترضین تصوف یہ کہتے ہیں کہ عہد رسالت میں کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ یہ اصطلاح تو بہت بعد میں ایجاد ہوئی۔ اس لئے اسے کوئی مذہبی وقعت اور سند حاصل نہیں۔ اس اعتراض کا معقول اور مسکت جواب حضرت شیخ ابونصر سراج نے اپنی کتاب اللمع میں بہت دلچسپ پیرایہ میں دیا ہے، جس کا ترجمہ یہاں پیش ہے:

> ''اصحاب رسول ﷺ کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف واعظم ان کی فضیلت صحابیت تھی۔ کیونکہ صحبت رسول تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا زہد، فقر، توکل، عبادات، صبر، رضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا۔ پس جب کسی کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا تو اس کے فضائل کی انتہا ہوگئی اور کوئی محل باقی نہ رہا کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جائے۔''

عبارت مندرجہ بالا سے اس امر پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے کہ صحابہ کبار گرچہ ان تمام صفات کے حامل تھے جو ایک صوفی بزرگ میں ہونے چاہئے لیکن لفظ

صحابی ایک ایسا عزت اور شرف کا لفظ تھا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے لفظ یا نام سے وہ موسوم نہیں کئے جاتے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ صوفیا کے صفات اعلیٰ کی بنیاد کیا تھی اور اس کی تعلیم صحابہ کبار نے کس طرح پائی۔

قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ ان صفات کو بہ تصریح بیان کرتی ہیں جو ایک صوفی میں پائی جاتی ہیں۔ اور جن کا پایا جانا ایک صوفی کے لئے ضروری گردانا گیا ہے۔ تمام آیتوں کو یہاں پیش کرنا ممکن نہیں، چند آیتیں بہ طور ثبوت پیش ہیں:

واسبغ علیکم نعمة ظاهرة و باطنة (لقمان آیت ۲۰)	اور اس نے اپنی نعمتیں تمہارے اوپر پوری کیں ظاہری بھی اور باطنی بھی۔

آیت مندرجہ بالا میں بھی نعمتوں کے دو درجے مقرر کئے گئے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ بلاشبہ ظاہری کا تعلق علم شریعت اور اس کی شاخوں مثلاً عبادات میں طہارت ،نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ یا احکام میں طلاق، فرائض اور قصاص وغیرہ سے ہے۔ اور باطنی کا تعلق مقامات و احوال سے ہے اور ان کی شاخیں تصدیق، اخلاص، صبر، تقویٰ، توکل، محبت، شوق اور فنا وغیرہ کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آیات مندرجہ ذیل سے ایک خاص طبقہ عباد و زہاد کی صفات اور ان کے اعمال و افعال کا تعین ہوتا ہے، جس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے:

ان الذین آمنوا و عملو الصلحت سیجعلهم الرحمن ودا. الله ولی الذین آمنوا یخرجهم من الظلمت الی النور	جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا اللہ تعالیٰ ان کو دوست بنائے گا۔ اللہ مومنوں کا ولی ہے جو ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے جاتا ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والله ولی المومنین	اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

ایک جگہ اس طرح فرمایا گیا:

الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون الذین آمنوا کانو یتقون	اللہ کے اولیا پر نہ خوف طاری ہوتا ہے اور نہ حزن سے وہ دوچار ہوتے ہیں، یعنی وہ جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ایک موقع پر اس طرح ارشاد ہوا ہے:

ومن یطع الله و رسوله فاولئک مع الذین انعم الله علیھم من النبیین و الصدیقین، و الشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا	اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔

ایک جگہ اولیا اللہ کی صفات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

انما المومنین الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاته زادتھم ایمانا . علی ربھم یتوکلون. الذین یقیمون الصلوٰة ومما رزقناھم ینفقون اولئک ھم المومنون حقا. لھم درجت عند ربھم ومغفرة و رزق کریم-	مومنوں کی مثال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب میں جلا پیدا ہوتا ہے اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہماری دی ہوئی دولت کو خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے نزدیک بلند درجے ہیں، مغفرت ہے اور رزق کریم ہے

اور جس میں یہ صفات پیدا ہو جائیں اس کے لئے یہ کہا گیا ہے:

رضی الله عنھم و رضوا عنه	اللہ ان سے راضی رہتا ہے اور وہ اللہ سے راضی رہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا اظہار انہیں اپنا دوست بنا کر متعدد جگہ پر فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

ان الله یحب المحسنین	اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے
ان الله یحب المتقین	اللہ تقویٰ والوں کو دوست رکھتا ہے

ان الله يحب المتو كلين	اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے
ان الله يحب الصابرين	اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے
ان الله يحب المقسطين	اللہ انصاف پسندوں کو دوست رکھتا ہے
وهو يتولى الصالحين	اللہ صالح بندوں کو دوست رکھتا ہے

ان آیتوں سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کو اللہ پسند فرماتا ہے وہیں صوفیاء کی کچھ صفتیں بھی قرآن حکیم کی روشنی میں متعین ہوتی ہیں۔ چنانچہ آغاز میں انہیں ان صفاتی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے مثلاً عابدین، متقین، خاشعین، صابرین، متوکلین وغیرہ وغیرہ۔

ایک طرف تو قرآن حکیم ایسے اعمال کی رغبت دلاتا ہے جس سے روح کی بالیدگی اور صفائے قلب حاصل ہو۔ دوسری طرف یہ بھی حکم ہے:

وان تطيعوا تهتدوا	اگر تم اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤ گے۔

(نور آیت ۵۴)

پھر یہ ارشاد ہوتا ہے:

لقد كان لكم في رسول الله	تمہارے لئے رسول اللہ کا کردار ہی
اسوة حسنة	بہترین اور قابل تقلید ہے۔

چنانچہ صوفی حضرات اپنی منزل تک اسی واسطہ اور ذریعہ سے پہنچنے کی کوشش اور سعی بلیغ فرماتے اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو دل و جان سے عزیز جانتے ہیں۔ ایک سنت کے ترک کرنے سے انہیں راہ راست سے بھٹک جانے کا خطرہ دامنگیر رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے بھی دو پہلو تھے۔ ایک تو ظاہری اور دوسرا باطنی۔ ظاہری زندگی وہ تھی جو عام صحابہ کبار کے سامنے رہتی تھی۔ یا پھر آپ کے اقوال اور احادیث آپ کی ظاہری زندگی کے آئینہ دار ہیں، جن کا تعلق معاملات، عبادات اور احکامات سے ہے۔ لیکن باطنی زندگی آپ کے افعال میں پوشیدہ ہے۔ صوفیا حضرات ایسی زندگی کو اپنے لئے شمع ہدایت تسلیم کرتے ہیں۔ اور معبود تک پہنچنے کا اسی کو ذریعہ بناتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے ظاہری فرمودات یہ ہیں کہ روزے رکھو، نمازیں پڑھو

وغیرہ۔ لیکن باطنی زندگی یہ ہے کہ طے کے روزے خود رکھتے ہیں۔ ساری ساری رات نماز کے لئے کھڑے رہتے ہیں۔ وضو میں تکلف فرماتے ہیں۔ انہی باتوں پر صوفائے کرام پوری توجہ دیتے ہیں۔ جو بات دوسروں کے نزدیک جزوی ہے لیکن نبی کریم ﷺ کے عمل میں آچکی ہے اسے یہ طبقہ معمولی یا جزوی نہیں سمجھتا۔ بلکہ یہ لوگ اس کی پیروی میں پورا اہتمام کرتے ہیں۔ یہی اصل تصوف ہے۔ اور شریعت اسلامیہ میں اسی غلو کو تصوف کا نام دیا گیا ہے، ورنہ یہ شریعت اسلامیہ سے کوئی الگ چیز نہیں۔ اس کا وجود نبی کریم ﷺ کے اعمال، صحابہ کبار کے افعال اور اصحاب صفہ کی روزمرہ زندگی میں پایا جاتا ہے۔ جو عبادات کو ایک رسمی چیز نہیں سمجھتے تھے، بلکہ پوری توجہ قلب اور خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا نام احسان تجویز فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

ان تعبد الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک. (حدیث قدسی) (حضرت جبرئیلؑ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ احسان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا احسان نام ہے اس چیز کا) کہ تم خدا کی عبادت ایسے طریقے پر کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو سمجھو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔

جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ صوفیائے کرام بھی شریعت کی طرح کلام الٰہی اور سنت رسول ﷺ ہی کے متبع ہیں تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظ تصوف کا لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہے۔ اور یہ کب سے اصطلاحی طور پر برگزیدہ اور مقرب بارگاہ بندوں کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔

تعریف تصوف:

علامہ ابن جوزی کا قول ہے کہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت اور اموی تسلط کے بعد سے عامۃ المسلمین خدا پرستی اور تقویٰ کو چھوڑ کر دنیا طلبی اور مال و دولت کے حرص میں مبتلا ہونا شروع ہو گئے۔ معدودے چند حضرات دنیا کے اندیشوں سے اپنے

کو کنارہ رکھ سکے اور اتقاء اور پرہیزگاری پر گامزن رہے۔ چنانچہ یہ لوگ زہاد اور عباد کے نام سے یاد کیے جانے لگے۔ پھر جب مسلمان مختلف فرقوں میں تقسیم ہوتے گئے تو ہر فرقہ اس کا دعویدار ہوا کہ اسی کی جماعت میں عباد اور زہاد ہیں۔ اسی زمانے میں ایک مخصوص جماعت صوفیہ کے نام سے پیدا ہوئی۔ بعض لوگ اسے متصوفہ بھی کہتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں یہ نام مشہور اور کثیر الاستعمال ہوا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوسری صدی کے کس سال میں یہ لفظ پیدا ہوا۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے عہد میں یہ لفظ مستعمل نہیں تھا۔

حضرت ابو نصر سراج نے اپنی تصنیف اللمع میں اس خیال کو غلط بتایا ہے کہ یہ متاخرین کی اختراع ہے۔ اور اس کا استعمال دور نبوت اور صحابہ کے بعد شروع ہوا وہ فرماتے ہیں:

"یہ لفظ حسن بصریؒ کے زمانہ میں رائج تھا اور ان کا زمانہ بعض صحابیوں سے معاصرت کا تھا"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ اور سفیان ثوری کے اقوال میں یہ لفظ "صوفی" استعمال ہوا ہے۔

یہی نہیں بلکہ کتاب اخبار مکہ میں جو روایت محمد بن اسحاق یسار وغیرہ سے ہے ان سے مصنف موصوف یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر ہی معروف تھا اور عابد و بزرگ اشخاص کے لئے مستعمل تھا۔

اسی طرح کا اختلاف ہمیں لفظ صوفی یا تصوف کی تعریف کے سلسلہ میں بھی ملتا ہے۔ حضرت ابو النصر سراج نے اس سلسلہ میں مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں۔ ان کے مطابق ایک قول یہ ہے کہ صوفی دراصل "صفوی" تھا۔ یہ لفظ ذرا ثقیل تھا۔ کثرت استعمال سے زبانوں پر صوفی رہ گیا۔ ابو الحسن قناد کا خیال یہ ہے کہ صوفی صفا سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ جو لوگ کدورت بشریہ سے پاک وصاف کر دئے گئے وہ صوفی کہلانے لگے۔ ایک دوسرے بزرگ کی رائے ہے کہ ان لوگوں کا لباس انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں صوف (پشمینہ) کا ہوتا تھا

اس لئے یہ صوفی کہلائے۔ ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اصحاب صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ علی ہجویری نے اس خیال کو اپنی تصنیف کشف المحجوب میں بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے۔ جس کا اختصار یہ تھا۔

شیخ ہجویری کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب صفا (صفائی) سے لبریز ہو اور کدر (گندگی) سے خالی۔ اور اس مرتبہ تک کاملان ولایت ہی پہنچ سکتے ہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر عبدالغنی نے بھی ایک مستقل باب قائم کرکے بڑی تفصیلی بحث لفظ تصوف کے معانی اور مطالب پر کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں متعدد صوفیا کے آرا اور خیالات قلم بند کرتے ہوئے اپنا خیال تحقیق کی روشنی میں اس طرح ظاہر کیا ہے:

"حاصل آنکہ نزدیک ترین قولہا بعقل و منطق و موازین لغت این ست کہ صوفی کلمدی است عربی و مشتق از لغت صوف یعنی پشم و وجہ تسمیہ زہاد و مرتاضین قرون اسلام بصوفی آن ست کہ لباس پشمینہ خشنی میپوشیدہ اند۔ و نیز لغت "تصوف" مصدر باب تفعل است کہ معنای آں پشمینہ پوشیدن است۔ ہماں طور کہ تقمص بمعنی پیراہن پوشیدن است۔"

لیکن مولانا اسماعیل سنبھلی اپنی کتاب میں تمام اقوال اس سلسلہ میں نقل کرنے کے بعد حضرت امام غزالی کا ایک قول آخر میں نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ لفظ تصوف صفا سے مشتق ہے اور اس کی مراد یہ ہے کہ دلوں کو صاف کیا جائے، لکھتے ہیں:

تجرید القلب لله و احتقار ماسواه و هو ماخوذ من الصفا لتصفية القلوب

تصوف دل کو محض اللہ کے لئے یکسو کرنے اور اس کے ماسوا کو حقیر جاننے کا نام ہے اور وہ صفا سے مشتق ہے کیونکہ یہ دلوں کو صاف کرتا ہے۔

ماخذ: مقامات تصوف، کشف المحجوب، تاریخ تصوف در اسلام، کتاب اللمع، مقدمہ ابن خلدون، تصوف اسلام، تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ۔

ہندوستان میں تصوف:

گزشتہ اوراق میں یہ عرض کیا گیا کہ تصوف اسلامی کا آغاز اور منبع و مخزن بھی قرآن حکیم اور سنت نبویؐ ہے۔ اس لئے اس کا دور اول بھی صحابہ کبارؓ ہی کا دور قرار پاتا ہے۔ شیخ ابوالنصر سراج نے اپنی کتاب کی آخری فصل میں عام صحابہ کی زندگی پر صوفیانہ حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور ان کے اقوال و آثار کو صوفیا کے لئے شمع ہدایت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ اصحاب ذیل کے اسمائے مبارک اس حیثیت سے خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

طلحہ بن عبداللہ، معاذ بن جبل، عمران حصین، سلمان فارسی، ابوالدرداء، ابوذر غفاری، ابوعبیدہ بن الجراح، عبداللہ بن مسعود، براء ابن مالک، عبداللہ بن عباس، کعب احبار، حارثہ، ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو، خذیفہ بن الیمانی، عبداللہ بن جحش، اسامہ، بلال حبشی، مصعب بن عمیر، عبدالرحمٰن بن عوف، حاکم بن حزام، عبداللہ بن رواحہ اور عدی بن حاتم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

دوسرا دور حضرات تابعین کا ہے اس دور میں گروہ صوفیا کے سرخیل حضرت اویس قرنی، حسن بصری اور سعید بن میسب نظر آتے ہیں۔

تبع تابعین کے گروہ میں بھی ایک اچھی خاصی تعداد اکابر علماء کی نظر آتی ہے جنہیں بہ حیثیت صوفی کے حضرت ہجویری نے پیش کیا ہے۔ منجملہ ۶۴ اسمائے گرامی اس طبقہ کے انہوں نے گنائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، مالک بن دینارؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حبیب عجمیؒ ذوالنون مصریؒ، داؤد طائیؒ، معروف کرخیؒ، ابراہیم ادھمؒ، خواجہ سری سقطیؒ، فضیل بن عیاضؒ، سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور منصور حلاج رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

ان کے علاوہ بھی دوسری اور تیسری صدی کے دوران کبار صوفیا کی ایک بڑی

جماعت نظر آتی ہے جنہوں نے تصوف اسلامی کو ایک مستقل شعبہ کی حیثیت بخشی اور اپنے قول، فعل اور عمل سے اس کے خزانہ میں بیش بہا اضافے کئے۔

ڈاکٹر عبدالغنی نے متعدد کتابوں کی مدد سے ان کے اسماء گرامی کی ایک طویل فہرست اپنی کتاب میں درج کی ہے جو اس طرح ہے:

رابعہ عدویہ	متوفی ۱۳۵ھ	شفیق بلخی	متوفی ۱۷۴ھ
ابو ہاشم صوفی	معاصر صفیان ثوری	سلمان دارانی	۲۱۵ھ
فتح بن علی الموصلی	۲۲۰ھ	بشر بن حارث حافی	۲۲۷ھ
احمد بن الحواری	۲۳۰ھ	حاتم بن عنوان اصم	۲۳۷ھ
ابو حامد بلخی	۲۴۰ھ	العباس حمزہ بن محمد ہروی	۲۴۱ھ
محاسبی	۲۴۳ھ	ابو تراب بخشی	۲۴۵ھ
ذکریا بن یحییٰ ہروی	۲۵۵ھ	یحییٰ بن معاذ رازی	۲۵۸ھ
ابو حفص حداد	۲۶۴ھ	ابو اسحاق نیشاپوری	۲۶۵ھ
شاہ شجاع کرمانی	۲۷۰ھ	حمدون قصار	۲۷۱ھ
فتح بن شجرف مروزی	۲۷۳ھ	علی بن سہل اصفہانی	۲۸۰ھ
سہل بن عبداللہ تستری	۲۸۳ھ	ابو سعید خزار	۲۸۶ھ
ابوالمنصور سراج	۲۸۸ھ	ابو حمزہ بغدادی	۲۸۹ھ
ابو حمزہ خراسانی	۲۹۰ھ	ابراہیم خواص	۲۹۱ھ
ابوالحسین نوری	۲۹۵ھ	عمر بن عثمان مکی	۲۹۶ھ
ابو عثمان حیری	۲۹۸ھ	ابوالعباس بن مسروق طوسی	۲۹۹ھ
ابو عبداللہ مغربی	۲۹۹ھ	ممشاد دینوری	۲۹۹ھ
رویم بن احمد	۳۰۳ھ	یوسف بن حسین رازی	۳۰۳ھ
ابوالنصر سراج	۳۷۸ھ		

فہرست مذکورہ بالا میں صرف ایک نام حضرت ابوالنصر سراج کا نظر آتا ہے جنہوں نے علم تصوف پر اپنی مستقل تصنیف چھوڑی۔ بقیہ حضرات یا تو رواج کے مطابق تصنیف و تالیف کی طرف مائل نہیں ہوئے یا پھر ان کی کاوشیں ضائع ہو گئیں۔

لیکن چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں جن اکابر صوفیا کے نام نامی آتے ہیں ان میں سے بعضوں کی تصنیف آج بھی بری تعظیم وتوقیر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ ڈاکٹر عبد الغنی نے اس دور کے صوفیا کی بھی ایک مختصر مگر جامع فہرست ترتیب دی ہے جو اس طرح ہے:

ابوعلی دقاق	متوفی ۴۰۵ھ	
ابوالفضل حسن سرخسی		
ابوعبدالرحمٰن سلمی نیشاپوری	۴۱۲ھ	مولف طبقات الصوفیہ
شیخ ابوعبداللہ واستانی	۴۱۷ھ	
شیخ ابوعلی سیاہ	۴۲۴ھ	
شیخ ابوالحسن خرقانی	۴۲۵ھ	
ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی	۴۲۶ھ	
حافظ ابونعیم اصفہانی	۴۳۰ھ	مولف حلیۃ الاولیا
ابوسعید فضیل اللہ بن ابی الخیر	۴۴۰ھ	شاعر مشہور
ابوعبداللہ شیرازی، مشہور بہ ابن باکوبہ		
بابا افضل کوہی	۴۴۲ھ	
ابوالقاسم گرگانی	۴۵۰ھ	
باباطاہر عریاں ہمدانی	شاعر مشہور	
ابوعثمان نیشاپوری	۴۵۵ھ	
ابوالقاسم قشیری	۴۶۵ھ	مولف رسالہ قشیریہ
ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری	۴۶۵	صاحب کشف المحجوب
ابوعلی فارمدی	متوفی ۴۷۷ھ	
خواجہ ابوعبداللہ انصاری	۴۸۱ھ	

صاحب طبقات الصوفیا بزبان ہروی وکتاب منزال السائرین

ابولنساج طوسی	۴۸۷ھ

حجۃ الاسلام ابوحامد محمد غزالی ۵۰۵ھ

مولف احیاء العلوم، کیمیائے سعادت وتصانیف بسیار

احمد غزالی طوسی برادر امام غزالی ۵۲۰ھ

مولف لباب الاحیاء وذخیرۃ فی العلم البصرۃ

عین القضاۃ ہمدانی ۵۲۰ھ

سنائی غزالی ۵۲۵ھ

صاحب حدیقۃ الحقیقۃ وشاعر مشہور

شیخ الاسلام احمد نافعی جامی ۵۳۶ھ

اس آخری فہرست سے کہ ہندوستان میں صوفیائے کرام کی تشریف آوری سے قبل ایک کثیر تعداد اکابر صوفیا کی گزر چکی تھی اور علم تصوف کے اصطلاحات مقامات اور ریاضت ومجاہدہ میں بہ حیثیت ایک فن کے بڑی پختگی آچکی تھی۔ اسی دور چہارم وپنجم میں ایک بزرگ حضرت ہجویریؒ کا نام نامی بھی آیا ہے جن کے متعلق تذکرہ نگار بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے صوفی ہیں جنھوں نے سرزمین ہند میں قدم رکھا اور اپنے نور باطنی اور رشد وہدایت سے اس ملک کے عوام کو فائدہ بخشا۔ یوں تو متعدد کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ مسلمان درویشوں اور صوفیا کے قدم سرزمین ہند پر اس سے پیشتر پڑتے رہے لیکن ان کا مقصد محض سیر وسفر تھا۔ یہاں قیام کے ذریعہ اس علم کی اشاعت اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری وساری نہ ہو سکا۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''عرب وہند کے تعلقات'' میں یہ تحریر فرمایا ہے:

''اسلامی اثرات کا دوسرا بڑا مرکز مالابار تھا، جہاں موبلا مسلمان آباد ہیں۔ تحفۃ المجاہدین کا بیان ہے کہ تیسری صدی میں جب عرب اور عجمی مسلمان درویشوں کے ایک جماعت لنکا میں حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم کی زیارت کے لئے جارہی تھی تو باد مخالف ان کا جہاز مالابار کے شہر کدنکلور کے کنارے لے گئی۔ وہاں کا راجہ زیمور سامری نے ان کی آؤ بھگت کی۔ ان

سے ان کے مذہب کا حال دریافت کیا۔ اور ان کے بیان سے
اتنا متاثر ہوا کہ جب زائرین لنکا سے واپس آئے تو وہ اپنی
حکومت اپنے سرداروں کے سپرد کر کے خود ان کے ساتھ عرب
چلا گیا۔ اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔"

لیکن تاریخ فرشتہ نے زیمور سامری کے اسلام لانے کے واقعہ کو نبی کریم ﷺ کے عہد کا واقعہ بتایا ہے۔ گر چہ تاریخ فرشتہ کے بیان کو تحفۃ المجاہدین کی تفصیل کی روشنی میں صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پھر بھی اسے محض ایک اتفاقی امر ہی تصور کرنا چاہئے۔ بالقصد یہ صوفی یا درویشوں کی جماعت اشاعت اسلام کی غرض سے مالابار نہیں پہنچی بلکہ جہاز کے اتفاقیہ فضا ناموافق ہونے کے سبب ساحل تک پہنچ جانے کی وجہ سے ان کا ورود اس خطہ میں ہوا اس لئے انہیں وہ اولیت حاصل نہیں ہو سکتی جو حضرت ہجویری کو ہے۔

حضرت ہجویری کے عہد سے صوفیا کی آمد ہندوستان میں بڑی تعداد میں ہوئی اور انہی بزرگوں کے قدموں کی برکت ہے کہ آج ہندوستان کے چپہ چپہ میں کلمہ گو موجود ہیں۔ ان تمام صوفیا کا تذکرہ تفصیلی طور پر تو ممکن نہیں۔ البتہ کچھ مشاہیر صوفیا کے تذکرے بہ شمول حضرت ہجویری مختلف کتابوں کی مدد سے پیش کئے جاتے ہیں۔

(ماخذ: تصوف اسلام، کشف المحجوب،
حاشیہ تصوف در اسلام، تاریخ تصوف در اسلام)

اکابر صوفیائے ہند:

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ

اسم گرامی۔علی بن عثمان بن علی الغزنوی الحلابی لاہوری۔ ہندوستان میں شہرت داتا گنج بخشؒ کے نام سے ہوئی۔ ہجویر وجلاب مضافات غزنی کے دو قریے ہیں ابتدائی زندگی میں دونوں ہی قریوں میں قیام رہا س۔ اور آخر لاہور میں سکونت اختیار کر لی اور یہیں انتقال بھی فرمایا۔ اسی نسبت سے ہجویری جلابی اور لاہوری کہے جاتے ہیں۔ یہ حسنی سید تھے اور شجرۂ نسب کتابوں میں اس طرح لکھا ہے:

''علی بن عثمان بن سید علی بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید پیشہ بن سیدنا حضرت حسن بن سیدنا حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ''

حضرت ہجویری کو بیعت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی سے تھی، جو شیخ ابوالحسن خضری کے مرید تھے اور شجرۂ طریقت سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی تک پہنچتا ہے۔ دوسرے بزرگوں میں شیخ ابوالعباس احمد اشخالی، خواجہ ابواحمد مظفر، ابوسعید ابی الخیر شیخ ابوالقاسم قشیری اور شیخ ابوالقاسم گرگانی وغیرہ سے ملاقات کا تذکرہ اپنی کتاب میں کرتے ہیں۔ اور بعضوں سے استفادہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ شیخ ہجویری حنفی المذہب تھے اور حضرت ابوحنیفہؒ کا نام بڑی عقیدت اور محبت سے لیتے ہیں۔ اکثر سفر و سیاحت میں رہا کرتے۔ اپنی تصنیف میں شام سے لے کر ترکستان اور ساحل سندھ سے لے کر بحر قزوین تک ساری اسلامی سلطنتوں کی سیاحت کا تذکرہ کیا ہے۔ ازدواجی زندگی سے علیحدہ رہے۔ تذکروں میں ہے کہ لاہور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے آئے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظ فوائد الفواد میں اس کی تفصیل یوں ہے:

> ''شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ حسین زنجانی عرصہ سے لہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے۔ کچھ دنوں

کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لہاور میں جا کر
قیام کرو۔ شیخ علی نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود
ہیں۔لیکن پھر فرمایا تم جاؤ۔ جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لہاور
آئے تو رات تھی۔صبح کو شیخ زنجانی کا جنازہ لایا گیا۔"

پیر کا حکم تو بجالائے اور لاہور کی سکونت اختیار کر لی۔لیکن ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ لاہور کے قیام سے خوش نہ تھے۔ چنانچہ ایک جگہ کشف میں اس طرح رقم طراز ہیں:

"کتب من بہ حضرت غزنین ماندہ بود، و من اندر دیار
ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است، در میان ناجنسان
گرفتار شدہ بودم (کشف المحجوب ص ۶۵)"

عام لقب جو گنج بخش کا چلا آتا ہے اس کے متعلق روایت یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری نے آپ کے مزار پر آ کر حسب دستور صوفیا چلہ کی اور فیض و برکت سے مالا مال ہو کر جب رخصت ہونے لگے تو مزار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے اور یہ شعر پڑھا:

گنج بخش، بر دو عالم مظہر نور خدا　　کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

سال وفات میں اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ ۴۶۵ھ میں لاہور میں فوت ہوئے اور اسی شہر کے مغربی حصے میں مدفون ہوئے۔تصنیفات میں اب صرف کشف المحجوب باقی ہے۔ مطالب تصوف کی توضیح اور تشریح کے اعتبار سے صوفیا کے درمیان ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مشاہیر صوفیا مثلاً حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحیٰی منیری اور حضرت اشرف جہانگیر سمنانی وغیرہم نے اپنی تصنیفات اور ملفوظات میں جا بجا اس کا تذکرہ کیا ہے اور حوالے دئے ہیں۔ (ماخوذ از تصوف اسلام و کشف المحجوب یا بزم صوفیہ)

❀❀❀❀❀

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

مغربی ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ صاحب ہیں۔ اسم گرامی خواجہ معین الملۃ والدین حسن چشتی سنجری ہے۔ بلدۂ سجستان میں ولادت ہوئی۔ بارہ سال کی عمر پدر بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

"خواجہ معین الحق والدین غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن سید محمد محمدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام جعفر بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔"

والد کے ترکہ میں ایک باغ ملا تھا۔ اسی کی نگہبانی اور دیکھ بھال کیا کرتے تھے ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے۔ خواجہ صاحب نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انہوں نے انگور نہیں کھایا اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر ان کے منہ میں دیا۔ کھلی کا کھانا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل نور الٰہی سے منور ہو گیا۔ علائق دنیا سے کنارہ کر لیا اور طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند پہنچے۔ یہاں کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول ہوئے۔ پھر عراق کے ایک قصبہ ہارون پہنچے اور حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ سے بیعت کی۔ ان کی خدمت میں بہ اختلاف بیس سال تک رہے اور فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔ سفر و حضر کسی حال میں پیر و مرشد کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ چنانچہ مختلف بلاد اسلامیہ کی سیاحت اور زیارت مدینہ طیبہ اور حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔

مدینہ منورہ میں ہی انہیں ہندوستان جانے کی بشارت ہوئی۔ پیر و مرشد کے بہت عزیز مرید تھے اس لئے روانہ کرتے وقت انہوں نے خواجہ صاحب کو خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ خود عراق تک پہنچانے آئے۔ تذکروں میں ہے کہ اس وقت ان

کی عمر شریف ۵۲ سال تھی۔

حضرت ہارونیؒ سے رخصت ہو کر سنجان میں حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ڈھائی سال تک رہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی معیت میں بغداد پہنچے جہاں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدینؒ کی صحبت سے مشرف ہوئے اور یہیں خواجہ اوحد الدین کرمانیؒ سے بھی خرقۂ خلافت ملا۔

غرض یہ کہ ہندوستان آنے کی راہ میں بے شمار صوفیا اور اتقیا کی صحبت فیض اثر سے مستفید ہوتے رہے جن میں چند برگزیدہ ہستیوں کے نام یہ ہیں۔ خواجہ یوسف ہمدانیؒ، جلال الدین تبریزیؒ، ابو سعید تبریزیؒ، شیخ محمود اصفہانیؒ، شیخ ناصر الدین اسیر آبادیؒ، اور شیخ عبدالواحد غزنویؒ وغیرہم۔

ہندوستان میں جب پہنچے تو ہمراہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی تھے۔ چنانچہ اجمیر پہنچ کر انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ انہی کے الفاظ میں سنئے:

''اس کے بعد اجمیر پہنچے۔ اجمیر اس وقت ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا اور وہاں مسلمان نہ تھے۔ جب حضرت خواجہؒ کے قدم مبارک وہاں پہنچے تو اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے جس کی حد نہ تھی۔''

خواجہ صاحب ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد کئی سال تک لاہور، ملتان اور دہلی کے علاقوں میں رہے۔ پھر ۵۶۱ھ میں اجمیر پہنچے۔ یہ زمانہ چوہان خاندان کے ایک راجہ پتھورا کا تھا جس کی عملداری میں اجمیر اور دہلی تھے۔ اس کے حکام نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی۔ جوگیوں کو خواجہ صاحب کی ایذا رسانی پر آمادہ کیا۔ لیکن خواجہ صاحب کی روحانی طاقت کے آگے کسی کی ایک نہ چلی۔ ایک مشہور ہندو جوگی 'جیپال' نے خواجہ صاحب سے شکست کھا کر اسلام قبول کر لیا۔ ان کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا اور انہیں خلافت و ولایت سے بھی سرفراز کیا گیا۔ راجہ کے اکثر ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہوتے گئے۔ اور خود راجہ سلطان شہاب الدین غوری کا قیدی بن کر مارا گیا۔ اور جو مزاحمت اشاعت اسلام کی راہ میں راجہ کی طرف سے حائل

تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ چنانچہ ہندوستان میں توسیع اسلام کے لئے زمین اور زیادہ ہموار ہوگئی اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے یہ سرزمین کفر و شرک بھی اسلام کے نور سے منور ہونے لگی۔ اسی بناء پر خواجہ صاحب کا لقب وارث النبی فی الہند پڑا۔

قیام اجمیر کے دوران خواجہ صاحب نے دو شادیاں کیں۔ ایک سید وجیہ الدین مشہدی حاکم اجمیر کی لڑکی سے اور دوسری ایک ہندو راجہ کی لڑکی سے جو مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی۔ اولاد میں تین لڑکے اور ایک صاحب زادی تھیں۔

حضرت خواجہ کا وصال ۶ رجب ۶۳۲ھ کو ہوا اور اجمیر شریف میں مدفون ہوئے۔ ہندوستان کے صوفیاء میں خواجہ صاحب کا مرتبہ بہت بلند ہے اور شہرت عام کے اعتبار سے بھی بہت اعلیٰ ہے۔ تمام اجلّہ صوفیائے ہند آپ کا تذکرہ عزت و احترام سے کرتے ہیں اور ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیا، شمس الفقرا اور ختم المجتہدین جیسے القاب سے یاد فرماتے ہیں۔

خواجہ صاحب کے نام سے کئی کتابیں منسوب ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

رسالہ درکسب نفس، رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوان معینؒ، انیس الارواح اور دلیل العارفین۔

لیکن خیر المجالس کی یہ عبارت بھی توجہ طلب ہے:

> ''شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فرید الدین و شیخ الاسلام قطب الدین و از خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است۔''

اس عبارت سے ایک گروہ یہ سند پیش کرتا ہے کہ خواجگان چشت کی تصوف میں کوئی تصنیف نہیں اور ملفوظات خواجگان چشت کو بھی فرضی قرار دیتا ہے۔ حقیقت کیا ہے اس کا علم خدا ہی کو ہے۔

حضرت خواجہ اجمیری کے خلفاء ہندوستان کے اکثر و بیشتر حصوں میں پہنچے اور شمع اسلام کو روشن کرنے میں کارہائے نمایاں انجام دیا۔ ایک طرف سلاطین تخت و

تاج کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے تو دوسری طرف خانقاہوں کے بوریہ نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے اور یہ سچ ہے کہ انہی فقر وفاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی سچی عظمت وشوکت قائم ہوئی۔

حضرت خواجہ کے اجلہ خلفاء میں حسب ذیل حضرات خصوصی عظمت واحترام کے حامل ہوئے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ حمید الدین ناگوریؒ، خواجہ یادگار سبزواریؒ، خواجہ عبید اللہ بیابانیؒ۔

(ماخذ: سیر والاقطاب، سیر المجالس، اخبار الاخیار، فوائد السالکین، سیر الاولیا، دعوت اسلام، خزینۃ الاصفیا، مونس الارواح، سیر العارفین)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا وطن اوش (ماورا النہر) تھا۔ حسینی سادات میں سے تھے۔ ایام طفولیت میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے پوری ذمہ داری سے ان کی تعلیم وتربیت کا فرض انجام دیا۔ اور پانچ برس کی عمر میں حضرت مولانا ابو حفص سے انہوں نے درس لینا شروع کیا۔ حضرت ابو حفص خود بھی ایک صوفی صافی بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کی تعلیم ظاہری وباطنی کے اثر سے اوائل عمر ہی میں ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہنے لگے۔ جب حضرت خواجہ اجمیری کا گزر اوش میں ہوا تو ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور سترہ برس کی عمر میں ہی خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

ازدواجی زندگی محض تین دنوں کی رہی۔ اور عبادت وریاضت میں جب خلل پڑنے کا اندیشہ ہوا تو اہلیہ کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا۔ اس کے بعد دنیاوی علائق سے بالکل کنارہ رہے۔ شادی کے بعد مختلف مقامات کی سیر وسیاحت بھی فرمائی۔ غزنین، سمرقند اور بغداد وغیرہ کے علاوہ مناسک حج اور زیارت مدینۃ الرسول ﷺ سے بھی

مشرف ہوئے۔ جب انہیں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ہندوستان کے قصد کی خبر ملی تو خراسان روانہ ہوئے اور ان کی معیت میں ہندوستان پہنچے۔ اجمیر میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ارادہ دہلی جانے کا ہوا۔ اثنائے راہ میں ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے بھی ملے اور وہاں کچھ دنوں قیام فرما کر دہلی پہنچے۔ دہلی میں سلطان التمش نے بڑی عزت واحترام کے ساتھ استقبال کیا اور برابر خدمت میں حاضری دیتا رہا۔ دہلی کے دوران قیام میں حضرت خواجہ اجمیریؒ بھی ایک بار ان سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ اور یہ خود حضرت خواجہ کے وصال سے قبل ایک بار اجمیر گئے تھے

دہلی میں قبل سے ایک بزرگ حضرت نجم الدین صغریٰؒ جو حضرت عثمان ہارونیؒ کے مرید وخلیفہ بھی تھے رہا کرتے تھے۔ جب خواجہ کاکی دہلی آئے تو عوام کا مرجوعہ انہی کی طرف ہونے لگا۔ اس سے حضرت صغریٰ کبیدہ خاطر ہوئے۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے ان کی شکایت پر خواجہ بختیار کاکیؒ کو اپنے ہمراہ اجمیر لے جانا چاہا، لیکن عوام کی گرویدگی وفریفتگی اور خلوص ومحبت نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔

حضرت بختیار کاکیؒ سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ وصال بھی مجلس سماع ہی میں ہوا۔ تفصیل اس طرح ہے کہ ایک بار قوالوں نے شیخ احمد جام کے قصیدہ کا جب یہ شعر پڑھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را   ہر زمان از غیب جانِ دیگر ست

تو قطب صاحب پر وجد طاری ہوا۔ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ مستقل تین دن اور رات یہی کیفیت رہی۔ یہاں تک کہ اسی حال میں وصال بحق ہوا۔ سنہ وفات ۶۳۴ھ ہے۔ ان کی تصانیف میں دو کتابوں کے نام لئے جاتے ہیں۔ ایک دیوان اور دوسری فوائد السالکین۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلفاء میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر (پاک پٹن) شیخ بدر الدین غزنوی (دہلی) شیخ برہان الدین بلخی، شیخ ضیاء الدین رومی (دہلی) مولانا فخر الدین حلوانی، شیخ نجم الدین قلندر، شیخ محمود بہاری، قاضی حمید الدین ناگوری وغیرہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(ماخذ: سیر الاولیا، سیر العارفین، فوائد الفواد، سیر الاقطاب، خزینۃ الاصفیا)

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ

نام نامی محمد ہے۔ عرف عام میں حمید الدین کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں ان کے والد شہاب الدین غوری کے عہد سلطنت میں بخارا سے دہلی آئے تھے اور یہاں آپ کا انتقال ہوا۔ والد کے انتقال کے بعد حضرت ناگوری منصب قضا پر فائز ہوئے اور تین سال تک بحسن وخوبی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ پھر اچانک دنیا سے کنارہ کشی کر لی اور سیاحت کا قصد کیا۔ بغداد پہنچے تو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملا اور انہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ پھر پیرومرشد سے اجازت لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور ایک سال تک وہاں مقیم رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ آئے اور تین سال تک وہاں قیام کیا۔ مکہ مکرمہ سے واپس دہلی پہنچے تو اپنے رفیق دیرینہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ساتھ رہنے لگے اور یہیں انتقال بھی فرمایا۔ سال رحلت ۶۴۱ھ ہے۔

حضرت ناگوری کو گرچہ بیعت سلسلہ سہروردیہ تھی لیکن قطب صاحب سے قریبی تعلقات کی بنا پر انہیں چشتی ہی سمجھا جاتا ہے۔ قطب صاحب سے انہیں اجازت اور خلافت بھی حاصل تھی۔ سیر الاقطاب کی روایت ہے کہ خواجہ بختیار کاکی حضرت حمید الدین ناگوری کے شاگرد تھے۔ اور خواجہ صاحب نے علوم ظاہری کی تکمیل انہی سے کی تھی۔ لیکن حضرت خواجہ بختیار کاکی حمید الدین ناگوری کو اپنا استاد نہیں بتاتے بلکہ "یار غار" ظاہر کرتے ہیں۔

تصانیف کے سلسلے میں کئی کتابوں کے نام لئے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ناموں کی تمام کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔

(ماخذ: سیر الاقطاب، فوائد السالکین)

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ
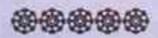
حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے جد بزرگوار کمال الدین علی شاہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ سے خوارزم ہوتے ہوئے ملتان پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ یہیں ان کے لڑکے مولانا وجیہ الدین تولد ہوئے جن کے لڑکے حضرت زکریا ملتانیؒ تھے۔ حضرت زکریا ملتانی ۱۲ سال کے تھے کہ والد نے انتقال کیا۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد مزید تعلیم کے لئے خراسان گئے اور وہاں سات سال تک قیام رہا۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد علم کی پیاس نہ بجھی تو بخارا روانہ ہوئے اور جو کمی رہ گئی تھی اسے تکمیل تک پہنچایا۔ بخارا سے بغرض حج مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں سے زیارت مدینہ طیبہ کو گئے۔ اور پانچ سال تک جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام فرما رہے۔ وہاں سے بیت المقدس ہوتے ہوئے بغداد آئے۔ اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر خرقہ خلافت پہنا اور ان کے پاس سترہ دنوں تک قیام کر کے ہندوستان (ملتان) کو مراجعت فرمائی اور وہاں کے باشندوں کو روحانی فیوض سے مالا مال کرتے رہے۔ شیخ محمد نور بخش اپنی تالیف سلسلۃ الذہب میں رقم طراز ہیں:

> ''حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیا تھے۔ علوم ظاہری کے عالم در مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منشعب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور ان کی شان بڑھائی۔''

حضرت زکریا ملتانی نہایت نڈر بے باک اور بے خوف بزرگ تھے۔ ان کی صفت سلاطین وقت کو پند و نصائح کے موقع پر اور ابھر جاتی تھی۔ ایک بار قباچہ ان کے

درپے آزار ہوا لیکن ان کی بے باکی اور حاضر جوابی نے اسے لرزہ براندام کر دیا اور وہ عزت واحترام کے ساتھ ان سے پیش آنے لگا۔

حضرت ملتانی کی وفات کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے۔ تذکروں میں ہے کہ وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے اور ان کے لڑکے حضرت شیخ صدرالدین کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دیا۔ حضرت صدرالدین خط کا عنوان دیکھ کر کچھ متعجب ہوئے۔ والد بزرگوار کی خدمت میں اسے پیش کر کے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا۔ ادھر خط پڑھتے ہی حضرت ملتانی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور یہ آواز بلند ہوئی:

"دوست بہ دوست رسید"

یہ آواز سن کر حضرت صدرالدین دوڑے ہوئے حجرہ میں گئے تو دیکھا کہ آواز حقیقت بن چکی تھی۔ سال وفات میں اختلاف ہے لیکن اتنی بات متحقق ہے کہ وفات ۶۵۶ھ اور ۶۶۵ کے درمیان ہوئی۔

ان کے خلفاء میں شیخ حسن حسن افغان، شیخ فخر الدین عراقی جو ایک مشہور بزرگ اور صاحب دل شاعر گزرے ہیں، شیخ امیر حسینی، شیخ جمال الدین خنداں اور شیخ نجیب الدین علی برغش کا نام آتا ہے۔ ان کے فرزند ارجمند حضرت شیخ صدرالدین عارف کو بھی ان ہی سے ارادت اور اجازت وخلافت تھی اور انہی کی صحبت و تعلیم ظاہری و باطنی نے انہیں سرحلقہ اولیا بنایا۔ متعدد تذکرہ نویسوں نے صوفی صافی بزرگ ہونے کی حیثیت سے ان کا نام بڑے عزت واحترام اور عقیدت سے لیا ہے۔ اور تفصیل سے ان کے حالات رقم کئے ہیں۔ سال وصال تقریباً ۶۷۴ھ ہے۔

(ماخذ: فوائد الفواد ص ۶، سیر العارفین ص ۲۵، بزم صوفیہ سفینۃ الاولیا ص ۱۹۹)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

ولادت باسعادت ۵۸۴ھ میں ملتان کے ایک قصبہ کھنی وال میں ہوئی۔
سلسلۂ نسب حضرت ابراہیم بن ادہم کے واسطہ سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔
ان کے والد حضرت جمال الدین سلیمان سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے لاہور آئے۔ پھر کچھ دنوں قصور اور ملتان میں رہ کر کھنی وال آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے۔ والدہ کا نام قرسم خاتون بنت ملا وجیہ الدین تھا۔

گنج شکر کے لقب سے مشہور ہونے کی مختلف وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔ تمام تذکرہ نویس کسی ایک واقعہ اور وجہ پر متفق نہیں۔ ہاں اس پر متفق ضرور ہیں کہ کوئی چیز انہوں نے مٹی، پتھر یا کیچڑ وغیرہ کی قسم کی منہ میں خود سے ڈالی یا چلی گئی تو اس کا ذائقہ انہیں شیریں معلوم ہوا۔ جب اس واقعہ کو انہوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت بختیار کاکی کو سنایا تو انہوں نے فرمایا "فرید! گنج شکر ہے"۔ یعنی شیرینی کا خزانہ ہیں۔ چنانچہ اسی وقت سے یہ لقب انکے نام کے ساتھ لیا جانے لگا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے مولد و مسکن میں ہوئی۔ مزید تعلیم کے لئے ملتان پہنچے۔ اس زمانہ میں بختیار کاکی کا گذر ملتان میں ہوا۔ ایک روز اسی مسجد میں جس میں وہ رہتے تھے حضرت بختیار کاکی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے اور پہلی ہی نظر میں حضرت گنج شکر ان کے دیوانہ ہو گئے۔ اور ان کے دست حق پرست پر مرید ہوئے۔ ان کی عمر شریف اس وقت اٹھارہ سال کی تھی۔ جب شیخ بختیار کاکی نے دہلی کا قصد کیا تو چلتے وقت حضرت گنج شکر کو مزید حصول تعلیم کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ وہ ہندوستان سے نکل کر غزنین، بغداد، سیوستان اور بدخشاں وغیرہ میں علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔

حضرت گنج شکر نے سیر و سیاحت اور حصول تعلیم کے دوران اس عہد کے جن مشاہیر سے کسب فیض کیا اور جن صوفیوں سے ملاقاتیں کیں ان کا تذکرہ ان کے ملفوظات راحت القلوب میں ملتا ہے۔ چند اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ اجل سنجری، شیخ سیف الدین باخرزی، امام حداد، شیخ اوحدالدین کرمانی اور حضرت ابو یوسف چشتی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت فرید الدین گنج شکر کو اجازت و خلافت حضرت خواجہ اجمیریؒ اور قطب الدین بختیار کاکی دونوں ہی بزرگوں سے تھی۔ لیکن صحبت زیادہ تر حضرت بختیار کاکی کی رہی۔ انہی کے حکم سے دہلی سے ہانسی گئے اور پھر پیر و مرشد کو زندہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ وصال کے بعد دہلی پھر آئے۔ تمام لوگوں نے دہلی میں قیام کرنے کی درخواست کی مگر انہوں نے قیام دہلی کو پسند نہیں فرمایا اور واپس ہانسی چلے گئے، وہاں بھی لوگوں کا ہجوم بڑھا تو اجودھن چلے گئے۔ تنہائی اور سکون کا ماحول ملا تو اسی کو مسکن بنا لیا۔ کچھ دنوں بعد حاجت مندوں کا ہجوم وہاں بھی بڑھنے لگا تو اسے چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن پیر و مرشد کو خواب میں دیکھا کہ وہیں قیام کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ اور عوام کی حاجت براری کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ چنانچہ مجبوراً وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور لوگوں کو عام اجازت دے دی کہ جو شخص جب چاہے مل سکتا ہے۔ پھر کسی سے مل کر ملول خاطر نہیں ہوا کرتے۔

حضرت گنج شکر کے نکاح میں الغ خاں کی لڑکی بی بی زہرہ تھیں، جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ وفات فوائد الفواد کی روایت کے مطابق ۶۸۷ھ میں ہوئی۔ لیکن دیگر تذکرہ نویس اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ جب ان کا وصال ہوا تو اس وقت عمر شریف ۹۳ سال کی تھی۔ اور سال ولادت بجز فوائد الفواد کے کسی میں تحریر نہیں۔ اس کے علاوہ یہی کتاب ان کے عہد سے زیادہ قریب ہے، اس لئے اسی پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

تصنیفات میں ایک کتاب ملفوظات کی راحت القلوب کے نام سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے مرتب کی۔ اور دوسری کتاب سیر الاولیا کو حضرت بدر اسحاق نے ترتیب دیا ہے۔ دونوں بزرگ حضرت گنج شکر کے مریدین اور اجلہ خلفاء میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے خلفاء میں جن لوگوں کو شہرت دوام او قبولیت عوام حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: شیخ علاء الدین صابری کلیری، شیخ جمال الدین قطب

ہانسوی، شیخ نجیب الدین متوکل، شیخ داؤد پالبی، سید امام علی لاحق، شیخ منتخب الدین چشتی (دیوگیری)، خواجہ علاء الدین بن شیخ بدر الدین (دیال پور)، شیخ زکریا سندھی، مولانا علی بہاری۔ حضرت گنج شکر کے خلفاء کی یہ فہرست گو مختصر ہے لیکن اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ صوفیا کی تحریک اس عہد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکی تھی اور لوگ ان کی تعلیمات سے مستفیض ہو رہے تھے۔

(ماخذ: فوائد الفواد ص ۱۸۸، سیر الاقطاب ص ۱۶۷، راحت القلوب، ترجمہ سیر العارفین، خورشید الاصفیا، خزینۃ الاصفیا)

حضرت شیخ امیر حسینیؒ:

غور کے ایک گاؤں کزیو کے حضرت شیخ امیر حسنیؒ رہنے والے تھے۔ پھر بعد میں ہرات میں سکونت پذیر رہے اسی لئے نام کے ساتھ ہروی بھی لکھا ملتا ہے۔ ان کا نام نامی نصحات الانس کے مطابق حسین بن عالم بن ابی الحسن ہروی ہے۔ بیعت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے تھی۔ اپنے زمانے میں نواحی خراسان میں علم معرفت اور طریقہ درویشی میں بے نظیر اور بے ہمتا گزرے ہیں۔ بڑی ریاضتیں فرماتے تھے۔ ملتان پہلی بار اپنے والد کے ہمراہ بر سبیل تجارت آئے تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریا کی خدمت میں باریاب ہوئے لیکن بہ سبب زعم علم و کمال مرید نہ ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد دفعتاً ترک تعلق دنیا کر کے عبادت و ریاضت اور خدا طلبی کی طرف مائل ہوئے اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ مساکین و فقراء پر تقسیم کر کے پھر ملتان آئے اور شیخ زکریا کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور تین برس تک شیخ کی خدمت میں رہ کر ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ علوم باطنی کی تکمیل کے بعد اپنے وطن مالوف کو واپس ہوئے اور وہیں لگ بھگ ۷۲۹ھ میں انتقال کیا تصنیفات میں متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں

نزہت الارواح، صراط مستقیم، طرب المجالس، زاد المسافرین، کنز الرموز، سوالات گلشن راز اور دیوان اشعار۔ یہ تمام مخطوطہ کی شکل میں مختلف کتب خانوں کی آج بھی زینت بنی ہوئی ہیں۔

(ماخذ: سیر العارفین، تذکرہ دولت شاہ، نفحات الانس)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ:

اسم گرامی محمد۔ القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان ال ، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا۔ سلسلہ نسب حضرت امام حسینؓ کے واسطہ سے حضرت علی مرتضیٰؓ تک پہنچتا ہے۔ محبوب الٰہی کے اجداد بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آئے۔ پھر وہاں سے بدایوں آ کر سکونت پذیر ہوئے اور اسی شہر میں ۶۳۴ھ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے جاتا رہا۔ والدہ نے بڑی تندہی سے تربیت کی اور چونکہ خود بھی ایک عابدہ وزاہدہ تھیں اس لئے ان کی تربیت کا خاطر خواہ اثر حضرت محبوب الٰہی کی زندگی پر پڑا۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی۔ مزید تعلیم کے لئے اپنی والدہ کے ہمراہ دہلی تشریف لائے اور مولانا شمس الدین دامغانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حضرت دامغانی بڑی محبت و شفقت اور توجہ سے ان کو تعلیم دیا کرتے اور خاص خیال رکھتے۔ اگر کبھی حلقہ درس سے غیر حاضری ہو جاتی تو بڑی بے چینی کا اظہار فرماتے۔ ان کے علاوہ مولانا شمس الدین مولانا کمال الدین اور ابو مشکور سالمی سے بھی مختلف کتابوں کے اسباق لئے۔ اس طرح حصول علم کے بعد علوم روحانیہ کی پیاس بجھانے کا راستہ کھلا۔ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں پا پیادہ اجودھن پہنچے۔ ان سے بیعت کی اور انہی کی صحبت میں ایک عرصہ تک رہ کر تعلیم روحانی اور تربیت باطنی پاتے رہے۔

عوارف المعارف کا درس انہوں نے بابا صاحب ہی سے لیا۔ غرض حضرت گنج شکر کی صحبت فیض اثر سے فیضیاب ہو کر دہلی آئے اور صالح اعمال کی وجہ سے جلد

ہی عوام میں شہرت ہوگئی۔ سلاطین وقت بھی بڑی قدر کیا کرتے اور ان کی خدمت کو باعث فخر سمجھتے۔ اس طرح دہلی کو انہوں نے اپنے رشد و ہدایت کا مرکز بنالیا۔ ان کے محبوب مرید حضرت امیر خسروؒ کا ارشاد ہے: ''دلی تیری خاک پا خسرو بل بل جائے''

حضرت محبوب الٰہی کی ابتدائی زندگی دہلی میں بڑی عسرت اور تنگ دستی میں بسر ہوتی تھی۔ لیکن ایک درویش کی دعا سے یہ حالت جاتی رہی۔ پھر تو مال و دولت کا انبار لگا رہتا۔ امراء بھی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور نذریں گزارتے۔ بعض تو اپنے پچھلے اعمال سے تائب ہوکر ساتھ ہی رہنے لگے تھے۔

حضرت امیر خسرو جو ان کے جاں نثار مریدوں میں تھے بڑی محبت رکھتے تھے۔ امیر خسرو بھی ایک والہانہ لگاؤ اپنے پیر و مرشد سے رکھتے تھے۔ خسرو نہ صرف ایک بے مثل شاعر اور ادیب تھے بلکہ شاہی دربار کے تعلق سے امارت کی زندگی بسر کیا کرتے۔ پھر بھی اپنے مرشد کے حضور ایک ادنیٰ خادم کی طرح رہا کرتے اور ان کے ایک اشارۂ چشم و ابرو کے منتظر رہتے۔ اسی طرح محبوب الٰہی کو بھی اپنے مرید سے بڑی شیفتگی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ:

''اورا در قبر من دفن نمائند تا ہر دو یکجا باشیم''

امیر خسرو مرشد کے وصال کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی ایک مہم پر تھے۔ محبوب الٰہی کا وصال ہوا تو یکا یک امیر خسرو کے دل پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی کا وصال ہوگیا۔ یہ سن کر بیتاب ہوگئے۔ اپنی ساری ملکیت راہ خدا میں فقراء و مساکین میں تقسیم کردی اور ماتمی لباس پہن کر مزار پاک پر پہنچے اور اس سے سر ٹکرا کر ایک چیخ ماری اور فرمایا کہ:

''سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ''

مشہور ہے کہ اسی وقت ہندی میں یہ دوہا بھی کہا

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپ نے اب سانجھ بھئی چودیس

اس کے بعد بے ہوش ہو گئے اور اسی اندوہ وغم میں چھ ماہ بعد عالم بقا کو سدھارے۔

حضرت محبوب الٰہی کا وصال ۷۲۵ھ کو دہلی میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ملفوظات کی تعداد جنہیں ان کی تصانیف کی حیثیت حاصل ہے، چار بتائی جاتی ہے، جن کے نام یہ ہیں: (۱) فوائد الفواد۔ (۲) فضل الفواد۔ (۳) راحت المحبین (۴) سیر الاولیاء۔

حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں: شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت امیر خسرو، قطب الدین منور (ہانسی)، شیخ حسام الدین ملتانی (پاک پٹن)، شیخ برہان الدین غریب (دیوگیر)، شیخ حسام الدین سوختہ (سانبھر)، شیخ اخی سراج الدین (مالدہ)، خواجہ شمس الدین دھاری (ظفر آباد)، حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی، شیخ منتخب الدین (خلد آباد)۔

ان خلفاء میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے دہلی، اودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی اور روحانی تعلیمات کو پروان چڑھایا۔ حضرت شیخ اخی سراج نے بنگال اور اس کے اطراف بہار و آسام میں صوفیانہ تعلیم کو عام کیا۔ حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن کو اپنے مرشد کے برکات سے مستفیض کیا۔

خواجہ حسن نظامی کا قول ہے کہ چین میں بھی حضرت کے ایک خلیفہ خواجہ سالار محسن ین نامی تھے جنہوں نے چین میں سلسلۂ نظامیہ قائم کر کے اسلام کی تبلیغ کی۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی نے پانی پت کے علاقہ میں بے شمار غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحید و رسالت کے ان شیدائیوں کو اشاعت اسلام کی بھی ہدایت، یہی نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ ان کا فرض اولین تھا تو غلط نہ ہوگا۔

(ماخوذ از سیر الاولیا، سیر العارفین، خزینۃ الاصفیا جلد اول، سفینۃ الاصفیا، تاریخ فرشتہ جلد دوم، بزم صوفیہ)

حضرت سید جلال الدین بخاریؒ:
المعروف بہ مخدوم جہانیان جہاں گشت

اسم گرامی جلال الدین تھا لیکن عام طور پر مخدوم جہانیان جہاں گشت کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ عید کے روز انہوں نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدر الدین اور شیخ رکن الدین کے مزار پر حاضر ہو کر مراقبہ کیا اور عیدی طلب کی۔ ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں مخدوم جہانیان کا لقب ملا۔ اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی بھی دیکھتا بے اختیار کہہ اٹھتا کہ مخدوم جہانیان آ رہے ہیں۔ اور چونکہ سیر و سیاحت بہت کی اس لئے جہاں گشت بھی کہلائے۔

حضرت جہانیان کے دادا سید جلال الدین بخارا سے بھکر ہوتے ہوئے ملتان آئے اور حضرت زکریا ملتانی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور یہیں مقیم بھی ہو گئے۔ ان کے تین لڑکوں میں سید احمد کبیر کے فرزند جناب مخدوم جہانیاں تھے۔ ان کے والد اور دادا دونوں ہی کاملین وقت میں شمار ہوتے تھے۔ سید احمد کبیر شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ حضرت مخدوم کے سگے بھائی مخدوم راجو قتال بھی ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ یہ اپنے بھائی حضرت مخدوم ہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس طرح اگر یہ کہا جائے کہ "ہمہ خانہ آفتاب" تو بے جا نہ ہوگا۔

مخدوم جہانیاں کی ولادت اُچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم بھی یہیں پائی۔ مزید تعلیم کے لئے ملتان تشریف لے گئے اور حضرت رکن الدین کے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس اُچہ آئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے دوران قیام میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ تسطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں۔

حضرت مخدوم کے ملفوظات کے مرتب سید علاء الدین علی سعد حسینی لکھتے ہیں کہ انہیں ۸۸ علوم میں مہارت کاملہ حاصل تھی۔ اور ان علوم کی طویل فہرست بھی پیش کی

ہے۔ دوسرے تذکرہ نویس بھی ان کے تبحر علمی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

جامع است میان علم وولایت (اخبار الاخیار ص ۱۳۴)

سید جلال الدین بخاری قدس سرہ از محققان روزگار و عارفان صاحب اسرار بود و در علوم ظاہری و باطنی ہمہ در فقر و استغنا نظیری نداشت (مرأۃ الاسرار)

آغاز میں والد ماجد سے بیعت کی پھر زکریا ملتانی کے پوتے شیخ ابو الفتح رکن الدین کے ہاتھوں پر تجدید بیعت کی۔ مرشد سے بے اندازہ محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ مرشد نے بھی خوش ہو کر انہیں دین و دنیا کی کامرانی کی دعائیں دیں اور اقلیم ولایت کا سردار کہا جو حرف بہ حرف صحیح ہوا۔ بے شمار بزرگوں اور اولیاء اللہ نے انہیں خرقہ خلافت سے نوازا۔ بعضوں سے عالم خواب میں اجازت حاصل ہوئی۔ سیر و سیاحت میں انہوں نے اپنا بہت وقت صرف کیا۔ اور بے شمار اولیاء اللہ سے دوران سیاحت ملاقات کی اور فائدے حاصل کئے۔ چھ بار حج اکبر سے بھی مشرف ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی ملاقات کے شوق میں سیدھے دہلی آئے۔ اس کے بعد اپنے وطن مالوف اُچہ تشریف لے گئے۔ دہلی اور اُچہ کے راستہ میں بے شمار غیر مسلم ان کے فیض سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اولاد میں سے لڑکوں کے نام یہ ہیں: سید شمس، سید صدر الدین، سید ناصر الدین اور شاہ جلال۔

تمام صاحبزادگان ظاہری اور باطنی کمالات اور فیوض و برکات کی وجہ سے مرجع خلائق ہوئے۔

مخدوم جہانیاں کا وصال ۷۸۵ھ میں اُچہ میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ یہ جگہ ریاست بہاول پور میں ملتان سے ستر میل دور جنوب مغرب میں واقع ہے۔

ملفوظات کے تین مجموعے 'خزانہ جلالی'، 'سراج الہدایہ' اور 'جامع العلوم' کے نام سے ان کی یادگار ہیں۔

(ماخوذ از سیر العارفین، اخبار الاخیار، الدر المنظوم مراۃ الاسرار، خزینۃ الاصفیا)

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ:
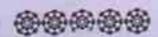
وطن سمنان تھا اور وہیں ولادت بھی ہوئی تھی۔ والد بزرگوار سمنان کے سلطان تھے اور والدہ زہد و عبادت میں یکتائے زمانہ اور بے مثل تھیں۔ تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوب کی دعاؤں کی برکت سے سید اشرف پیدا ہوئے۔ سات سال کے ہوئے تو سات قرأت کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا اور چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تعلیم مکمل کرلی، جس سے تمام عراق میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کی حکومت کا بار ان کے کاندھوں پر آپڑا، لیکن یہ اس سے خوش نہیں تھے۔ بالآخر اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خواب کا واقعہ بیان کیا، جس میں انہیں سلطنت ترک کر کے ہندوستان جانے کا حکم ہوا تھا۔ اور ترک سلطنت کا ارادہ ظاہر کیا۔ والدہ نے بخوشی ان کی بات مان لی اور اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کا قصد کیا۔ سفر میں بے شمار ساز و سامان ساتھ تھا۔ لیکن سبھوں کو راستہ میں فقراء پر تقسیم کر دیا اور ماوراالنہر، بخارا اور سمرقند ہوتے ہوئے اُچہ پہنچے۔ یہاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملاقات ہوئی۔ ان سے فیض یاب ہو کر دہلی آئے۔ مشائخ دہلی کی صحبتوں سے مستفیض ہو کر بہار شریف کا رخ کیا اور بہار شریف اس وقت پہنچے جب حضرت مخدوم جہاں شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت مخدوم کے جنازہ کی سنت نبوی کی پیروی میں کئی جماعتیں ہوئی تھیں۔ چنانچہ ایک جماعت کی امامت انہوں نے فرمائی۔ اور کچھ دنوں تک مزار اقدس پر مراقبہ کر کے روحانی فیوض و برکات حاصل کئے اور عازم بنگال ہوئے۔ اس وقت بنگال میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت علاء الدین علاء الحق ابن اسعد لاہوری (پنڈوہ) کی مذہبی اور روحانی تعلیمات کا فیض جاری تھا۔ یہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مشہور خلیفہ اخی عثمانؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے خاندان کے اکثر لوگ وزارت اور دوسرے بڑے بڑے شاہی

عہدوں پر فائز تھے لیکن خود انہوں نے درویشی اختیار کر رکھی تھی۔ جید عالم بھی تھے اس لئے مذہبی اور روحانی تعلیمات کے لئے ان کے پاس لوگ بکثرت آتے تھے۔ مزار شریف ضلع مالدہ کے ایک قصبہ پنڈوہ میں ہے۔ لیکن قیام سنار گاؤں اور بنگال کے دوسرے مقامات پر بھی رہا۔ ان کے تبحر علمی اور فیوض روحانی کا غلغلہ سن کر حضرت شیخ اشرف ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور بارہ سال تک مرشد کی خدمت میں رہے اور روحانی فیوض اور باطنی تربیت سے مالامال ہوتے رہے۔ پھر مرشد کے حکم سے نواح جونپور کا قصد کیا۔ اور قصبہ منیر شریف ہوتے ہوئے محمد آباد گہنہ (اعظم گڑھ) پہنچے۔ پھر ظفر آباد اور اس کے بعد جونپور میں وارد ہوئے۔ یہاں سے مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے روح آباد پہنچے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ روح آباد ہی کو اندنوں کچھوچھہ سے یاد کیا جاتا ہے۔

کچھوچھہ میں ایک ہندو جوگی سے مقابلہ ہوا، لیکن اس نے شکست کھائی اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس طرح بہت سے غیر مسلم ان کے کمالات سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نواحی علاقوں میں بھی اکثر اشاعت اسلام اور تبلیغ کی غرض سے جایا کرتے تھے اور نتیجہ خاطر خواہ ہوا کرتا تھا۔

کچھوچھہ میں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد حضرت اشرف سمنانی ؒ شیخ بدیع الدین مدار ؒ کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت مدار ؒ تو ہندوستان واپس آ گئے، لیکن شیخ اشرف بلاد اسلامیہ کی سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے وطن مالوف سمنان بھی پہنچے۔ پھر مختلف ممالک کا سفر کرتے ہوئے واپس ہندوستان آئے۔ دوسری بار کچھوچھہ سے سیاحت کے لئے اور ربع مسکون کا سفر کرنے کے بعد مرشد کی زیارت سے فیض یاب ہوتے ہوئے اپنی خانقاہ کچھوچھہ واپس آئے اور پھر آخرت وقت تک یہیں قیام رہا۔

حضرت شیخ اشرف سمنانی ؒ کا وصال ۲۷ محرم ۸۰۸ھ میں ہوا۔ کچھوچھہ میں مزار مبارک آج بھی مرجع خلائق ہے۔

خلفاء کی ایک طویل فہرست کتابوں میں ملتی ہے۔ تصنیفات میں تین کتابیں

یادگار کے طور پر چھوڑیں (۱) بشارت المریدین، (۲) مکتوبات اشرفی اور (۳) ملفوظ لطائف اشرفی۔

(ماخذ: لطائف اشرفی، خزینۃ الاصفیا)

اشاعت اسلام کے سلسلہ میں صوفیائی ہند نے کیا کیا مشقتیں برداشت کیں اور کس طرح خون جگر دے کر اس پودے کو سینچا اس کی تفصیل میں جانا آسان نہیں۔ صرف ان کے حالات پر ہی ایک نظر ڈال لینا کافی ہے۔ اور میں نے بھی اسی بات کو ذہن میں رکھ کر صوفیا کی ہندوستان میں آمد سے لے کر چودہویں صدی تک کے کبار صوفیا کے اجمالی حالات قلم بند کئے ہیں۔ اسلام کی توسیع و اشاعت کے سلسلہ میں صوبہ بہار کے کارنامے بھی سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہیں، جنہیں آئندہ اوراق میں تفصیل سے اور مستند حوالوں کے ساتھ انشاء اللہ پیش کیا جائے گا۔

سلاسل بیعت:

علوم ظاہری میں احادیث کی سند کی طرح روحانی تعلیم و تربیت اور بیعت کی بھی ایک سند مقرر کی گئی ہے جسے سلسلہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ سلسلے بھی احادیث کی اسناد کے مانند موحد طریقت حضرت نبی کریم ﷺ تک پہنچتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مختلف احادیث میں نبی کریم ﷺ کے بعد واسطے اور اشخاص بدلتے رہتے ہیں لیکن صوفیا کے شجروں میں نبی کریم ﷺ کے ایک سلسلے نقشبندیہ کو چھوڑ کر تمام سلسلوں میں واسطہ حضرت علیؓ کا نام نامی ہے۔ (سلسلہ نقشبندیہ دو واسطوں سے نبی کریم ﷺ تک تک پہنچتا ہے۔ ایک سلک مشہور بواسطہ حضرت علیؓ اور دوسرا حضرت ابو بکرؓ کے واسطہ سے نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔)

اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیا ان کی ذات کو ولایت اور روحانی فیوض و برکات کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے قربت اور قرابت کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام علوم باطنی آپ سے حضرت علیؓ کو منتقل ہوئے۔ اور دنیائے ولایت وسلوک کی امامت کا منصب انہی کو عطا کیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام سلسلوں کی انتہا ذات رسالت ہے اور واسطہ حضرت علیؓ تو پھر اتنے سارے سلسلوں اور شجروں کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان الفاظ میں دیا ہے:

> ''ظاہر دین کی تجدید و اصلاح کے ساتھ ساتھ باطن دین کے تزکیہ کے لئے بھی عنایت الٰہی برابر انتظام فرماتی رہی ہے۔ چنانچہ جس طرح شریعت کے مجدد دین پیدا ہوتے رہے ہیں اسی طرح طریقت کے بھی اب تک بہت سے خانوادے ہو چکے ہیں۔ اور بہت سے اس وقت بھی موجود ہیں۔ (تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ)''

ایک دوسری جگہ پر ذرا تفصیلی طور پر یوں فرماتے ہیں:

> ''۔۔۔۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریدوں اور طالبوں کی ایک کثیر جماعت اس بزرگ کے ارد گرد جمع ہو جاتی ہے اور یہ بزرگ باطن کی تہذیب اور اصلاح کے لئے اوراد و اشغال کو نئے سرے سے ترتیب دیتا ہے۔ یہاں سے اس بزرگ کے خانوادہ طریقت کی بنیاد پڑتی ہے اور لوگ اس سلک پر چلنے لگتے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۰-۴۳)''

عبارت مندرجہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ تمام خانوادوں یا سلسلوں کی غرض و غایت وصول الی اللہ ہے۔ طریقے کچھ مختلف ضرور ہیں۔ اب ان ذریعوں یا طریقوں ہی کے اختلاف کی بناء پر سلاسل کی تعداد بڑھتی گئی اور جس بزرگ نے اسلام کی تعلیم و تربیت اور اسلاف کے طریقوں سے الگ کوئی نئی راہ وصول الی اللہ کی نکالی تو اسی کے نام ایک نیا سلسلہ عالم میں وجود میں آیا۔

حضرت ہجویریؒ اپنی کتاب **کشف المحجوب** میں تحریر فرماتے ہیں کہ صوفیا کے بارہ سلسلے ہیں۔ ان میں دس مقبول اور باقی دو مردود ہیں۔ انہوں نے تفصیل کے ساتھ ان سلسلوں کے بانیوں کے نام اصولی اختلافات کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس طرح ہے۔ مقبول سلسلے جن کی تعداد دس ہے:

محاسبیہ	موجد عبداللہ بن حارث محاسبیؒ
قصاریہ	ابو حمدان قصارؒ
طیفوریہ	بایزید بسطامیؒ
نوریہ	ابوالحسن نوریؒ
سہیلیہ	سہیل تستریؒ
حکیمیہ	حکیم ترمذیؒ
خضاریہ یا خزاریہ	ابوسعید خزارؒ
خفیفیہ	ابوعبداللہ خفیفؒ
سیاریہ	ابوعباس سیاریؒ

باقی دو سلسلے جو اہل ضلالت اور مردودین کے بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

حلولیہ	موجد ابوحلمان دمشقی

بارہویں سلسلہ کا نام درج نہیں کیا گیا ہے۔ بانی کا نام فارس لکھا ہے لیکن اس کی بھی کوئی تفصیل درج نہیں کی ہے۔ ملا جامی نے پورا نام فارس بن عیسیٰ بغدادی لکھا ہے۔ انہیں منصور حلاج کا مرید بتایا ہے اور اولیا میں شمار کیا ہے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں ہندوستان میں چودہ سلسلوں کے رواج کا ذکر کیا ہے جو اس طرح ہیں:

حبیبیاں، طیفوریاں، کرخیاں، سقطیاں، جنیدیاں، گاذرونیاں، طوسیاں، فردوسیاں، سہروردیاں، زیدیاں، عیاضیاں، آدمیاں، ہبریاں، چشتیاں۔

یہ چودہ خانوادے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے دو خلفاء، خواجہ عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ اور خواجہ حبیب عجمی قدس سرہٗ سے اس طرح نکلے کہ پانچ سلسلے خواجہ

عبدالواحد زید کے خلفاء سے چلے جو یہ ہیں:

زیدیہ، عیاضیہ، آدمیہ، ہبریہ اور چشتیہ

اور خواجہ حبیب عجمی کے خلفاء سے نو خانوادے یا سلسلے چلے جو حسب ذیل ہیں:

کرخیہ، حبیبیہ، طیفوریہ، سقطیہ، جنیدیہ، گاذرونیہ، طوسیہ، فردوسیہ اور سہروردیہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی سلاسل کی تعداد اور بانیوں سے متعلق تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن میں مندرجہ بالا خانوادوں کا ذکر تو ہے ہی ان کے علاوہ بھی چند دیگر سلاسل اور خانوادوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے جلالیہ، قادریہ، اکبریہ، اویسیہ اور خانوادۂ خواجگان۔

سرزمین ہند میں چشتی طریقہ کو حضرت معین الدین اجمیریؒ نے از سر نو زندہ فرمایا اور ان سے خانوادہ معینیہ چلا۔ اور خانوادۂ خواجگان سے نقشبندیہ سلسلہ نکلا۔ اور نقشبندیہ سلسلہ آگے چل کر حضرت عبیداللہ احرار سے احراری خانوادہ بنا۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نئے نئے خانوادے وجود میں آتے گئے۔ جیسے شیخ عبد القدوسؒ گنگوہی سے قدوسی سلسلہ نکلا۔ شیخ محمد غوث گوالیاری سے غوثیہ طریقہ چلا۔ خانوادہ باقویہ، خواجہ باقی باللہ سے منسوب ہے اور احمدیہ خانوادہ کے بانی شیخ احمد سرہندی ہیں۔ اسی طرح ابوالعلائیہ سلسلہ امیر ابوالعلا کے واسطہ سے چلا۔ ان سلسلوں کے علاوہ اور بھی بہت سے خانوادے معرض وجود میں آئے جن میں سے بعض تو اس وقت تک موجود ہیں اور بعض کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ بعض سلسلے جو ان کی فہرست میں شامل نہیں وہ ہیں فردوسیہ، شطاریہ، زاہدیہ، منعمیہ اور مداریہ وغیرہ۔

مولانا اسماعیل سنبھلی نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں جو سلسلے زیادہ چلے اور اس وقت بھی رائج ہیں وہ ہیں:

نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، فردوسیہ، شطاریہ، لیکن انہوں نے چند اہم سلسلوں کو نظر انداز کر دیا جو اب بھی رائج ہیں مثلاً نقشبندیہ، زاہدیہ، ابوالعلائیہ اور قلندریہ وغیرہ۔

چشتیہ:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) نے اس سلسلہ کو ہندوستان میں رائج کیا۔ ہندوستان کی تاریخ کے ابتدائی اسلامی دور میں یہی سلسلہ جاری ہوا۔ اور اسی کی خانقاہیں پاک پٹن، دہلی، لکھنؤ، دیو گیری اور مالدہ تک قائم ہوئیں۔ حضرت خواجہ چشتیؒ کے جلیل القدر خلفاء اور سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں جیسے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت جمال الدین ہانسویؒ، حضرت نظام الدین اولیا، حضرت مخدوم علی صابر کلیری اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی وغیرہ کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں بہت فروغ پایا۔

بہار میں یہ سلسلہ مختلف واسطوں سے پہنچا، جس میں مشہور واسطے حضرت حافظ منجھن جلال ناصحی سارنی، حضرت شیخ بڈھ طیب زنجانی، حضرت شاہ نعمت اللہ قادری، شاہ قاضن شطار اور حضرت آدم صوفی چشتی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ لیکن ان میں اولیت حضرت آدم صوفی چشتیؒ (جھلی) کو حاصل ہے۔

نقشبندیہ:

قدامت کے اعتبار سے یہ ہندوستان میں آنے والے سلسلوں میں سب سے قدیم ہے۔ اس کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ خواجہ محمد اتالیسویؒ (المتوفی ۱۱۶۶ء) ہیں۔ ان کے بعد خواجہ بہاء الدین نقشبند نے اسے شہرت دوام بخشی۔ چنانچہ انہی کے نام پر اس سلسلہ کا نام نقشبندیہ پڑا۔ ہندوستان میں اس کا عام رواج حضرت خواجہ باقی باللہ (متوفی ۱۶۰۳ء) کے ذریعہ ہوا۔ لیکن بہار میں یہ حضرت قطب عالم پنڈوہ اور حضرت خواجہ بوعلی فارمدی کے واسطوں سے پہنچا۔ حضرت باقی باللہ کا نام بہار کے ان شجروں میں بزرگان منیر شریف اور اسلام پور میں چلتے ہیں، کہیں نہیں آتا ہے۔

قادریہ:

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اس کے سرخیل ہیں۔ انہوں نے اپنے خلفاء کو عوام کی روحانی تربیت اور اشاعت اسلام کے لئے دور دراز ممالک میں بھیجا۔ اس طرح اس سلسلے کی اشاعت بڑھی اور اسلام کی خدمت بھی ہوئی۔ مولانا اسماعیل سنبھلی

کے قول کے مطابق اس سلسلہ کو ہندوستان میں حضرت شاہ نعمت اللہ قادری نے قائم کیا لیکن منیر شریف اور اسلام پور (پٹنہ) کے مخدوم زادوں کے شجروں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت شاہ نعمت اللہ قادری کے واسطہ کے علاوہ دیگر واسطوں سے بھی یہ سلسلہ بہار میں پہنچا اور ان میں بعض واسطے حضرت شاہ نعمت اللہ قادری سے قبل کے ہیں۔ مثلاً حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور حضرت سید اسماعیل ابدال کے علاوہ حضرت ابراہیم عطاء انصاری چشتی شطاری اور خواجہ فیض اللہ المعروف بہ شاہ قاضن شطار کے واسطے سے بھی یہ سلسلہ بہار میں پہنچا۔

سہروردیہ:

یہ سلسلہ حضرت شیخ ضیاالدین ابونجیب سہروردیؒ سے چلا۔ چشت کی طرح سہروردی بھی ایک مقام کا نام ہے، جو عراق وعجم کے اندر مہران وزنجان کے درمیان واقع ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت ضیاالدین ابونجیب سہروردی اور ان کے مرید و خلیفہ و جانشین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی یہیں کے رہنے والے تھے۔ اسی لئے ان کے سلسلے کو سہروردی کہتے ہیں۔

ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ذریعہ آیا۔ معین الدین دردائی اپنی کتاب تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں لکھتے ہیں:

''اس سلسلہ کی خانقاہیں ملتان اور سندھ تک محدود ہیں''۔ جبکہ خود حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں ''خلفائی فی الھند کثیرۃ''۔

مولانا اسماعیل نے ان خلفاء میں شیخ نورالدین مبارک غزنوی، مولانا مجد الدین جامی، ضیاء الدین رومی اور قاضی حمید الدین ناگوری وغیرہم کے نام لئے ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جو ہندوستان میں مقیم ہوئے اور ان کا سلسلہ رشد وہدایت چلا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب ملتان اور سندھ ہی میں نہ رہے۔ بلکہ ان کا مسکن مختلف علاقوں میں رہا۔ یہ سلسلہ بہار اور بنگال جیسے دور دراز مقام تک بھی پہنچا اور اس سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں۔

بہار شریف میں حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم احمد چرم پوش ؒ کو بیعت و اجازت سلسلہ سہروردیہ کی تھی اور ان کی خانقاہ اب بھی قائم ہے۔ اسی طرح کچی درگاہ، جٹھلی (پٹنہ) کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوتؒ بھی صاحب خانقاہ اور سجادہ بزرگ تھے۔ اور سلسلہ سہروردیہ ہی سے ان کا تعلق تھا۔ منیر شریف میں حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ کی خانقاہ بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتی ہے۔ انہیں ارادت حضرت تقی الدین مہسویؒ (بنگال) سے تھی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ کو ارادت و اجازت براہ راست شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے تھی۔ اور یہی بات حضرت تقی الدین مہسویؒ کے متعلق بھی کہی جاتی ہے۔ اوران کی خانقاہ مہسوں صوبہ بنگال میں آج بھی موجود ہے۔ تفصیلات مندرجہ بالا کے علاوہ صاحبان منیر شریف و اسلام پور میں آج بھی سلسلہ موجود ہے۔ اور بواسطہ حضرت شاہ غریب اللہ دھکڑ پوش شاہ قاضن شطاریؒ، علاء الحق مہسوی اور ضیاء الدین صوفی پہنچا ہے۔

فردوسیہ:

اس سلسلہ کی بناء حضرت رکن الدین فردوسیؒ کے ذریعہ پڑی۔ یہ حضرت شیخ عماد الدینؒ جو شیخ وقت تھے کے فرزند ارجمند تھے۔ اور بدر الدین سمرقندیؒ کے شاگرد اور مرید وخلیفہ تھے۔ پیر و مرشد نے انہیں فردوسی کا لقب دیا اور اسی وقت ایک نیا سلسلہ فردوسیہ کی بناء پڑی، ورنہ یہ سلسلہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے واسطے سے کبرویہ کی ایک شاخ ہے۔

حضرت رکن الدین فردوسیؒ کے مرید و مجاز حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ ہندوستان تشریف لائے۔ اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ لیکن گوشہ گمنامی میں پڑے رہے۔ دریں اثناء حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری تلاش پیر میں دہلی پہنچے اور مختلف خانقاہوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کی۔ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ اس طرح یہ سلسلہ بہار میں پہنچا اور بہار کے اہم سلسلوں میں اس کا

شمار ہونے لگا۔ آج بھی بہار کی اکثر و بیشتر قدیم خانقاہیں اسی سلسلہ سے متعلق ہیں۔ مثلاً منیر شریف، بہار شریف، فتوحہ، اسلام پور اور شیخ پورہ وغیرہ۔

شطاریہ:

اس سلسلہ کو حضرت عبد اللہ شطاریؒ المتوفی بہ ۸۹۰ھ نے رواج دیا۔ یہ حضرت حسام الدین نوری البخاری کے فرزند تھے۔ یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد میں ہیں۔ اور سلسلہ ارادت کا تعلق حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سے ہے۔ اسی سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ محمد بن عارف فاریابی العشقی آپ کے پیر و مرشد تھے۔ اسی لئے بعض ممالک میں اس سلسلہ کو عشقیہ اور بعض جگہ بسطامیہ کے نام سے اسے شہرت ملی۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کی توسیع و اشاعت سید محمد غوث گوالیاریؒ اور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے ذریعہ ہوئی۔ بہار میں حضرت مخدوم قاضن شطارؒ سے اس سلسلہ کو بہت فروغ حاصل ہوا، جو حضرت عبد اللہ شطار کے پیر و مرشد تھے اور انہی سے اجازت و خلافت بھی تھی۔ شمالی بہار میں آپ کے فرزند دلبند حضرت ابو الفتح ہدایۃ اللہ پیر سرمست اور ان کے مرید و خلیفہ شیخ ظہور حاجی حمید الدین حضور سے اس سلسلہ کو بہت وسعت حاصل ہوئی۔

زاہدیہ:

یہ سلسلہ حضرت شیخ فخر الدین خداداد بزرگ میرٹھیؒ کی ذات سے عالم وجود میں آیا۔ اس نسبت کی وجہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک روز چالیس آدمیوں کے گروہ میں سے ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اس کی پیشانی پر کلمہ طیبہ کے حروف لکھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا آسمانی آفت اس ملک کے واسطے بھیجی گئی ہے۔ لیکن یہ شہر اس زاہد کے ظل حمایت میں ہے لہذا خرابی سے محفوظ رہے گا، چنانچہ اسی وقت سے ان کا سلسلہ زاہدیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

در حقیقت یہ سلسلہ، سلسلہ گازرونیہ خفیفیہ کی ایک شاخ ہے اور اسے بہار میں لانے والے حضرت مخدوم بدر الدین بدر عالم زاہدیؒ ہیں۔ یہ حضرت فخر الدین خداداد بزرگ کے پوتے تھے اور میرٹھ سے بہار شریف حضرت مخدومؒ جہاں کی طلب پر

تشریف لائے تھے۔ لیکن بدر عالمؒ جس وقت بہار شریف پہنچے اس وقت حضرت مخدوم جہاںؒ رحلت فرما چکے تھے۔ آج بھی یہ سلسلہ زاہدیہ منیر شریف اور اسلام پور کے مخدوم زادوں کے آبائی وجدی سلسلہ ہونے کی وجہ سے جاری وساری ہے۔

نقشبندیہ:

یہ سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند سے منسوب ہے۔ آپ کی ولادت ۷۱۸ھ میں قصر عارفاں میں ہوئی، جو شہر بخارا سے قریب ہے۔ ان کو آداب طریقت کی تعلیم بہ ظاہر سید امیر کلالؒ سے ہوئی مگر آپ کی تربیت وتعلیم باطنی وروحانی حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کی روحانیت سے ہوئی۔ انہیں سلسلہ خواجگان نقشبند کا سرتاج کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلہ میں شریعت کے عمل پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس لئے کہ حضرت صدیق اکبرؓ شریعت مطہرہ کے مکمل نمونہ تھے۔ اسی لئے علوم باطنی کے ساتھ اعمال شریعت پر بڑی سختی سے عمل کی تاکید اس سلسلہ میں ملتی ہے۔ اس سلسلہ کی وسعت و شہرت مکہ معظمہ، بخارا، مشہد، روسی ترکستان، خوارزم اور سمرقند میں زیادہ ہوئی۔ ہندوستان میں اس کی ترویج واشاعت حضرت باقی باللہؒ کے ذریعہ ہوئی۔ ان کے خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی ہندی نے اس کو مقبول عام بنانے میں بڑی کدوکاوش کی۔ اس طرح یہ سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کا نام اختیار کر گیا۔ دہلی اور نواح دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خانوادہ کے بزرگوں نے اس کی اشاعت میں اہم حصہ ادا کیا۔ یہ سلسلہ حضرت علی کرم الہ وجہہ کے واسطے سے بھی نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے لیکن زیادہ مقبولیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے واسطہ سے اس سلسلہ کو ملی اور اسے فروغ حاصل ہوا۔

قلندریہ:

یہ سلسلہ حضرت نجم الدین مبارک غوث الدہر قلندر غزنویؒ کے ذریعہ چلا۔ یہ سادات حسینی میں سے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت زید شہیدؒ ابن حضرت امام زین العابدینؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی عمر شریف دوسو برس تھی، اس لئے آپ کو سیر وسلوک

کا کافی موقع ملا۔ اس کے ساتھ یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہی ایک سلسلہ ہے، جو صرف دو واسطوں سے نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ان کے پیر و مرشد میر سید خضر رومیؒ تھے اور ان کے پیر و مرشد حضرت شیخ عبدالعزیز علمبردار تھے جو آقائے نامدار کی غلامی میں تھے۔

اس سلسلہ کی وسعت ہندوستان میں حضرت قطب الدین بنہائے دل جونپوری سے بہت ہوئی۔ بہار میں یہ سلسلہ حضرت حافظ بختیار نامدار مصریؒ کے واسطے سے پہنچا۔ منیر شریف حضرت اعظم علی عرف شاہ بیکن منیریؒ ان کے خلیفہ و مجاز تھے۔

ابوالعلائیہ:

یہ سلسلہ حضرت امیر ابع العلیٰ اکبرآبادی (متوفی ۱۰۶۱ھ) کے نام سے منسوب ہے۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ سلسلہ کی ایک شاخ ہے۔ ان کے چچا امیر سید عبداللہ اکبرآبادی سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ ہیں۔ یہ دسویں صدی کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا مزار آج بھی آگرہ میں مرجع خلائق ہے۔ بہار میں اس سلسلہ کی بہت ترویج ہوئی اور متعدد خانقاہیں آج بھی قائم ہیں۔ ان میں حضرت مخدوم منعم پاکبازؒ کا نام سر فہرست ہے، جن سے اس سلسلہ نے ابوالعلائیہ منعمیہ کا نام اختیار کیا۔ حضرت پاکبازؒ کے متعدد خلفاء نے اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دئے۔ ان میں حضرت غلام حسین منعمیؒ، مخدوم حسن علیؒ، حضرت رکن الدین عشقؒ، حضرت مولانا حسن رضاؒ اور صوفی دائم شاہ وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان سلاسل کے علاوہ جن سلسلوں کی اجازت اور رواج مختلف واسطوں سے بہار کی خانقاہوں میں ہے وہ حسب ذیل ہیں:

خلوتیہ، رشیدیہ، اویسیہ، مغربیہ، اویسیہ نعمت اللٰہیہ، طیفوریہ، خضریہ، رفاعیہ، طاؤسیہ، مداریہ، کبرویہ، قدوسیہ وغیرہ۔

(ماخوذ از وسیلہ شرف مرتبہ طیب ابدالی۔ بزم صوفیہ، مقامات تصوف، تصوف اسلام، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ، اجازت نامہ آبائی وجدی قلمی بزرگان خانقاہ منیر شریف، کشف المحجوب، نفحات الانس، آئین اکبری، رسالہ چہاردہ خانوادہ)

بہار میں تصوف کی توسیع واشاعت کے وجوہ

خطہ بہار رشیوں، منیوں اور جوگیوں کی آماج گاہ تھا۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ مذہبی تحریکات میں اس کا خصوصی حصہ رہا ہے۔ مہاتما گوتم بدھ نے اپنی ریاضت و مجاہدہ کے لئے بہار ہی کو منتخب کیا۔ اور یہیں انہیں نروان حاصل ہوا۔ شری مہابیر جین کا وطن ہونے کا شرف بھی بہار ہی کو حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی تعلیمات سے اہل بہار کو دنیا سے کنارہ کشی، تیاگ اور عبادت و ریاضت کے راستہ پر ڈالا۔ ان کے مذہب کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے اور کسی جاندار کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اسی طرح گوتم بدھ نے دنیا کو آفتوں اور مصیبتوں کی جگہ بتایا۔ اور اس سے کنارہ کشی ہی کو ان تکالیف اور مصائب سے نجات کا ذریعہ بتایا۔ اب اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلامی تصوف کے اصول بھی اس سے کچھ مختلف نہیں نظر آئیں گے۔ چنانچہ جب مسلمان فاتح کی حیثیت سے پہلے ہندوستان اور پھر بہار میں داخل ہوئے تو یہ صحیح ہے کہ انہوں نے ملک تو فتح کر لیا اور یہاں کے باشندے محکوم ہو گئے لیکن ان کے دلوں پر ان کی حکومت قائم نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل ہند اول تو مسلمانوں کو ایک غیر ملکی سمجھتے تھے دوسرے مذہبی اعتبار سے بھی دونوں میں کوئی میل نہ تھا۔ ایک فاتح تھا تو دوسرا مفتوح۔ ظاہر ہے کہ مفتوح کسی بھی فاتح قوم کا فراخ دلی اور بلند حوصلہ کے ساتھ استقبال نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آئے دن کے اختلافات اور بغاوتیں یہاں کا معمول بن گئیں۔ ایسے کٹھن وقت میں صوفیائے کرام اپنے سادہ اور بے لوث اسلامی خدمات کو لے کر سامنے آئے اور عوام کے دلوں میں اعتماد پیدا کرنے کا بڑا اہم کام انہوں نے انجام دیا۔ ان کے دروازے سبھوں کے لئے کھلے ہوتے۔ امیر و غریب، ہندو مسلمان اور اونچ نیچ کی ان کے یہاں کوئی تفریق نہیں تھی۔ ان کی نگاہوں میں سب یکساں تھے ابتدا میں انہیں بھی اختلافات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کا مقابلہ کسی حکمراں کی فوج سے نہیں ہوا بلکہ ہندو جوگیوں اور جادوگروں سے ہوا۔

اس سلسلہ میں حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کا راجگیر کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے، جس میں دو جوگیوں رامن اور رتا سے انہیں معرکہ لینا پڑا تھا۔ اور بالآخر اپنی روحانی قوتوں سے انہیں شکست دے کر حضرت مخدوم نے انہیں حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اور ہلال وعتیق کے نام سے یہ دونوں دنیائے ولایت میں مشہور ہوئے۔

دوسرا واقعہ حضرت مخدوم شاہ شعیب شیخ پورہ ضلع مونگیر کا ہے۔ انہیں بھی اسی طرح ایک جوگی کے مقابلہ اپنی روحانی قوت کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا۔ اور بارہ سال تک بے آب و دانہ ایک کنواں میں اس جوگی کے ساتھ بند رہے تھے۔ جوگی کی ہڈی تک چونا ہو گئی تھی لیکن حضرت مخدومؒ صحیح و سالم رہے۔ اور معاہدہ کے مطابق راجہ اور اس کے تمام اہل خاندان کو اسلام کی عظمت کا قائل ہو کر اس کا حلقہ بگوش ہونا پڑا۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو اجمیر میں بھی اسی طرح کے معرکوں کو سر کرنا پڑا اور ان کی روحانیت اور عظمت کے آگے غیر مسلموں کو سر جھکانا پڑا اور ان کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئی۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے واقعات کتب سوانح اور تذکرے میں ملتے ہیں، جن سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ہندوستان میں جس وقت مسلمان آئے اس وقت ٹونے، ٹوٹکے اور جادو سحر وغیرہ کا بڑا رواج تھا۔ جس شخص میں مافوق الفطری خوبیاں ہوتیں یہاں کے لوگ اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ یہ بات مہابیر جین اور گوتم بدھ کی تعلیمات کے اثر سے تھی۔ جسمانی قوت سے زیادہ لوگ روحانی قوت پر ایمان رکھتے تھے۔ چنانچہ صوفیا کی آمد ان کی تشنگی بجھانے اور طلب پوری کرنے کا ایک ذریعہ بنی۔ ان کے کرامات اور خوارق عادات کے سامنے جوگیوں کے کھیل تماشے ماند پڑ گئے اور انہیں ایک بنے بنائے ماحول میں اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق اس کے دین کی اشاعت کا اچھا خاصا موقع ہاتھ آ گیا۔

دوسری اہم وجہ ہندوستان میں صوفیوں کے ذریعہ اشاعت اسلام کی یہ ہوئی کہ باشندگان ہند کی اکثریت طاقت پرست تھی اور اب بھی اس کا مظاہرہ ہماری

نگاہوں کے سامنے اکثر ہوتا رہتا ہے۔ یہ لوگ ہر طاقتور کے سامنے گھٹنے دینے کے شروع سے عادی رہے ہیں۔ خواہ اس طاقت کا مظاہرہ گنگا کے سیلاب کے ذریعہ ہو، آگ کی سوزش کے ذریعہ ہو یا سانپ کے زہر کے ذریعہ ہو، برگد اور پیپل کے عظیم الشان درختوں کے ذریعہ ہو، آفتاب کی افادیت کے پس پردہ ہو یا کسی پرند و چرند کی خوبصورتی و مفاد کی وجہ سے ہو۔ اسے اپنا دیوتا مان لیتے اور اس کی پرستش کرنے لگتے۔ اگر کسی شخص میں کچھ مافوق الفطرت عادتیں انہیں نظر آ گئیں تو اس کے بھی گرویدہ ہو گئے اور اس کی قدر و منزلت اتنی بڑھائی کہ اوتار اور بھگوان کو درجہ دے دیا۔ چنانچہ صوفیا نے بھی ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ پہلے تو انہیں اپنے عادات و اطوار اور کرامات کے ذریعہ اپنا گرویدہ بنایا۔ پھر سبھوں کی صحیح منزل کی طرف رہنمائی کی اور اسلام کے حلقہ میں شامل کیا۔

صوبۂ بہار کے صوفیائے کرام نے بھی اسی طور سے اشاعت اسلام و توسیع اسلام کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ اور اس علاقہ میں اسلام کی جڑیں مضبوط کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ان کی روحانی قوت، سادہ زندگی، مساوات اور خدمت خلق جیسی خصوصیات نے غیر مسلموں کے دل میں اہل اسلام کو ہر دلعزیز بنایا۔ ایسا نہیں کہ انہوں نے ہندوستان میں کوئی دوسرا اسلام پیش کیا، بلکہ وہی اسلام پیش کیا جو نبی اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا تھا۔ لیکن زمانہ گزر جانے کی وجہ سے عام مسلمانوں میں جو بے عملی پھیل گئی تھی اور جس کی وجہ سے اسلام کی شکل و صورت مسخ ہوتی جا رہی تھی، اس شکل میں اسے پیش نہ کیا بلکہ نبی کریمؐ کے زمانے کے بے لوث افعال کے پہلے تو خود کردار بنے اور پھر اپنی عملی زندگی کو نمونہ بنا کر عوام کے سامنے پیش کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں خاطر خواہ کامیابی ملی۔ جہاں اور جس خطہ میں یہ گئے کامرانی اور کامیابی نے ان کے قدم چومے اور جوق در جوق غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے

صوفیا نے کس طرح مشرقی ہند کے لوگوں کے دلوں میں جگہیں بنائیں اور اپنی عزت و عظمت کا سکہ ان کے قلوب پر بٹھایا اس کا اظہار جنرل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۸۹۴ء میں جون بیمس (John Beams) اور جے وائز (J.Wise) کے اس

مختصر نوٹ سے ملتا ہے، جو انہوں نے حضرت پیر بدر عالم زاہدیؒ کے کارنامے اور مقبولیت کے سلسلہ میں سپرد قلم کیا ہے۔ بیمس (Beams) نے لکھا ہے:

"سارے بنگال اور اتری ہندوستان میں بدر عالم، پیر بدر کے نام سے مشہور ہیں۔ میرٹھ میں پیدا ہوئے، مسافرانہ اور فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ بنگال کا ہندو راجہ جدو جو جلال الدین کے نام سے ۱۴۱۴ء سے ۱۴۳۰ء تک بنگال کا حکمراں رہا اور جس کے زمانہ میں اسلامی تبلیغ کا بنگال میں زور تھا، اسی دور میں آپ بنگال پہنچے۔ بہت دنوں تک چاٹگام میں رہے۔ وہاں آپ کا چلہ ابھی تک زیارت گاہ ہے۔ اور تعجب کی بات یہ کہ ارکان کے مگھ جو غالباً بدھ دھرم کے ماننے والے ہیں، اس درگاہ سے عقیدت رکھتے ہیں۔ موت سے کچھ دن قبل انہوں نے چاٹگام چھوڑ دیا اور بہار میں مقیم ہوئے۔ وہیں انہوں نے ۸۴۴ھ مطابق ۱۴۴۰ء میں انتقال کیا۔ دریا اور سمندر میں کام کرنے والے ملاح ان سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔"

اسی طرح ڈاکٹر جے وائز نے پیر بدر عالم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"پیر بدر کی درگاہ چاٹ گام کے مرکز میں واقع ہے اور فقیروں کی نگرانی میں ہے۔ ایک مسجد بھی ہے اور زائرین کے لئے کچھ کمرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ سارے لوگ بنگال سے آکر منتیں مانتے اور پیر بدر عالم کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ ۲۵ر رمضان کو پیر بدر کا عرس منایا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پیر بدر بہت زمانہ تک چاٹ گام میں رہے۔ ۸۴۴ھ مطابق ۱۴۴۰ء میں انتقال ہوا۔ بہار کی چھوٹی درگاہ میں آپ کا مزار ہے۔"

اسی طرح صوفیائے بہار نے بہار و بنگال کے چپہ چپہ پر اسلام کا پرچم بلند کیا

اور اس کی اشاعت و تبلیغ میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ تمام سلاسل مثلاً فردوسیہ، چشتیہ، زاہدیہ اور سہروردیہ کے اکابر صوفیا کی صوبہ بہار و بنگال کے گوشہ گوشہ میں آرام گاہیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ انہوں نے اسلام کی توسیع و اشاعت کے لئے ایسے دور دراز خطوں کو منتخب کیا اور اس کی بے لوث خدمت میں اپنی ساری زندگی لگادی۔

بعض حضرات جو تصوف کو تعطل و بے عملی، حالات سے شکست خوردگی اور میدان جد و جہد سے فرار کا نام دیتے ہیں انہیں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ تحریر مطالعہ کرنی چاہئے:

''یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب و فتح و تسخیر کیلئے جس روحانی و قلبی و حس، وجاہت و شخصیت، جس اخلاص و للّٰہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جنہوں نے اسلام مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دئے ہیں انہیں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ ان آخری صدیوں پر نظر ڈالئے۔ امیر عبدالقادر الجزائری، مجاہد الجزائر محمد احمد السوڈانی (مہدی سوڈانی، سید احمد شریف السنوسی (امام سنوسی) کو آپ اس میدان کا مرد پائیں گے۔ حضرت سید احمد ایک مجاہد اور قائد کے علاوہ اس سے پہلے ایک عزیز القدر اور روحانی پیشوا اور بے مثل شیخ الطریقت تھے۔''

مولانا نے آگے چل کر تصوف اور جہاد پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ اس کا جو امتزاج ہندوستان میں دیکھنے میں آتا ہے، اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ سید احمد شہید کے جانشینوں میں مولانا نصیر الدین اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی، ان کے کارناموں کو انجام تک پہنچانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ صادق پوری بھی صوفی و صافی ہوتے ہوئے مجاہد وقت بھی تھے۔ ان لوگوں کی آزمائشیں اور امتحانات حضرت امام احمد بن حنبل کی قربانیوں اور حق گوئی و

صداقت کی یاد دلاتی ہیں۔ قید و بند کی زندگی بھی گزاری لیکن پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ پھانسی پر چڑھنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ محض ان لوگوں کی روحانی تربیت اور عبادت و ریاضت اور مجاہدہ نفس میں کمال حاصل کرنا تھا۔ ایک طرف سلسہ مجددیہ اور سلسلہ محمدیہ کی تربیت و تعلیم میں مشغول دکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف حق و صداقت اور اسلام کی آبرو بچانے کے لئے جان قربان کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جو چراغ صوفیائے بہار نے چودہویں صدی عیسوی میں روشن کیا تھا اسے ان کے جانشینوں اور اکابرامت نے تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں بھی گل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اپنی قوت ایمانی سے اس کی لوکو بڑھاتے رہے۔ اور اسلام کی سربلندی کے لئے رزم و بزم، خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن غرض کہ ہر حال میں تن من اور دھن قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ انہی کی بے لوث اور پر خلوص قربانیوں اور جدوجہد کے طفیل شمع اسلام کی روشنی بہار کے چپہ چپہ میں پھیلی۔ یہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کو بھی جو اسلام نہیں لائے، انہوں نے اپنی صوفیانہ تحریکات اور مذہبی اصولوں سے عقیدتاً متاثر کرنا شروع کیا اور عبادات، عقیدہ اور وحدانیت وغیرہ کے سلسلہ میں ان کے غور و فکر کا طریقہ اور عمل بدلنے لگا۔ اسی طرح اسلام اور ہندو مذہب کے درمیان ایک متوسط راہ بھی نکلی جس کے بانی مبانی رامانند، کبیر اور گرونانک وغیرہ تھے۔

اسلام اور ہندو مذہب اس باہمی تعامل سے چند عجیب و غریب فرقے اور رسوم عالم وجود میں آئے۔ ہندو مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانے لگے، فاتحہ کرانے لگے، قرآن مجید کو غیبی آواز سمجھ کر اس سے فال نکالنے لگے، ارواح بد اور شیاطین کے دفعیہ کے لئے اس کو گھروں میں بھی رکھنے لگے اور مسلم تیوہاروں میں خوشی خوشی شرکت کرنے لگے۔ جواباً مسلمانوں نے بھی اسی طرح کے اختیار کئے جن سے دونوں فرقوں کی دوری کم ہوگئی اور صدیوں تک باہم دگر شیر و شکر رہے۔

اسلام اور صوفیائے عظام کی اس دینی خدمت کا اعتراف صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اسے فال نیک سمجھ کر اس کا تذکرہ بڑے احترام و عقیدت سے

کرتے ہیں جس کا ثبوت اوپر کی سطروں میں پیش کیا جاچکا ہے۔ یہاں ایک اور ثبوت سوامی دھرنیرتھ جی مہاراج صدر ہندو مشنری سوسائٹی درج ذیل خیالات کی شکل میں پیش خدمت ہے:

''شمالی ہند کی اسلامی فتوحات نے ہندوؤں کو ایسے زبردست مذہبی اور تہذیبی اثرات سے دوبدو کر دیا جو ان کو درجہ بدرجہ کی اصنام پرستی اور ذات پات سے بعد المشرقین رکھتے تھے-----شمالی ہند کے ویشنوی پیشوا اور مصلحین کی عالم گیر اخوت اور ہمہ گیر تہذیبی ربط سے بے حد متاثر ہوئے۔ یہ وہ اسلامی اخوت اور برادری ہے جو اپنے دائرہ میں سارے انسانی طبقات کا خیر مقدم کرتی ہے۔ جس نے ہندو عورتوں بلکہ غلاموں کو مغل شہنشاہوں کی بیگمات اور آئندہ ہونے والے شہنشاہوں کی مائیں کا فخر عطا ہوا۔

اسلام کی نکلی ہوئی توحید نے جو رسوم پرستی اور پجاریوں کے چکر سے آزاد لیکن عقیدتمندانہ جذب وکشش کی ایک آتش انگیز اور انسانی وحدت کی ایک بڑی قوت ہے، ہندوؤں کو روحانی میلان رکھنے والے قلوب کو مسخر کرلیا۔ وہ خود اسی عقیدہ کے مشابہ عقیدہ اور ایک بزرگ و برتر خدا اور ساری انسانیت کے معبود کی عبادت کے تحت اپنی قوم کے اتحاد کے متمنی ہوگئے۔ اسی کے نتیجہ میں شمالی ہند میں چیتن، کبیر، نانک، رامانند، تلسی داس اور جے دیو جیسے مصلحین اور مبلغین کا ظہور ہوا۔''

مسٹر سی ایس مہتہ نے بھی ہندوستان کے مذاہب پر اسلامی اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ اور اسلامی تحریک کی کامیابی کی جو وجہ خصوصیت کے ساتھ بیان کی ہے اس کا بھی لب لباب یہی ہے کہ ہندوؤں کے عقائد کو تبدیل کرنے میں بہت بڑا ہاتھ صوفیاء

کی کوشش و کاوش کا رہا ہے۔ ان کے خیالات و عقائد اسلامی تصوف سے پوری طرح متاثر ہوئے اور اس کے نتیجہ میں بھگتی تحریک کی ابتدا ہوئی۔ اس کا مقصد عوام میں برابری اور مساوات کو پروان چڑھانا اور وحدانیت کا پیغام عام کرنا تھا۔ یہ تحریک اسلامی خیالات اور تصوف کی تحریکات ہی کی وجہ سے کامیاب ہوئی۔ اس میں نمایاں کارنامے کبیر، رامانند، داؤددیال اور ملک محمد جائس نے انجام دیئے۔ اور دونوں فرقوں کو ذہنی اعتبار سے قریب لانے کا سبب بنے۔ مندروں میں حاضری اور مورتی پوجا کی نفی کی گئی اور اس کام کے لئے کئی فرقے بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً استھانک وتی سکھ مذہب، ویشنو دھرم اور آریہ سماج وغیرہ، جو ہندو قوم کے تنزل اور اسلام کی طبعی اور صوفیانہ قوت و عمل کے رہین منت ہیں۔

(ماخذ: جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۸۹۴ء، دعوت وعزیمت، تصوف کیا ہے، ہندی تہذیب پر اسلام کا اثر، اسلامی تہذیب کیا ہے)

The message of Hindu Imperialism
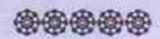
چودہویں صدی عیسوی تک بہار کے مشہور صوفیاء

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

حضرت مخدوم شیخ شہاب الدین پیر جگجوتؒ:

اسم گرامی شہاب الدین اور لقب جگجوت ہے۔ نام کے ساتھ قاضی کا لفظ بھی شامل ہے اس لئے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ منصب قضا پر فائز تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت امام رضی اللہ عنہ شہید کربلا سے ملتا ہے۔ ولادت اپنے آبائی وطن کاشغر میں ۵۷۰ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور ریاضت ومجاہدہ کو اپنا معمول بنایا۔ کثرت سے طے کے روزے رکھتے۔

صوبہ بہار میں سلسلۂ سہروردیہ کی اشاعت وترویج حضرت جگجوت ہی کی ذاتی کوششوں سے شروع ہوئی۔ ان کا شمار صوبہ کے قدیم بزرگوں میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ تصوف اور راہ سلوک کی تعلیم بھی انہوں نے ہی سب سے پہلے بہار میں پہنچائی۔

عام لوگوں کو عاجزی وانکساری کی تعلیم دیتے اور اخلاق ومحبت کو بڑی عبادت سمجھتے تھے۔ شریعت کی پابندی پر پورا زور صرف کرتے۔ اور اسی کی تعلیم بھی دیا کرتے۔ اکثر کہا کرتے کہ شریعت کے بعد ہی طریقت کا درجہ آتا ہے۔ جو شخص پر گامزن رہے گا، وہی طریقت کی منزل پر بھی پہنچے گا۔ اور وہی سلوک کی راہ آسانی سے طے کر سکتا ہے۔ اخلاق کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ ہر خاص وعام بلا فرق مذہب وملت حضرت جگجوتؒ کے آستانہ پر فیض سے فیضیاب ہوتا۔ اور کسی کے لئے کسی طرح کی کوئی رکاوٹ یا پابندی نہیں تھی۔

حضرت مخدوم جگجوت کی اولاد دنیائے تصوف میں غیر معمولی شہرت کی مالک ہے۔اور صوبہ بہار کا قدیم صوفی خانوادہ ان کا اور ان کے نواسوں کا گھر تسلیم کیا جاتا ہے۔ان کی چار صاحبزادیاں تھیں، جو خود ولیہ کاملہ تھیں اور ان کی شادیاں بھی اپنے وقت کے کاملین اور صوفیا کے خاندانوں میں صوفیوں اور ولیوں سے ہوئیں۔

(۱) بڑی لڑکی حضرت وصیہ کی شادی امام محمد تاج فقیہ کے پوتے اور مشہور صوفی بزرگ حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ سے ہوئی، جن سے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہوئیں۔

(۲) دوسری لڑکی حضرت بی بی حبیبہ کی شادی مخدوم سید موسیٰ ہمدانیؒ سے ہوئی، جن سے حضرت مخدوم احمد چرم پوش (محلّہ انبیر، بہار شریف) تولد ہوئے۔

(۳) تیسری لڑکی حضرت بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال کی شادی حضرت امام تاج فقیہؒ کے دوسرے پوتے حضرت سلیمان لنگر زمین بن عبد العزیز سے ہوئی، جن سے ایک لڑکے مخدوم عطاء اللہ اور ایک صاحبزادی بی بی کمال ہم نام والدہ ہوئیں، جن کے صاحبزادے مشہور سہروردی بزرگ حضرت غریب اللہ حسین دھکڑ پوشؒ تھے۔حضرت سلیمان لنگر زمین اور بی بی کمالؒ کا مزار قصبہ کاکو ضلع گیا متصل جہان آباد میں مرجع خلائق ہے۔

(۴) چوتھی لڑکی حضرت بی بی جمال کی شادی حضرت مخدوم آدم صوفی چشتی کے صاحبزادے شیخ حمید الدین (پکی درگاہ جھٹلی، پٹنہ) سے ہوئی، جن سے مخدوم یتیم اللہ سفید باز ہوئے۔ان کا مزار بیچو بن متصل بڑی درگاہ بہار شریف میں ہے۔اسی طرح یہ دعویٰ بہر حال درست ہے کہ صوبہ بہار کے تقریباً تمام ہی قدیم صوفی خانوادے نسبی طور پر حضرت جگجوت سے منسلک ہیں اور ان کے خاندان میں بے شمار اکابر اولیاء اور صوفیا ہوئے، جنہوں نے صوبہ بہار میں صوفیانہ تعلیم کی اشاعت عام کی۔

حضرت مخدوم شہاب الدین جگجوتؒ کا وصال موضع جھٹلی میں ۲۱رذیقعدہ ۶۶۶ھ کی صبح کو ہوا اور اسی موضع میں جو شہر عظیم آباد پٹنہ سے متصل جانب مشرق واقع ہے دریائے گنگا کے کنارے مدفون ہوئے۔مزار مبارک آج بھی مرجع خلائق اور زیارت گاہ عوام ہے اور پکی درگاہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

(ماخذ: حاشیہ وسیلہ شرف مرتبہ طیب ابدالی، مجلّہ تاج کراچی بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۳ء)

حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ:

والد کا نام حضرت اسرائیل تھا، جو فاتح منیر شریف حضرت امام محمد تاج فقیہؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ نسب نامہ اس طرح ہے:

حضرت امام محمد تاج فقیہ ابن مولانا ابوبکر ابن ابوالفتح ابن ابوالقاسم ابن ابو الصالح ابن ابوالدہر ابن اللیث ابن ابوسہمہ ابن ابودین ابن ابومسعود ابن ابوذر ابن زبیر ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف۔

حضرت مخدوم یحییٰ منیری کے جد امجد حضرت امام محمد تاج فقیہ بیت المقدس کے ایک شہر قدس خلیل میں رہا کرتے تھے۔ جدید تحقیق کے مطابق یہ شہر مملکت ہاشمیہ اردنیہ کے ماتحت ہے جو بیت المقدس سے ۱۵-۱۶ میل کے فصل پر واقع ہے۔ اسی مقام کو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ شرفا اور صلحا کی اک قدیم بستی ہے۔ اپنی آب و ہوا کی لطافت اور باشندگان شہر کی نرم خوئی و میزبانی اور حسن اخلاق میں مشہور رہا ہے۔ حضرت رسول مقبول ﷺ کو حضرت تاج فقیہ نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ فرمان جہان صادر فرما رہے ہیں اور عازم ہند ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ جہاد کی نیت سے اپنے وطن مالوف سے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں امراء و سلاطین نے اپنی افواج کے ذریعہ اور عام مسلمانوں نے اس نیک کام میں خود شرکت کر کے ان کی معاونت کی۔ اس طرح حضرت تاج فقیہ جہاد کرتے ہوئے منیر شریف پہنچے۔ یہاں کا ہندو راجہ مُنیر نامی اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر فرار ہو گیا۔ اور حضرت امام نے، منیر اور نواح منیر پر پرچم توحید بلند فرمایا اور اپنی اولاد کو جن میں تین لڑکے حضرت اسرائیل، حضرت اسماعیل اور حضرت عبدالعزیز کو انتظام و انصرام سلطنت چھوڑ کر خود وطن مالوف کو واپس ہو گئے۔

حضرت اسرائیل کو اقطاع بہار اور حضرت اسماعیل کو اقطاع ترہت، حضرت امام نے خود تقسیم کر کے سونپ دئے تھے۔ اور حضرت عبدالعزیز جو لڑکوں میں سب سے چھوٹے تھے انہیں حضرت شیخ اسرائیل کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت کے بڑے

صاحبزادے حضرت یحییٰ منیری تھے۔ ان کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صغرسنی میں جد امجد کے ہمراہ بیت المقدس سے آئے اور بعض حضرات جائے پیدائش منیر شریف کو بتاتے ہیں۔ اگر یہ بیان مان لیا جائے کہ ۵۷۶ھ میں اپنے دادا بزرگوار کے ہمراہ منیر شریف آئے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ حضرت یحییٰ منیریؒ کی آنکھ اشاعت اسلام کی خدمت اور جہاد کرنے والوں کی گود میں کھلی اور پرورش و پرداخت میدان جہاد اور تلوار کے سائے میں ہوئی۔ لیکن ملکی انتظام و انصرام کی روش سے دل اچاٹ تھا، اس لئے اپنی سلطنت بادشاہ اختیار الدین محمد بن بختیار الدین خلجی کو بہ اصرار سونپ کر خود یاد الٰہی اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔

بیعت سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ حضرت تقی الدین مہسوی سے تھی، جو حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید و مجاز حضرت خواجہ احمد دمشقیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ لیکن اخبار الاخیار، تذکرۃ الکرام اور مراۃ الکونین کی روایت کے مطابق حضرت یحییٰ منیریؒ کی بیعت و اجازت حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی سے براہ راست تھی اور مرشد کی حیثیت سے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کا نام لیا گیا ہے جن سے ان کی باطنی تعلیم و تربیت حاصل تھی۔

عم محترم شاہ مراد اللہ منیری حضرت مخدوم کے حالات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ان کے واسطے سے سلسلہ سہروردیہ کی تعلیم وارشاد آج بھی جاری وساری ہے۔ میری تحقیق کے مطابق حضرت یحییٰ منیری کے واسطے سے سلسلہ سہروردیہ کی توسیع و اشاعت صرف بہار تک محدود نہ رہی، بلکہ ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ مثلاً یہ سلسلہ آج بھی کشمیر میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اور اہل کشمیر میں ان کا نام بڑی عزت و عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ جس طرح بدر عالم زاہدیؒ باشندگان بنگال کے درمیان "بدر پیر" کے نام سے شہرت رکھتے ہیں اسی طرح حضرت مخدوم کو "یحییٰ بزرگ" کے نام سے کشمیریوں میں شہرت و مقبولیت حاصل ہے۔

حضرت یحییٰ منیریؒ کی شادی جٹھلی کے مشہور صوفی بزرگ حضرت مخدوم شیخ شہاب الدین پیر جگجوت کی بڑی صاحبزادی حضرت بی بی رضیہ عرف بڑی بوا سے

ہوئی، جن کے بطن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔ جن کے اسمائے گرامی میں حضرت جلیل الدین احمد حضرت مخدوم شرف الدین احمد، حضرت خلیل الدین احمد، حضرت حبیب الدین احمد اور صاحبزادی بی بی ماہ خاتون اہلیہ حضرت مولانا میر شمس الدین مازندرانیؒ۔

حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ اور ان کی اولاد و امجاد سے سلسلہ سہروردیہ اور فردوسیہ کی اشاعت صوبہ بہار اور بیرون بہار بھی ہوئی۔ یہ سلسلہ رشد و ہدایت مختلف خانقاہوں کے ذریعہ آج بھی جاری وساری ہے۔

وصال روز پنج شنبہ ۱۱رشعبان المعظم ۶۹۰ھ کو منیر شریف میں ہوا۔ اور بڑی درگاہ منیر شریف میں مزار شریف آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اکثر امرا و سلاطین بھی مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں اور درگاہ و خانقاہ کے اخراجات کے لئے فرامین جائیداد و جاگیر بطور نذر پیش کرتے رہے ہیں۔ یہ فرامین آج بھی خانقاہ منیر شریف میں محفوظ ہیں۔

(ماخذ: بہار کی خبریں ۶۷-۱۹۶۶ء، وسیلہ شرف، دعوت وعزیمت،
اخبار الاصفیا، تذکرۃ الاکرام، مراۃ الکونین)

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ:

خداوندا بشرف الدین احمدؒ
کہ قدمش بود بر قدم محمدﷺ

جیسا کہ مخدوم یحییٰ منیریؒ کے حالات میں بیان کیا گیا حضرت مخدوم شرف الدینؒ کا خاندان بیت المقدس سے منیر شریف آ کر آباد ہوا۔ یہ خاندان زہد و تقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا۔ حضرت مخدوم کی پیدائش ۲۶رشعبان ۶۶۱ھ کو منیر شریف ہی میں ہوئی "شرف آگیں" سے سال ولادت معلوم ہوتا ہے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ جب سن شعور کو پہنچے تو والد ماجد حضرت یحییٰ منیری نے ان کو حضرت مولانا شرف الدین توامہ کی معیت میں مزید تعلیم کے لئے سنار گاؤں (بنگال) بھیج دیا۔ مولانا توامہ اپنے عہد کے بڑے جید عالم تھے۔ بعض اسباب کی بنا پر دہلی چھوڑ کر بنگال کا رخ کیا۔ اثنائے راہ میں میں منیر شریف میں قیام ہوا۔ اور یہیں حضرت یحییٰ منیری ان کے تبحر علمی سے آشنا ہوئے۔ حضرت توامہ نے بھی حضرت مخدوم شرف الدین میں جوہر قابل کی شناخت کر لی اور اپنے ہمراہ لے جانے پر آمادہ ہو گئے۔ اس طرح حضرت مخدوم حصول تعلیم کے لئے استاد کے ہمراہ سنار گاؤں پہنچے۔ سنار گاؤں کے دوران قیام میں اپنے شفیق استاد سے کلام پاک، تفسیر، حدیث وفقہہ کے علاوہ علوم عقلیہ میں منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم حاصل کی۔ اور ریاضت ومجاہدہ میں بھی اپنے اوقات لگاتے رہے۔ علم تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کا شوق بھی سنار گاؤں ہی میں پیدا ہوا۔ چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں اس کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

"احکام مذہب ایں طائفہ (صوفیا) در کتب وتصانیف
ایشاں سالہا باز مطالعہ کردہ شدہ است"

گنج ارشدی اور مناقب الاصفیا کی روایت کے مطابق دوران قیام سنار گاؤں ایک ایسا مرض لاحق ہو جس کا علاج اطباء نے جماع بتایا۔ چنانچہ دفع مرض کے لئے ایک جاریہ رکھی جن سے ایک فرزند ہوئے۔ اس کے علاوہ حصول تعلیم سے فراغت کے بعد استاد محترم حضرت توامہ کی صاحبزادی بھی حضرت مخدوم کے عقد میں آئیں، جن سے دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔ انہی صاحبزادیوں کی اولاد سے صاحبان منیر شریف اور اسلام پور ہیں۔

سنار گاؤں سے واپسی کے بعد حضرت مخدوم نے اپنے لڑکے ذکی الدین کو اپنی والدہ کے سپرد کیا اور چونکہ ایام تعلیم ہی میں والد بزرگوار کا وصال ہو چکا تھا، اس لئے خود تلاش شیخ میں عازم دہلی ہوئے۔ دہلی کے اور نواح کے تمام اکابر صوفیا اور شیوخ سے ملے، لیکن کہیں تشفی اور سیری نہ ہو سکی۔ بالآخر ایک غیر معروف بزرگ حضرت خواجہ

نجیب الدین فردوسی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بے انتہا متاثر ہوئے۔
بیعت کے بعد حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی نے اجازت وخلافت دے کر انہیں رخصت فرمایا۔ چند نصیحتیں زبانی کیں اور کچھ تحریری ہدایتیں بھی حوالۂ مخدوم کیں اور یہ تاکید فرمائی کہ اثنائے راہ میں اگر کوئی خبر ملے تو واپس نہ ہونا۔ حضرت مخدوم نے شیخ کی صحبت میں اور خدمت میں رہنے کی خواہش ظاہر کی تو حکم ہوا کہ "تمہاری تعلیم حضرت رسالت مآبؐ سے براہ راست ہوگی۔ اس کے علاوہ میری نوشتہ ہدایتیں بھی رہنمائی کریں گی۔" چنانچہ اس کے بعد دہلی سے مراجعت کا قصد کیا۔ راہ ہی میں وصال شیخ کی خبر سنی لیکن واپسی کی چونکہ ممانعت تھی اس لئے واپس نہ ہوئے اور آگے ہی بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ضلع شاہ آباد (آرہ) کے جنگل بہیا میں پہنچے تو ایک مور کی آواز سنی جس سے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ جذب کے عالم میں گریبان چاک کر کے جنگل میں غائب ہو گئے۔ بڑے بھائی حضرت جلیل الدین بھی ہمراہ تھے، انہوں نے ہر طرف تلاش کیا، لیکن حضرت مخدوم کا کوئی سراغ نہ ملا۔ لاچار مایوس ہو کر واپس ہوئے۔ حضرت مخدوم بارہ سال تک بہیا کے جنگل میں تجلیات الٰہی میں محو رہے ۔ پھر راجگیر کے جنگلوں میں تیس سال تک ریاضت و مجاہدہ اور عبادت میں لگے رہے۔ بہیا کے جنگل کا ہی واقعہ ہے کہ ایک درخت کی شاخ کو پکڑ کر عالم صحو میں اس طرح کھڑے تھے کہ چیونٹیاں ناک اور منہ کے اندر جاتی اور باہر آتی تھیں اور کوئی خبر نہ ہوتی تھی۔ مجاہدے کا یہ عالم تھا کہ ایک بار سردی کے زمانہ میں شب میں غسل کی حاجت ہوئی۔ طبیعت بھی کچھ ناساز تھی اس لئے خیال گزرا کہ اجازت شرعی کے مطابق تیمم کر لیا جائے، لیکن فوراً ہی خیال پیدا ہوا کہ نفس حیلہ شرعی کی آڑ لینا چاہتا ہے اور اسی وقت سرد پانی میں غسل کی نیت سے چھلانگ لگا دی۔ پانی کی ٹھنڈک اثر سے بے ہوش ہو گئے۔ جب رات ختم ہوئی اور آفتاب نکلا تو اس کی تمازت سے ہوش آیا۔ فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی، جس کا بڑا افسوس ہوا اور زبان مبارک پر یہ لفظ آئے:

"میں نے جو ریاضتیں کیں اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا لیکن شرف کچھ نہ ہوا۔"

مونس القلوب میں ہے کہ کثرت ریاضت سے جسم میں خون باقی نہیں رہا تھا

ایک بار حجام کے استرہ سے سر مبارک مجروح ہو گیا تو خون کے بجائے پانی بہنے لگا۔ حجام نے عرض کیا تو فرمایا کہ جسم میں اب بھی پانی باقی ہے یہ تعجب کی بات ہے۔

عام دنوں میں بھی دن کے وقت گھر کے اندر چولھا روشن نہیں ہوا کرتا۔ والدہ ماجدہ ضعیف تھیں اور ہمراہ تھیں۔ ان کے کھانے کا انتظام بازار سے کر دیا تھا اور خود تمام دن روزے سے رہتے۔

ان تمام ریاضت ومجاہدہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپکا دل تجلیات الٰہی سے منور ہو گیا اور ولایت کی شہرت دور ونزدیک ہر جگہ ہوئی۔ رجگیر سے ہر جمعہ کو ادائے نماز جمعہ کیلئے بہار شریف تشریف لایا کرتے۔ شروع میں لوگوں کو ان کے رتبہ عالی کا علم نہ تھا، لیکن جیسے جیسے لوگ واقف ہوتے گئے، حضرت مخدوم کو بہار شریف کی مستقل اقامت پر مجبور کرنے لگے، جسے انہوں نے بہ جبر واکراہ قبول فرمالیا۔ اور تقریباً ساٹھ سال بہار شریف میں مقیم رہ کر اپنے چشمہ فیض سے عوام وخواص کو سیراب کرتے رہے۔

سلطان محمد تغلق کے حکم سے حضرت مخدوم کی حیات ہی میں خانقاہ تعمیر ہوئی اور اس خانقاہ کی اقامت اور اس کے اخراجات کے لئے پرگنہ راجگیر کی جاگیر بھی مجبوراً قبول کرنی پڑی۔ لیکن محمد تغلق کی وفات کے بعد جب فیروز شاہ تغلق سر برآرائے سلطنت ہوا تو حضرت مخدوم بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے اور جاگیر کے کاغذات واپس کر دئے۔ فیروز شاہ چونکہ عہد کر چکا تھا کہ حضرت مخدوم جو کہیں گے اس پر عمل کرے گا اس لئیے پابندی عہد کے طور پر جاگیر کے کاغذات تو واپس لے لئے، لیکن حضرت مخدوم کی خدمت میں ایک رقم نذر کی۔ اسے قبول تو کر لیا لیکن دربار سے نکلتے ہی فقیروں اور درویشوں میں تقسیم کر دیا اور درویشانہ استغنا کے ساتھ خالی ہاتھ وطن کو مراجعت فرمائی۔ اور خانقاہ کے گوشے میں بیٹھ کر ساری زندگی تلقین وتبلیغ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہندوستان اور بیرون ہند کے طالبان راہ حق اور رہ نوردان راہ سلوک حضرت مخدوم کا نام نامی سن کر بہار شریف پہنچے اور خاک پاک بہار کو اپنی آنکھ کا سرمہ بنایا۔ حضرت مخدوم پیر بدر عالم زاہدیؒ، حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانیؒ، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، حضرت مولانا مظفر بلخیؒ اور حضرت مخدوم زین بدر

عربیؒ وغیرہم جیسے اکابر آپ کی مجلسوں اور صحبتوں میں شرکت کی تمنا لے کر آئے۔ ان میں سے بعض تو فیوض روحانی سے سرشار ہوئے اور بعض آپ کی دید کی حسرت لئے باچشم اشکبار رخصت ہوئے۔

حضرت مخدوم جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ سے جب پہلی بار حضرت مخدومؒ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے مخدوم جہانیاںؒ کہہ کر انہیں مخاطب فرمایا جس کے جواب میں حضرت مخدوم جہانیاں نے حضرت شرف الدین منیریؒ کو مخدوم جہاں کے لقب سے یاد کیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت مخدوم کے عقیدت مند مخدوم جہاں کے احترامی لقب سے انہی کا نام نامی اسم گرامی مراد لیتے ہیں۔

حضرت مخدوم کے مریدین و معتقدین کی صحیح تعداد بتانی مشکل ہے۔ بزم صوفیا میں تقریباً ایک لاکھ کی تعداد متعین کی ہے۔ جو لوگ ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہو سکتے تھے ان کی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ ہوتی۔ انہی مکاتیب کے آج مکتوبات صدی، دوصدی، بست وہشت، فوائد رکنی اور اجوبہ کا کویہ کی شکلوں میں موجود ہیں۔ مجلسوں میں جو تعلیم دی جاتی اسے آپ کے مرید خاص زین بدر عربیؒ اپنے الفاظ میں لکھتے جاتے اس طرح آپ کے متعدد ملفوظات کتابی شکل میں آئے، جن پر تفصیلی بحث انشاءاللہ آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کا وصال ۱۲۱ برس کی عمر میں شب ششم ماہ شوال المکرم روز پنج شنبہ ۷۸۲ھ کو بہار شریف میں ہوا۔ مزار شریف بڑی درگاہ بہار شریف میں زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

تصانیف کی تعداد کا تعین بھی مشکل ہے۔ بزم صوفیہ میں ان کی تعداد بروایتے سترہ سو لکھی ہے، لیکن ان میں حسب ذیل کتابوں کے نام مختلف کتب تذکرہ و سوانح میں ملتے ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر کتابیں مخطوطہ کی شکل میں اب بھی موجود ہیں۔ بعض کتابیں طبع بھی ہو چکی ہیں، مثلاً مکتوبات صدی، دوصدی، بست وہشت، اجوبہ کا کویہ وغیرہ۔

ملفوظات میں حسب ذیل کتابیں دستیاب ہیں: معدن المعانی، مغز المعانی،

مخ المعانی، راحت القلوب، خون پر نعمت، کنز المعانی، گنج لایفنیٰ، مونس المریدین، تحفۂ غیبی، ملفوظ الصفر، مرأۃ القلوب،

تصانیف میں: فواید رکنی، شرح آداب المریدین، عقاید شرفی، ارشاد السالکین، ارشاد الطالبین، اوراد خورد، اوراد اوسط، اوراد کلاں، فواید المریدین، اجوبہ زاہدیہ، رسالہ اشارات، رسالہ مکیہ اور مرأۃ المحققین۔

(ماخذ: مکتوبات صدی، دوصدی، مناقب الاصفیا قلمی، گنج ارشدی، نسب نامہ آبائی وجدی، اجوبہ کاکویہ، مونس القلوب)

حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ:

حضرت مخدوم کے والد کا نام موسیٰ ہمدانائی تھا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ وطن اصلی ہمدان تھا۔لیکن ذوق فقیری اور تصوف نے ہندوستان پہنچادیا۔ بہار کے مشہور بزرگ وصوفی حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوت کی صاحبزادی سے عقد ہوا اور انہی کے بطن سے حضرت چرم پوشؒ ۶۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔اس طرح مشاہیر صوفیائے بہار مثلاً حضرت مخدوم شرف احمد یحییٰ منیریؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگجوتؒ وغیرہم سے ان کا نسبی تعلق ہوا۔اور اس ماحول نے انہیں بھی اپنے وقت کا ولی کامل بنایا۔تعلیم وتربیت مرجہ نصاب کے مطابق گھر پر ہوئی۔اس کے بعد علوم باطنی کی تکمیل کی طرح توجہ ہوئی اور سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ سلیمان مہسوی، مرید وخلیفہ حضرت تقی الدین مہسوی (بنگال) کی خدمت میں جانے لگے۔لیکن بیعت وخلافت حضرت مخدوم علاء الدین علاء الحق سہروردی (پنڈوہ) سے تھی جو حضرت سلیمان مہسوی کے مرید وخلیفہ تھے۔سلسلہ بیعت مونس القلوب کی رویت کے مطابق حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی تک اس طرح ہے:

حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ مرید و خلیفہ حضرت علاء الدین علاء الحق سہروردیؒ (پنڈوہ) مرید و خلیفہ حضرت سلیمان مہسویؒ، مرید و خلیفہ حضرت مولانا تقی الدین مہسویؒ مرید و خلیفہ حضرت احمد دمشقی، مرید و خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہم۔

بیعت و اجازت کیبعد اپنے شیخ کے حکم سے حضرت چرم پوش نے تبلیغ و اشاعت اسلام کی غرض سے دور دراز کا سفر کیا۔ بعض روایتوں کے مطابق لہاسہ (تبت) تک کا سفر فرمایا۔

جب بہار شریف میں مستقل اقامت اختیار کرلی تو ولایت و بزرگی کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ بادشاہ وقت سلطان فیروز شاہ بھی حضرت چرم پوش کی خانقاہ میں حاضری دینے آیا، لیکن طبیعت مستغنی پائی تھی اس لئے کبھی امراء سلطنت اور مال و متاع کی طرف توجہ نہیں دی۔

خوارق عادات اور کرامتیں بھی بے انتہا حضرت چرم پوشؒ سے صدور میں آئیں۔ حضرت مخدوم جہاں بھی چونکہ ہم عصر تھے اور خالہ زاد بھائی بھی تھے، بہار شریف میں مقیم تھے، ایک ممتاز صوفی بزرگ تھے اور ان کی بھی شہرت دور و نزدیک ہر جگہ تھی۔ ان سے معاصرانہ چشمکیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن حضرت مخدوم میں ضبط و برداشت انتہا درجہ کا تھا۔ اس لئے حضرت چرم پوش کی چوٹوں سے عموماً چشم پوشی اور در گزر فرمایا کرتے تھے۔ انہی وجوہ کی بنا پر کہا گیا ہے کہ حضرت چرم پوشؒ کے مزاج میں جلال زیادہ تھا اور آج بھی جلالی بزرگ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا لقب تیغ برہنہ بھی غالباً اسی صفت کی بنا پر پڑا۔

چرم پوش لقب اختیار کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار برادر شیخ حسین دھکڑ پوش حضرت شیخ سلیمان مہسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جسم پر جو کپڑے تھے ان کی حالت اچھی نہیں تھی۔ چنانچہ شیخ سلیمان نے ان دونوں کو ہشت چیتل (ایک سکہ) دیا کہ دونوں اپنے لئے لباس بنالیں۔ جب دونوں بزرگ شیخ سلیمان کے پاس سے اٹھ کر باہر تشریف لائے تو اپنے دل میں سوچنے لگے کہ اتنے میں

دونوں کا لباس نہیں ہو سکے گا اس لئے شیخ حسین نے دھکڑ اخرید لیا اور شیخ احمد نے چرم خرید کر پہن لیا۔ اور شیخ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے دونوں کو دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگوں کو یہی کافی ہے اور مبارک باد بھی دی۔ اسی وقت سے شیخ احمد کا لقب چرم پوش اور شیخ غریب اللہ حسین کا لقب دھکڑ پوش پڑا۔

حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کا وصال بہار شریف میں ۲۶ رصفر و بروایت گنج ارشدی ۲۷ رصفر روز سہ شنبہ ۷۷۶ھ کو ہوا۔ ''مخدوم یگانہ'' مادہ تاریخ وصال ہے۔ اور بہار شریف محلہ انبیر میں مدفون ہوئے۔ درگاہ شریف آج بھی مرجع خلائق ہے۔

حضر مخدوم شعر گوئی کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ کلام عارفانہ اور صوفیانہ ہوتا۔ احمدؔ تخلص فرماتے۔ بطور یادگار ایک دیوان اشعار کا موجود ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت شاہ محمد ظفر صاحب قدس سرہ سجادہ نشیں آستانہ مخدوم (انبیر) کے یہاں آج بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس دیوان کی طباعت بھی عمل میں آچکی ہے۔

نثر میں دو ورق کا ایک رسالہ توحید سے متعلق ہے۔ اس کی نقل جناب شاہ تقی حسن بلخی علیہ الرحمۃ (فتوحہ) کے پاس محفوظ ہے۔ ایک ملفوظ ضیاء القلوب کے نام سے بھی طبع ہو چکا ہے، جس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ ملفوظات کے سلسلہ میں آئے گی۔

(ماخذ: مونس القلوب، گنج ارشدی، مناقب الاصفیا، وسیلہ شرف)

حضرت مخدوم غریب اللہ حسین دھکڑ پوشؒ:

سلسلہ سہروردیہ کے مشہور صوفی بزرگ حضرت مخدوم غریب اللہ حسین دھکڑ پوشؒ بھی صوبہ بہار کے مشہور صوفی خانوادہ حضرت پیر جگجوت سے نسبی طور پر متعلق ہیں۔ وہ اس طرح کہ حضرت پیر جگجوت کی منجھلی صاحبزادی حضرت بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال کی شادی حضرت امام تاج فقیہ کے پوتے حضرت سلیمان لنگر زمین بن حضرت عبد العزیز سے ہوئی، جن سے ایک لڑکے مخدوم عطاء اللہ اور ایک لڑکی بی بی کمال ہم نام والدہ ہوئیں۔ بی بی کمال ہی کے صاحبزادے حضرت غریب اللہ حسین دھکڑ پوش تھے۔

حضرت دھکڑ پوش کو ارادت و خلافت حضرت سلیمان مہسوی، مرید و خلیفہ حضرت تقی الدین مہسویؒ سے تھی۔ دھکڑ پوش لقب اختیار کرنے کی وجہ حضرت چرم پوش کے حالات کے سلسلہ میں بیان کر چکا ہوں، اس لئے اس کا اعادہ ضروری نہیں۔ لیکن اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ لقب ان کے پیر حضرت سلیمان مہسویؒ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

بیعت و خلافت کے بعد اقطاع بہار کو انہوں نے اپنے روحانی فیوض و برکات کی اشاعت کی آماجگاہ بنایا۔ منیر شریف سے چند میل کے فاصلہ پر ایک بستی ان ہی کے نام سے منسوب ہے اور اس بستی میں ان کا چلہ آج بھی موجود ہے۔

سال وفات معلوم نہیں لیکن مزار مبارک مہسوں (بنگال) میں ہے اور حضرت تقی الدین مہسوی کی درگاہ کے احاطہ میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(ماخذ: وسیلہ شرف از طیب ابدالی)

❀❀❀❀❀

حضرت مخدوم شیخ بدرالدین بدر عالم زاہدیؒ:

سلسلہ نسب اس طرح ہے:

حضرت مخدوم شیخ بدر الدین بدر عالم زاہدی ابن خواجہ شہاب الدین حق گو زاہدی، ابن خواجہ فخر الدین خداداد بزرگ، ابن خواجہ شہاب الدین کبیر امام کعبہ قدس اللہ سرہم۔

اور سلسلہ بیعت جو آبائی طور پر مخدوم زادگان منیر شریف اور اسلام پور میں اب بھی جاری ہے اس طرح ہے:

حضرت شیخ بدر الدین بدر عالم زاہدی میرٹھی، مرید وخلیفہ فخر الدین ثانی زاہدی، مرید وخلیفہ حضرت شہاب الدین حق گو شہید، مرید وخلیفہ حضرت فخر الدین خداداد بزرگ، مرید وخلیفہ حضرت شہاب الدین کبیر امام کعبہ، مرید وخلیفہ حضرت صدر الدین سمرقندی، مرید وخلیفہ حضرت خواجہ عبد السلام محبوب، مرید وخلیفہ حضرت خواجہ عبد الریم معشوق، مرید وخلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین عبد المجید، مرید وخلیفہ حضرت خواجہ حسن یار باز، مرید وخلیفہ حضرت ابو اسحاق بن ابراہیم شہر یار گاذرونی، مرید وخلیفہ حضرت خواجہ عبد اللہ خفیف شیرازی، مرید وخلیفہ حضرت خواجہ محمد رویم، مرید وخلیفہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

حضرت مخدوم بدر عالم کے آباو اجداد میرٹھ (یوپی) میں سکونت رکھتے تھے، چنانچہ اسی شہر میں ان کی ولادت ہوئی۔ حضرت مخدوم جہاں کے حکم سے بہار شریف تشریف لائے، لیکن ان کے بہار شریف پہنچنے سے قبل مخدوم جہاں کا وصال ہو چکا تھا۔ بہار شریف آنے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے بہار شریف روانگی کا خیال ظاہر کیا تو مریدین ومعتقدین کے حلقہ میں کہرام مچ گیا اور لوگ گریہ وزاری کرنے لگے اور انہیں کسی حال میں بھی خود سے جدا کرنے کے لئے آمادہ نظر نہ آئے تو مخدومؒ نے فرمایا کہ میں حجرہ میں جاتا ہوں تم لوگ باہر سے دروازہ چن دو یعنی اینٹ پتھر سے بند کر دو۔ حجرہ کے اندر نہ صرف یہ کہ حضرت مخدوم زندہ

رہے بلکہ اپنی روحانی قوت سے بہار شریف پہنچ گئے۔ اس طرف معتقدین حجرہ کے باہر سے جب بھی انہیں آواز دیتے یا کچھ پوچھتے تو ان کی باطنی قوت سے جواب شافی پاتے۔ بہار شریف پہنچ کر حضرت مخدوم جہاں کے مزار پر حاضری دی اور فیوض باطنی سے مالا مال ہو کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت مخدوم بدر عالم زاہدی کا تبلیغی مرکز خصوصیت سے خطہ بنگال میں چاٹگام رہا ہے۔ انہوں نے اپنی فقیرانہ روش سے اس علاقہ کے عوام پر بہت اثر ڈالا۔ بنگال کا ہندو بادشاہ جدّ و جو جلال الدین کے نام سے ۱۴۳۰-۱۴۱۴ء کے درمیان بنگال کا حکمراں رہا اور جس کے زمانہ میں اسلامی تبلیغ کا بنگال میں زور تھا اسی زمانہ میں حضرت مخدوم بنگال پہنچے اور بہت دنوں تک چاٹگام میں مقیم رہے۔ چنانچہ آج بھی ان کی چاٹ گام کی قیام گاہ کو ایک زیارت گاہ کے طور پر بڑی شہرت حاصل ہے۔ اور پیر بدر کی درگاہ کے نام سے ہر شخص اسے جانتا ہے۔ انتقال سے کچھ دنوں پہلے انہوں نے چاٹ گام کو چھوڑا اور بہار شریف چلے آئے۔ اور یہیں انہوں نے ۲۲؍رجب ۸۴۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور چھوٹی درگاہ بہار شریف ان کی ابدی آرام گاہ بنی۔

حضرت مخدوم بدر عالم زاہدی کے چار لڑکے اور ایک صاحبزادی تھیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) شاہ سلطان جانشین اور صاحب سجادہ حضرت مخدوم (۲) شہاب الدین قتال زاہدی (۳) مخدوم شاہ بوسعید (۴) مخدوم تیز طبع جنہوں نے شادی نہیں کی۔ اور ایک صاحبزادی ولیہ باکمال بی بی ابدال زوجہ محمد بن سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوریؒ۔

حضرت بدر عالم زاہدیؒ کے خلفاء میں ان کے بڑے لڑکے حضرت سلطان زاہدی تھے جو ان کے بعد مسند سجادگی پر بیٹھے۔ اور ان سے سلسلہ زاہدیہ کی جنوبی بہار میں اشاعت و توسیع ہوئی۔ دوسرے خلیفہ ان کے منجھلے لڑکے حضرت شہاب قتال زاہدیؒ تھے جن سے سیوان اور علاقہ شمالی بہار میں تبلیغ اسلام اور سلسلہ زاہدیہ کی توسیع ہوئی۔ ان سے صرف ایک صاحبزادی تھیں جو حضرت جلال منجھن ناصحی سارئیؒ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت سارئیؒ بھی اپنے عہد کے کامل بزرگوں میں تھے۔

حضرت بدر عالم زاہدی کی تصنیفات میں سے ایک رسالہ ذکر زاہدیہ اور دوسرا رسالہ زاہدیہ کے نام سے موجود ہے۔ دونوں ہی رسائل مختصر اور چند صفحات پر مشتمل ہیں اور فارسی زبان میں ہیں۔ یہ دونوں ہی رسالے قلمی ہیں اور کتب خانہ خانقاہ منیر شریف میں موجود ہیں۔

بنگال میں عوام اور خصوصیت کے ساتھ ملاح جب کسی اچانک طوفانی یا دریائی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو حضرت مخدوم کی دہائی دیتے ہیں اور کئی آدمی ہم آواز ہو "بدر پیر بدر پیر" پکارتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ایسا کرنے سے طوفان یا دیگر آفتوں سے نجات مل جاتی ہے اور حضرت مخدوم ایسے موقعوں پر مدد کو آتے ہیں۔

(ماخذ: وسیلہ شرف مرتبہ طیب ابدالی)

حضرت مخدوم احمد سیستانیؒ:

وطن مالوف سیستان سے حضرت بابا فرید گنج شکر کی ولایت کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ ایک عرصہ تک حضرت بابا فرید کی خدمت میں رہے اور ان کے فیض صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ شیخ نے ان کے ذمہ یہ خدمت رکھی تھی کہ وضو اور غسل کے لئے مشک میں پانی بھر کر لایا کریں۔ ایک بار ان کی پشت میں سخت درد ہوا اور یہ پیر کی خدمت سے معذور رہے۔ پانی بروقت نہ پہنچا تو حضرت بابا فرید نے وجہ دریافت کی اور پانی لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنی تکلیف بیان کی۔ بابا صاحب نے انہیں اپنے قریب بلا کر پشت پر شفقت کا ہاتھ پھیرا درد فوراً جاتا رہا۔ تکلیف دفع ہونے کے بعد پھر پانی لانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ حضرت سیستان نہایت اطمینان اور آرام کے ساتھ پانی بھر لائے۔ یہی نہیں خود ان کا بیان ہے کہ پھر مجھے تمام عمر کبھی کوئی تکلیف پیٹھ میں نہیں ہوئی۔ حالانکہ انہوں نے تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

گنج ارشدی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیستانی حضرت مخدوم جہاں کے ہم عصر تھے لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت مخدوم جہاں برابر ان کے مزار شریف پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم سے پہلے کے بزرگ تھے۔ اس کے علاوہ ولادت یا وفات کی تاریخوں کی تفصیل نہیں ملتی۔ ان کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ اپنی باطنی قوت کے ذریعہ شیر اور سانپ کو اپنا مطیع بنا رکھا تھا۔ اور یہ دونوں خوفناک اور انسان دشمن جاندار ان کے غلام اور فرماں بردار تھے۔

مزار مبارک محلّہ کاغذی بہار شریف میں ہے جہاں ہر سال ۸ر رجب کو بڑے تزک و احتشام سے ان کا عرس ہوا کرتا ہے۔

(ماخذ: گنج ارشدی، تحفۂ بہار)

حضرت مولانا مظفر بلخیؒ:

مولانا اور برہان الدین القاب ہیں۔ نام نامی مظفر ہے۔ والد کی نسبت سے شمس اور وطن بلخ کی نسبت سے بلخی کہے جاتے ہیں۔ برہان تخلص فرماتے تھے۔ یہ سلطان شمس الدین بلخی کے بڑے لڑکے تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم ادہمؒ کے واسطہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے جو اس طرح ہے:

حضرت مولانا مظفر ابن سلطان سید شمس الدین ابن سید علی ابن سید حمید الدین ابن سید سراج الدین ابن سید بزرگ ابن سید محمود ابن سلطان ابراہیم ابن سید ادہم ابن سید سلیمان ابن سید ناصر الدین ابن محمد ابن یعقوب ابن احمد ابن اسحاق ابن زید ابن محمد قاسم ابن امام زین العابدین ابن امام حسین شہید کربلا ابن شاہ مردان حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ نے تخت و تاج ٹھکرا کر درویشی اختیار کر لی تھی۔ یہ روایت حضرت شمس الدین بلخیؒ کے عہد میں ایک بار پھر دوہرائی گئی اور انہوں نے بھی اپنے اسلاف کی طرح بادشاہت کو ترک کر کے راہ سلوک اختیار کی اور اپنے کل اہل خاندان کے ساتھ بلخ چھوڑ کر ہندوستان کی راہ لی۔ ابتدائی سکونت دہلی میں اختیار کی۔ لیکن اہل دہلی کے ناروا سلوک کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہو کر دہلی کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ دل دنیا سے کچھ اس طرح بیزار ہوا کہ پھر تلاش معاش کی فکر ہی نہ رہی اور تلاش شیخ میں نکل کھڑے ہوئے۔ مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے بہار شریف پہنچے، جو ان کی اصل منزل تھی۔ اور یہیں حضرت مخدوم جہاں شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ سے بیعت کرنے کے بعد مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کے اہل خاندان دہلی میں رہ گئے تھے اور یہ یکہ وتنہا بہار شریف پہنچے تھے۔ لیکن جب یہاں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا تو کل لوگوں کو بہار ہی بلوا بھیجا۔

حضرت سلطان شمس بلخی کے تین لڑکے اور لڑکی تھیں۔ لڑکوں کا نام مظفر، معز الدین اور قمر الدین تھا لیکن صاحبزادی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ حضرت مولانا مظفر کی ولادت بلخ میں ہوئی۔ سال ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں تولد ہوئے ہوں گے۔ والد کی طلب پر جب اہل خاندان کے ساتھ بہار شریف پہنچے تو اس وقت تک علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو چکے تھے۔ اثنائے راہ میں جونپور کے قریب ظفر آباد میں کچھ دنوں قیام کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے جہاں حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید ابن سلطان معز الدین بلخی کی ولادت ہوئی تھی۔ بہار شریف پہنچنے کے بعد حضرت معز الدین بلخی اپنے والد سلطان شمس بلخی کے قدم پر چلتے ہوئے حضرت مخدوم احمد چرم پوش سے مرید ہوئے۔ لیکن حضرت مولانا نے انتخاب شیخ میں اپنے والد کی متابعت سے معذوری ظاہر کی۔ ان کے والد نے بھی اس اہم معاملہ میں انہیں شیخ کو پرکھنے اور انتخاب کرنے کی پوری آزادی دی چنانچہ یہ حضرت مخدوم جہاں کی مجلسوں میں حاضر ہونے لگے۔ اکثر ان مجلسوں میں علمی، ادبی اور صوفیانہ مباحث پر مولانا بھی اپنے خیالات کا اظہار

فرماتے۔ حضرت مخدوم جہاں سے مذاکرے کرتے۔ ان کی توضیح وتشریح پر اعتراض کرتے یہاں تک کہ حضرت مخدوم کے اکثر جوابات کو اپنے زعم علم میں لا نُسَلِّمُ کہہ کر رد کر دیا کرتے۔ لیکن یہ حالت زیادہ دنوں تک نہیں رہی۔ حضرت مخدوم جہاں کی نظر فیض اثر سے قلب کی سختی اور زعم علم جاتا رہا اور بالآخر ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر اس طرح ان کی متابعت کی کہ ''تن مظفر جان شرف الدین، جان مظفر تن شرف الدین'' کا صلہ محبت پایا۔

بیعت کے بعد حضرت مخدوم جہاں کی ہدایت کے مطابق حصول علم کے لئے پھر دہلی تشریف لے گئے اور وہاں دو سال تک مقیم رہے۔ دوران قیام دہلی میں حصول تعلیم اور تکمیل کے بعد سرکاری درسگاہ میں درس دینے لگے۔ ایک روز قوالوں کی ایک جماعت نے حاضر ہو کر ایک ایسی غزل چھیڑی کہ دل کے تار جھنجھنا اٹھے اور عالم جذب وکیف میں کھڑکی سے کود کر پیر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت مخدوم کی صحبت میں مولانا نے جلد ہی اپنی منزل پالی۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے انہیں سخت ریاضت ومجاہدہ سے بھی گزرنا پڑا۔ اسی کا اثر تھا کہ جسم پر صرف ہڈی اور چمڑا رہ گیا تھا گوشت کا کہیں نام ونشان نظر نہ آتا تھا۔ اتباع شیخ میں حضرت مولانا کی ذات عدیم المثال تھی۔ جس طرح اور جس وقت جو حکم ہوتا وہی خدمت انجام دیتے۔ شان، شیخی، غرور یا تکبر نام کو نہ رہا۔ ان کے احکام کی بجا آوری اور ریاضت ومجاہدہ کو دیکھتے ہوئے حضرت مخدوم جہاں نے ایک بار خود فرمایا کہ ''یہی مولانا تھے جو لا نُسَلِّمُ کہنے آئے تھے، اب کیسے سدھ گئے ہیں۔''

مولانا اپنے شیخ کے صرف مطیع وفرماں بردار ہی نہ تھے بلکہ دل سے بھی ان کی عزت واحترام بہت کیا کرتے تھے۔ الفت ومحبت کا بھی وہی عالم تھا کہ جب تک شیخ کو ایک نظر دیکھ نہ لیتے چین نہیں آتا۔ حضرت مخدوم کی بھی شفقت ومحبت کا وہی عالم تھا۔ احترام اور عزت بھی مولانا کی بہت کرتے تھے اور ان کے قلب میں جو خلش پیدا ہوتی اسے دور بھی فرماتے۔ روحانی فیوض وبرکات کے ساتھ ساتھ قلب کو بھی مطمئن کرتے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ انہوں نے اپنے تمام مریدین اور معتقدین پر مولانا کو فوقیت

دی اور نہ صرف یہ کہ اجازت وخلافت بخشی بلکہ اپنی جانشینی اور خانقاہ کی سجادگی بھی تفویض فرمائی۔

حضرت مخدوم کا وصال ہوا تو مولانا اس وقت مناسک حج سے فراغت پاکر لوٹتے ہوئے عدن میں مقیم تھے۔ جیسے ہی اس سانحہ کی خبر ملی بہار شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہاں حضرت مولانا کی غیر موجودگی میں بعض حضرات نے حضرت مخدوم کی جانشینی کے دعوے کر دئے اور کلاہ تقسیم کرنے لگے۔ خلافت عطا کرنے لگے۔ جب مولانا بہار شریف پہنچے تو تمام لوگ اکٹھے ہوئے۔ حضرت مولانا نے ثبوت جانشینی پیش کرتے ہوئے کلاہ تقسیم کرنے والوں سے ثبوت جانشینی طلب کیا۔ سبھوں نے لاجواب ہوکر حضرت مولانا کی جانشینی قبول کی اور عزت واحترام کے ساتھ انہیں مسند سجادگی پر بٹھایا۔

مولانا کی عمر کا معتد بہ حصہ سیر وسیاحت میں گزرا۔ لیکن اس کا تعین مشکل ہے کہ کتنے سال یہ سیر وسفر میں رہے۔ مسند سجادگی پر بیٹھنے کے بعد بھی بہار شریف سے باہر جاتے رہے۔ بنگال میں بھی دو سال مقیم رہے۔ اسی دوران قیام سلطان غیاث الدین سے رسم وراہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اور اسی انتظام سے آخری بار چاٹگام سے سفر حج کے لئے روانہ ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ غیاث الدین بادشاہ کے نام حضرت مولانا کے ایک خط میں اس کا ذکر ہے۔ بنگال کے دوران قیام میں مولانا نے ست گاؤں، معظم آباد اور پنڈوہ کا بھی سفر کیا تھا۔ ہمراہ ان کے بھائی معز الدین اور برادر زادہ حضرت حسین نوشہ توحید اور دوسرے مریدین ومعتقدین بھی تھے، جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ بنگال سے روانہ ہوکر جب مولانا مکہ مکرمہ حج کے لئے پہنچے تو وہاں چار سال تک قیام کیا۔ اثنائے قیام میں عبادت ریاضت اور درس وتدریس میں مشغول رہے۔ آپ کے حضرت معز الدین کا مکہ مکرمہ میں وصال ہوا۔ چنانچہ اس صدمہ سے مولانا بہت دل برداشتہ ہوئے اور مکہ مکرمہ سے رخت سفر باندھا، عدن پہنچے۔ حضرت حسین نوشہ توحید ہمراہ تھے۔ یہ مولانا کی زندگی کے آخری ایام تھے۔ ان دنوں مولانا دنیا سے کچھ ایسے بیزار ہو گئے تھے کہ پوشاک اور خورد ونوش کا بھی احساس جاتا رہا تھا۔

کئی روز تک بے آب و دانہ رہنے کے بعد مرض اسہال (دست) میں ۳ر رمضان المبارک ۸۰۳ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے جن کی تعلیم و تربیت انہوں نے اپنے ہاتھوں کی تھی ان کے روحانی جانشین ہوئے اور اس طرح سلسلہ فردوسیہ جس کی اشاعت و توسیع حضرت مخدوم جہاں اور مولانا کے ذریعہ شروع ہوئی تھی ایک اہم روحانی سلسلہ کے طور پر جاری وساری رہا۔

مولانا کی تصنیفات میں ان کا دیوان اشعار، جسے ''مجموعہ اشعار'' کے نام سے استاذی پروفیسر سید حسن صاحب مرحوم نے بڑی کاوش اور محنت سے تصحیح و تحشیہ اور حضرت مولانا کے حالات کے ساتھ ترتیب دیا ہے اور ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی سے جس کی طباعت عمل میں آئی ہے، ایک اہم کارنامہ ہے۔ کلام صوفیانہ اور والہانہ انداز رکھتا ہے لیکن بحیثیت حسن شعری اسے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی، اس لئے کہ مولانا کا یہ اپنا ذوق معلوم ہی نہیں ہوتا۔

دوسری اہم تصنیف مولانا کے مکتوبات کا مجموعہ ہے جس پر تفصیلی بحث آئندہ اوراق میں آئے گی۔ تیسری تصنیف رسالہ بدایت وہدایت اور چوتھی کتاب ان تین پیغمبروں کے متعلق ہے جو بادشاہ وقت بھی تھے۔ یہ رسالہ مجموعہ مکتوبات میں مکتوب ۷۷ کی شکل میں بھی موجود ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ درج ذیل تین کتابوں کا نام بھی ان کی تصنیفات کے طور پر لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کتابیں نایاب ہیں (۱) شرح عقائد نسفی (۲) مجموعہ مکتوبات (موجودہ مجموعہ کے علاوہ) (۳) حاشیہ مشارق الانوار۔

ماخذ: وسیلہ شرف۔ مجموعہ اشعار مطبوعہ ادارہ تحقیقات، مناقب الاصفیا، سیرۃ الشرف)

حضرت مولانا شیخ آموںؒ:

حضرت آموں کے والد کا نام حضرت ابراہیم تھا جو نسبی طور پر عباسی اور ہاشمی تھے۔ ان کے آباو اجداد عرب سے اصفہان آ کر آباد ہوئے اور کئی پشتوں کے بعد ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ عبداللہ نامی اصفہان سے ہندوستان آئے اور بکسر ضلع شاہ آباد کے قریب چوسہ نام کے ایک قصبہ میں آباد ہوئے۔ پانچ پشتوں تک یہ خاندان اسی قصبہ میں رہا۔ جب ان کے والد مولانا شاہ ابراہیم حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو ان کی عقیدت اور محبت میں اپنے آبائی سکونت کو ترک کر کے بہار شریف سے پندرہ میل مشرق میں ایک گاؤں موضع چر گانواں میں اپنے متعلقین کے ہمراہ سکونت اختیار کی۔ ان کے قیام پذیر ہونے کے بعد یہ گاؤں انہی کے نام پر ابراہیم پور چر گانواں کے نام سے یاد کیا جانے لگا جو ان کی جلالت شان اور عقیدت و مقبولیت عوام کی ایک نمایاں دلیل ہے۔ اسی گاؤں میں حضرت آموں کی پیدائش ہوئی۔

شیخ آموں کے والد چونکہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے مرید تھے اور ان کے جد خلفا میں شمار ہوتے تھے اس لئے انہیں ایام طفلی ہی سے حضرت مخدوم کی صحبت سے فیض اٹھانے کا اور تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا سنہرا موقع ملا۔ اس طرح علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل حضرت مخدوم جہاں کے ہی زیر سایہ ہوئی۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ آموں کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آیا کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے شیخ آموں کے منہ میں ایک لقمہ چبا کر دیا۔ انہوں نے اسے کھایا اور اس کے بعد ہی ان پر علوم باطنی کے دروازے کھل گئے۔ اسی طرح وصال کے وقت حضرت مخدوم جہاں نے بڑی شفقت سے انہیں اپنے قریب بلایا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ اور روئے مبارک پر ملتے ہوئے یہ آیت پڑھی لاتقنطوا من رحمة الله اس کے بعد قرآن پاک کا ایک نسخہ عطا کر کے رخصت فرمایا۔ یہی نہیں حضرت مخدوم اپنی زندگی میں اکثر ان سے ملنے موضع چر گانواں جاتے تھے۔ چر گانواں

کے حاکم کامگار نے موضع چرگانواں میں کچھ جاگیریں حضرت مخدوم کی نذر کی تھیں۔ آپ نے وہ سب شیخ آموں کو بخش دیں اور فرمایا "یہ نذر کی زمین تمہارے دفن کی جگہ اور تمہاری اولاد کا مسکن ہے۔"

حضرت مخدوم جہاں سے مولانا آموں کو بیعت کے علاوہ اجازت وخلافت بھی تھی اور حضرت مخدوم کے جید مریدین اور خلفا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

وصال کے روز صبح کی نماز کے بعد اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ معتقدین اور متوسلین انتظار میں تھے۔ اپنے تبرکات خاص جو حضرت مخدوم جہاں سے عطا ہوئے تھے اپنے فرزند مولانا شاہ ارزانی کو تفویض فرمائے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "امروز وداع وسفر آخری من است" اس کے بعد مولانا شاہ مبارک جوان کے پوتے تھے انہیں بلایا اور اپنا سال وفات رسالہ مطلوب المبارک میں درج کرنے کی تاکید کی اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

مطلوب المبارک میں تاریخ وفات روز جمعہ ۴/ شعبان ۸۴۷ھ درج ہے۔ مولانا آموں کے صاحبزادے شاہ ارزانی نے اپنے ملفوظات تحقیقات المعانی میں بھی یہ تاریخ درج کی ہے۔

تصنیفات میں کوئی مستقل رسالہ نہیں۔ ملفوظات کے دو مجموعوں میں سے ایک مطلوب المبارک ہے جس کے جامع شیخ آموں کے پوتے حضرت شیخ مبارک ہیں۔ دوسرا تحقیقات المعانی ہے جس کے جامع ان کے لڑکے شاہ ارزانی ہیں۔ ان ملفوظات پر مکمل بحث آئندہ اوراق میں آئے گی، انشاء اللہ۔

(ماخذ: مطلوب المبارک، تحقیقات المعانی، وسیلہ شرف، مجلہ اشارہ پٹنہ بابت ماہ جون ۱۹۶۶ء)

حضرت مولانا شاہ شعیب ابن جلال منیریؒ :

حضرت مخدوم شاہ شعیبؒ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کے عم زاد بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام حضرت مخدوم جلال منیریؒ تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت امام محمد تاج فقیہ فاتح منیر سے ملتا ہے۔ حضرت جلال کی شادی موضع کنجا نواں ضلع پٹنہ میں حضرت مخدوم شاہ ابوبکر کی لڑکی حضرت سعد ملکہ عرف بی بی سعیدہ سے ہوئی، جن کا سلسلہ نسب بھی حضرت امام تاج فقیہ سے ملتا ہے۔ بی بی سعیدہ حافظہ قرآن اور بڑی عابدہ وزاہدہ بزرگ تھیں۔ انہی کے بطن سے حضرت مخدوم شعیب بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الآخر ۶۸۸ ھ کو موضع کنجا نواں میں پیدا ہوئے، جہاں ان کی پیدائش کی جگہ کو آج بھی زیارت گاہ کا درجہ حاصل ہے۔

پانچ سال کی عمر تک منیر میں والدین کے سایہ عاطفت میں پرورش ہوئی اور تعلیم وتربیت بھی انہی سے ہوئی کہ اچانک ان کے والد حضرت جلال منیری نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت کو داغ یتیمی کا بوجھ برداشت کرنا پڑا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ان کے نانا شاہ ابوبکر انہیں ان کی والدہ کے ساتھ تعلیم وتربیت کے خیال سے کنجا نواں لے گئے۔ ابتدائی تعلیم ان کی وہیں ہوئی۔ علوم متداولہ کی تعلیم وتحصیل میں بھی ان کے نانا کی ذات ہی معاون ومددگار رہی۔ ان کے علاوہ دیگر علمائے وقت سے بھی حضرت مخدوم نے تعلیم حاصل کی۔

ریاضت ومجاہدہ کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اکثر ذوق وشوق تجلیات ربانی اور عالم جذب وکیف میں صحرانوردی کو نکل جاتے اور جنگلوں اور بیابانوں میں محوِ عبادت رہتے۔ چنانچہ خوارق عادات اور کرامتیں بھی ابتدائی زندگی ہی سے صدور میں آنے لگی تھیں۔

حضرت مخدوم شاہ شعیب کی شادی پہلے ایک فاروقی خاندان کی خاتون سے ہوئی تھی جن سے تین لڑکے شاہ بہاء الدین، شاہ منصور اور شاہ مظفر اور ایک لڑکی بی بی ناتھو تولد ہوئیں۔ جب زوجہ کا انتقال ہوگیا تو ایک عرصہ تک مجرد رہنے کے بعد عقد ثانی

فرمایا جن سے دولڑکے شیخ شمس الدین اور شاہ حیدر تولد ہوئے۔

حضرت مخدوم شاہ شعیب کو حضرت مخدوم جہاں سے روحانی فیض حاصل کرنے کا بھی موقع ملا۔ حضرت مخدوم جہاں اکثر ان سے ملاقات کی خاطر شیخ پورہ تشریف لے جاتے۔ لیکن بیعت ظاہری کی نوبت نہ آئی۔ یہ افتخار حضرت مخدوم حسن جو حضرت حسین نوشہ توحید کے دست گرفتہ اور مجاز تھے کی قسمت میں لکھا تھا۔ حضرت مخدوم نے اپنا پیراہن، دستار، مقراض اور کمر بند حضرت مولانا کے سپرد کیا تھا کہ حضرت مخدوم شعیب تک پہنچا دیں۔ لیکن انہیں موقع نہیں ملا۔ سفرحج سے واپسی میں عدن میں وصال ہوگیا لیکن انہوں نے اپنے مرید و جانشین حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید کو تاکید کردی تھی کہ یہ امانت حضرت مخدوم تک پہنچا دیں۔ حضرت حسین نوشہ توحید بھی اپنی مشغولیتوں کی بنا پر یہ کام خود نہ انجام دے سکے۔ انہوں نے اپنے لڑکے اور مرید و خلیفہ حضرت حسن کو حکم دیا کہ تبرکات حضرت مخدوم تک پہنچا دیں اور جو حکم حضرت مخدوم دیں پاس ادب یہ کہ اسے رد نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت حسن یہ تبرکات لے کر شیخ پورہ پہنچے تو حضرت مخدوم نے شیخ پورہ سے باہر آکر ان کا استقبال کیا۔ تبرکات کو احترام و ادب سے قبول فرمایا اور حضرت سے بہ اصرار بیعت کی۔ اس لئے کہ یہ کام حضرت مخدوم جہاں سے عقیدت و احترام کے باوجود انجام نہ پا سکا تھا۔ روحانی فیض تو براہ راست تھا لیکن ظاہری سلسلہ بیعت بھی ضروری تھا اس لئے حضرت مخدوم کا سلسلہ بیعت تین واسطوں سے حضرت مخدوم جہاں تک پہنچتا ہے۔

ابتدا میں حضرت مخدوم کنجا نواں سے باہر نکلے تو دانا پور میں مقیم ہوئے۔ لیکن جب ان کی عبادت و ریاضت اور بزرگی کی شہرت ہوئی تو لوگوں کی بھیڑ اکٹھا ہونے لگی۔ آپ اس سے گھبرا کر قریب ہی کے ایک دوسرے گاؤں میں منتقل ہوگئے۔ والدہ کنجاواں میں تھیں اس لئے کہیں دور جانے کے لئے تیار نہ تھے تا کہ انہیں دیکھتے رہیں اور ان سے ملاقات کرتے رہیں اور اس طرح ان کی تشفی و تسکین ہوتی رہے۔ لیکن جب اس گاؤں میں بھی عقیدت مندوں کی آمد بڑھنے لگی تو حضرت مخدوم جہاںؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے راجگیر کا رخ کیا اور ایک عرصہ تک وہاں چلہ کش رہے۔ پھر

وہاں سے شیخ پورہ کے علاقے میں پہنچے اور مورنگ کے جنگل میں محو عبادت رہے۔ عالم استغراق میں تھے کہ لوگوں کو ان کی موجودگی کی خبر ہوئی پہنچے تو دیکھا کہ انہیں کسی بات کی سدھ بدھ ہی نہیں ہے۔ بات چیت بھی بند تھی۔ کسی بات یا سوال کا جواب ہی نہ دیتے اس علاقہ کے راجہ کو خبر ہوئی۔ اس نے خود دیکھا اور اپنے ہمراہ ڈولی میں بٹھا کر لے گیا۔ حکمائے وقت اور جوگیوں نے راجہ کو بتایا کہ یہ اس وقت ذکر اور دھیان میں ہیں۔ جب اس سے فارغ ہوں گے تب ہی کسی بات یا سوال کا جواب دے سکیں گے۔ چنانچہ جب عالم وحدت سے کثرت میں آئے تو راجہ سے باتیں بھی ہوئیں اور اپنا حال بھی بتایا۔ جہاں لے جائے گئے تھے اس جگہ کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ ہندو جوگیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہیں تو ان کے دشمن ہو گئے اور انہیں نیچا دکھانے کے لئے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ حضرت مخدوم سبھوں کا شافی جواب دیتے گئے۔ لاجواب ہو کر جوگیوں نے انہیں شکست دینے کے لئے بے آب و دانہ چالیس روز رہنے کی تجویز رکھی۔ حضر مخدوم نے کہا کہ چالیس روز کا چلہ تو ہمارے خاندان کے بچے اور عورتیں کیا کرتی ہیں۔ اگر چلہ کرنا ہی ہے تو بارہ سال چلہ کرو۔ جوگیوں کے ہوش اڑ گئے۔ آنا کانی کرنے لگے لیکن ساری باتیں راجہ کی موجودگی میں ہو رہی تھیں اس لئے کوئی جائے فرار نہ تھی، اس لئے قہراً جبراً تیار تو ہوئے لیکن انجام یہ ہوا کہ بارہ سال بعد جس کنویں میں دونوں کو الگ الگ ایک طاق بنا کر رکھا گیا تھا اس میں سے حضرت مخدوم تو صحیح وسلامت یاد خدا میں مشغول ملے لیکن جوگی کی ہڈی بھی چونا ہو گئی تھی۔ راجہ اور اس کے تمام اہل کار اور خاندان والے حضرت مخدوم کی اس روحانی قوت کا مظاہرہ دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ جب شہر مورنگ سے حضرت مخدوم روانہ ہونے لگے تو اس شہر کے تمام لوگوں اور خود راجہ کو آپ سے جدا ہونے کا بڑا قلق تھا، لیکن حضرت مخدوم سبھوں کو اطمینان دلاسے دیتے ہوئے اور نیک اعمال کی تلقین کرتے ہوئے شیخ پورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ایک عرصہ تک شیخ پورہ کے پہاڑ پر مشغول عبادت و ریاضت رہے۔ جب مولانا شمس الدین تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلہ میں نواح شیخ پورہ پہنچے تو آپ سے ملاقات کے لئے پہاڑ پر تشریف لے گئے اور

آپ کو مجبور کیا کہ خلق خدا کی حاجت روائی اور اصلاح کے لئے آبادی میں قیام فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے یہ مشورہ قبول فرما کر دامن کوہ سکونت اختیار فرمائی اور ان سے محبت وعقیدت کی وجہ سے پوری آبادی ہی پہاڑ کے دامن میں منتقل ہوگئی جو شیخ پورہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی جگہ پر حضرت مخدوم نے اپنی زندگی کے بقیہ ایام گزارے اور یہیں ۱۲ / ربیع الثانی بروز دوشنبہ ۸۲۴ ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ مزار مبارک آج بھی شیخ پورہ میں زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

تصانیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم نے متعدد کتابیں یادگار کے طور پر چھوڑیں لیکن طبیعت بے لوث اور بے غرض تھی اس لئے ان کتابوں پر اپنا نام واضح طور پر درج نہیں کیا، اس لئے دوسرے لوگوں کے نام یہ کتابیں منسوب کر دی گئیں۔ صرف ایک کتاب مناقب الاصفیا ان کے نام سے منسوب ہے۔ یہ ایک گراں قدر تالیف ہے۔ اور آج بھی خانوادہ فردوسیہ میں بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اس لئے کہ یہ پہلی کتاب ہے جو بزرگان سلسلہ فردوسیہ کے تذکرے سے متعلق لکھی گئی۔ حضرت نبی کریم ﷺ سے لے کر حضرت مولانا مظفر بلخیؒ تک تمام بزرگوں کے تذکرے مختصر طور پر رقم کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں اس وقت کی تمام اہم کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ بزرگان سلسلہ فردوسیہ کے حالات زندگی کا ایک قدیمی اور مستند ماخذ اسے مانا جاتا ہے۔ اس کی عبارت رواں اور پر تاثیر ہے۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے، لیکن طباعت میں بعض اہم جگہوں پر تحریف سے کام لیا گیا ہے جس کا پتہ قلمی نسخوں کے مطالعہ سے چلتا ہے۔

(ماخذ: وسیلہ شرف مرتبہ طیب ابدالی، حسن جلال، مناقب شعیب، مناقب الاصفیا)

حضرت مخدوم نوشہ توحید بلخیؒ :

حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی حضرت مولانا مظفر بلخی کے حقیقی بھائی مولانا معز الدین بلخی کے لڑکے تھے۔ دہلی سے بہار شریف آتے ہوئے مظفر آباد کے

دوران میں تولد ہوئے۔ تعلیم وتربیت حضرت مولانا کی سرپرستی میں ہوئی اس لئے کہ مولانا ہی کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ مولانا بھی بڑی محبت اور شفقت سے تعلیم ظاہری و باطنی پر توجہ فرماتے۔ اس لئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا تھا کہ ''حضرت معز الدین کی اولاد ہی تمہاری اولاد ہوگی اور اسی سے تمہارا سلسلہ اور نام چلے گا''۔ حضرت مولانا کے علاوہ علوم ظاہری کی تکمیل دے کر علماء مثلاً شیخ شمس الدین خوارزمی، شیخ شمس الدین جلوائی مجاور حرم شریف مکہ مکرمہ اور خطیب عدن کے ذریعہ سے بھی ہوئی جیسا کہ اجازت نامہ مولانا مظفر بلخی سے بھی ظاہر ہے۔

حضرت حسین چونکہ ہمہ دم حضرت مولانا کے ہمراہ ہوتے تھے، خواہ سفر ہو یا حضر اس لئے ان کی ذات والا صفات سے کسب فیض کا موقع تو انہیں ملا ہی ساتھ ہی چونکہ مولانا حضرت مخدوم کی صحبت اور خدمت میں رہا کرتے تھے اور محبوب و مایہ ناز مرید وخلیفہ کا درجہ رکھتے تھے اس لئے حضرت حسین کو ان سے بھی روحانی اور باطنی فیوض حاصل ہوئے۔ ارادت اور اجازت وخلافت بھی حضرت مخدوم جہاں ہی سے تھی۔ پھر حضرت مولانا نے بھی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی اور حضرت مولانا کے وصال کے بعد خانقاہ مخدوم بہار شریف کے سجادہ نشیں اور قائم مقام ہوئے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ سے کتاب عوارف المعارف تصنیف حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو نصف تمام کیا تھا کہ حضرت مخدوم مرض الموت میں گرفتار ہوئے۔ حضرت حسین کو کتاب کا اتمام تک نہ پہنچانے کا بڑا غم تھا۔ ایک بار حضرت مخدوم نے دوران علالت ہی آنکھیں کھولیں اور انہیں دیکھ کر فرمایا ''بابا حسین غم نہ کرو، میرے بعد حضرت بدیع الدین مدارؒ اس ملک میں آئیں گے تم بقیہ نصف عوارف کو انہی کی خدمت میں جا کر پڑھ لینا''۔

حضرت مخدوم جہاں کے وصال کے چند ہی سال بعد حضرت شاہ مدارؒ جونپور تشریف لائے۔ حضرت حسین نوشہ توحید ان کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت شاہ مدار اپنی عادت کے مطابق چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھے، لیکن جب حضرت نوشہ توحید پر نظر پڑی نقاب ہٹا دیا اور فرمایا ''آؤ اے سمندر توحید خوب آئے، میں زمانہ

سے تمہارا منتظر تھا۔"

حضرت شاہ مدار کے چہرے پر اتنا جلال تھا کہ عام لوگ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے، اسی لئے ہر وقت چہرہ پر نقاب ڈالے رہتے۔ لیکن حضرت نوشہ توحید سے بے نقاب ملے۔ حضرت نے ان کے چہرہ کی طرف دیکھتے ہی قدم بوسی بجالائی اور فرمایا

کہ می گوید کہ حق صورت ندارد　　　　من آنکہ دیدہ ام ذات مصور

حضرت مدار کو اس وقت بڑی مسرت ہوئی۔ انہیں گلے سے لگایا اور حضرت مخدوم جہاںؒ کی وصیت کے مطابق نصف عوارف المعارف حضرت حسین کی ختم کرائی اور فیوض و برکات سے بھی نوازا۔

حضرت مخدوم جہاں نے تو حضرت حسین بلخیؒ کو پہلے ہی نوشہ توحید کا لقب عطا فرمادیا تھا حضرت مدارؒ نے بھی انہیں "سمندر توحید" کہہ کر مخاطب کیا۔ اسی لئے حضرت حسین کو ان دونوں القاب سے اسی وقت سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ احمد لنگر دریا بلخیؒ جو حضرت حسین کے پوتے تھے فرماتے ہیں کہ "حضرت کی مانند صورت عظمت اور ہیبت میں کوئی بزرگ کم ہی دیکھنے میں آئے۔ نہایت بزرگی اور روشنی کے سبب مقابلہ سے چہرۂ مبارک دیکھنے کی طاقت و ہمت نہ رہتی۔ جب کسی طرف نظر کرتے یا سر مبارک جھکاتے تب ہی اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملتا۔" غالباً یہ فیض حضرت مدار کا تھا اس لئے کہ ان کا بھی یہی حال تھا۔

دل اتنا غنی تھا کہ کبھی آستانہ مبارک سے کوئی نامراد نہ لوٹتا۔ غالباً ضرورت کے مطابق سبھوں کو کچھ نہ کچھ دے کر رخصت فرماتے۔ خانقاہ کا یہ عالم تھا کہ تیس چالیس صوفی ہمیشہ باوضو ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور طے کے روزے رکھا کرتے۔ اسی طرح تقریباً ۵۴ سال مسند سجادگی پر جلوہ افروز رہنے کے بعد ۲۴ ذی الحجہ ۸۴۴ھ روز سہ شنبہ بوقت ظہر حضرت نوشہ توحید نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ وصال کا وقت جب قریب ہوا تو ان کے لڑکے حضرت حسن بلخیؒ نے عرض کیا کہ "ہم کو جو حاجت ہوتی تھی دینی یا دنیاوی، حضور میں عرض کرتے تھے، اب حضرت کو یہ حال پیش آیا ہے

ہمارا کیا ہوگا اور عرض حاجت کس سے کریں گے؟ فرمایا ”کیوں تعلق کرتے ہو۔ جو تصرف کہ ولی کو دنیا میں ایک چند ہے، جب اس عالم میں جائے، دو چند ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں روح محبوس اور مقید ہے۔ فوراً بذات خود مشرق و مغرب میں نہیں جاسکتی۔ لیکن جب قالب سے جدا ہوئی اور مجرد ہوئی تو پلک مارنے میں جاسکتی ہے اور طرفۃ العین میں ایک جہاں کا کام کرسکتی ہے۔ تم کو جو حاجت پیش آئے میری طرف توجہ کرنا اور حضرت مخدوم جہاںؒ سے عرض کرنا، تمہارا کام ہوجائے گا۔“

مزار مبارک حضرت مخدوم جہاں کے آستانہ سے جانب مغرب محلہ پہاڑ پورہ میں ایک احاطہ میں ہے، جس میں آپ کے بعد بلخی بزرگوں کے بھی مزارات ہیں۔

اولاد میں دو صاحبزادے حضرت حسن بلخی اور حضرت سلیمان بلخی سے ان کا سلسلہ نسب چلا۔ اور روحانی سلسلہ حضرت حسن بلخی سے قائم و دائم ہے۔

تصنیف و تالیف کے اعتبار سے حضرت نوشہ توحید کی ذات بلخی خانوادہ میں بے نظیر ہے۔ گرچہ ان کا زیادہ تر وقت رشد و ارشاد و تعلیم و تبلیغ میں صرف ہوتا، لیکن ذوق ایسا تھا کہ برابر کچھ نہ کچھ تحریر فرماتے رہتے۔ چنانچہ حسب ذیل کتابیں نثر میں ان کی یادگار ہیں:

رسالہ حضرات خمس (عربی) رسالہ قضا و قدر، رسالہ توحید خاص، رسالہ توحید اخص الخواص، رسالہ در بیان ہشت چیز، رسالہ ذکر، اوراد دہ فصلی، ملفوظ گنج لا یخفیٰ، مجموعہ مکتوبات، اجازت نامہ بنام حضرت حسن بلخی، رسالہ در شمائل و خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ شعر و شاعری کا بھی خصوصی ذوق رکھتے تھے اور حسین تخلص فرماتے تھے۔ غزلیات کا ایک دیوان فارسی اور دو مثنویاں زاد المسافرین اور مثنوی چہار درویش نظم میں اپنی یادگار چھوڑیں۔ تقریباً تمام کتابیں مطبوعہ اور مخطوطہ کی شکل میں منیر شریف، بہار شریف اور فتوحہ کی خانقاہوں میں موجود ہیں۔

(ماخذ: وسیلہ شرف، گنج ارشدی، مونس القلوب، گنج لا یخفیٰ، مرآۃ الاسرار، مرآۃ مداری، عوارف المعارف، شرح آداب المریدین)

❁❁❁❁❁

ملفوظات ومکتوبات کی تعریف

اور

صوفیانہ ادب میں اس کی اہمیت

ملفوظ کے لغوی معنی اور اس کی تاریخ:

لفظ- بالفتح سخن گفتن

شاہنشہ قلمرو معنی نازکنم

باشد ز لفظہائے مرصع سر بر من (بہار عجم ص ۵۶۱)

بالفتح وظائے معجمہ - بیرون افگندن از دہان وسخن گفتن - (از منتخب وغایت تحقیق)

وبعضے بمعنی مطلق انداختن نوشتہ اند (غیاث اللغات ج ۲ ص ۳۸۷)

بیرون افگندن از دہان وسخن گفتن (صراح ص ۳۰۳)

ملفوظ- (ع) مذکر- اولیاء اللہ کا کلام، بزرگوں کا کلام، وہ کتاب جس میں کسی بزرگ کی کیفیت ان ہی کی زبانی لکھی گئی ہو۔ جمع ملفوظات

(فیروز اللغات ج ۲ ص ۵۹۸)

ملفوظ- (ع) مذکر- جو پڑھنے میں آئے - ارشاد (فیض اللغات ص ۶۲۶)

حوالہ مندرجہ بالا سے ملفوظ کے لغوی معنی پر روشنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اصطلاحی معنی بھی واضح ہوجاتے ہیں۔ دراصل ملفوظ مادہ ل ف ظ ہے جس کے لغوی معنی بات کرنے کے یا منہ سے نکالنے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ بات چیت میں جو چیز انسان کے منہ سے نکلے اسے لفظ کہتے ہیں۔ یہ چونکہ عربی زبان کا لفظ ہے اس لئے بہ قاعدہ عربی اسی لفظ سے اسم مفعول ہوا ملفوظ، جس کے معنی 'بولے ہوئے' کے ہوئے۔ انسان کو اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لئے الفاظ ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان سے اس کا واسطہ ابتدائے آفرینش سے ہے یہ دوسری بات ہے کہ نوشت و

خواند سے ناواقفیت کی بنا پر الفاظ محض بات چیت ہی کا ذریعہ بنے رہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ملفوظ کی قدامت پر شبہ کیا جائے۔ آسمانی کتابوں مثلاً توریت، انجیل وغیرہ کا مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے کچھ حصے ملفوظات ہی پر مشتمل ہیں۔ ثبوت کے لئے توریت کے پانچویں جزو استثناء کے ان ابتدائی الفاظ پر غور فرمایئے:

> ''یہ وہی باتیں ہیں جو موسیٰ نے یردن کے اس پار بیابان میں یعنی اس میدان میں جو سوف کے مقابل اور فاران، توفل، لابن، حصرات اور دیضہیب کے درمیان ہے، سب اسرائیلوں سے کہیں۔ کوہ شعیر کے راہ جواب سے فارس برتیع تک گیارہ دن کی منزل ہے اور چالیسویں برس کے گیارہویں مہینے کی پہلی تاریخ کو موسیٰ نے ان سب احکام کے مطابق جو خداوند نے اسے بنی اسرائیل کے لئے دیئے تھے ان یہ باتیں کہیں۔''
>
> (نیا و پرانا عہد نامہ باب اول ص ۱۶۵ مطبوعہ لندن ۱۹۴۷ء)

یہی حال حضرت داؤد علیہ السلام سے منسوب، جو زبور ہے، اس کا ہے۔ اس کے زیادہ تر حصے دعاء پر مشتمل ہیں۔ اور بقیہ ان کے متبعین کے ملفوظات یا اقوال کی شکل میں ہیں۔ مثلاً امثال اور واعظ وغیرہ کی عبارتیں کسی طرح بھی احکام خداوندی نہیں کہی جاسکتیں۔ ایک ٹکڑا واعظ کا ملاحظہ ہو:

> ''میں واعظ یروشلم میں بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا اور میں نے اپنا دل لگایا کہ جو کچھ آسمان کے نیچے کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔''
>
> (ایضاً ص ۶۴۷)

انجیل مقدس میں بھی ہمیں اسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یعنی مصحف آسمانی کے بجائے اسے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و تقاریر اور

بیانات کا مجموعہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، چنانچہ متی کی انجیل کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"وہ (حضرت عیسیٰ) اس بھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب بیٹھ گیا تو اس کے شاگرد اس کے پاس آئے۔ اور وہ اپنی زبان کھول کر ان کو یوں تعلیم دینے لگا۔ مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے۔ مبارک ہیں وہ-----"

(ایضاً کتاب متی کی انجیل باب ۴ ص ۷)

اس کے علاوہ انجیل مقدس میں ان کے متبعین کے بھی اقوال شامل ہیں جو بعد کے لوگوں نے کہے ہیں۔ اسی طرح ہندو مذہب کی ایک پرانی کتاب "منوسمرتی" شری منوجی مہاراج کے اقوال اور جوابات پر مشتمل نظر آتی ہے، جو انہوں نے اپنے متبعین کے سوالات پر دیے ہیں یا ان کے حلقے اور مجلسوں میں پیش کیے ہیں، تحریر ہے:

"جب ان مہاتماؤں نے اس طرح اس نورانی صورت مہاتما سے پوچھا تب شری منوجی نے ان سب مہرشیوں کی پوجا کر کے کہا کہ سنئے کہ یہ سب جگت پہلے جزو لا یتجزیٰ کی حالت میں چھپا تھا (جس کے ٹکڑے یا حصے نہ ہوں)"

(منوسمرتی پہلا ادھیائے ص ۳ اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور)

تعلیمات اسلامیہ میں بھی احادیث کا درجہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ بلند و برتر اور مستند مانا جاتا ہے۔ اس کی حیثیت بھی اقوال و افعال نبی آخر الزماں ﷺ ہونے کی وجہ سے ملفوظات ہی کی ہوتی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ ملفوظ اسلام سے قبل رائج اور مروج نہ تھا۔ لیکن اس طرح کے مواد ضرور موجود تھے جنہیں ملفوظ کہا جا سکتا ہے۔ ملفوظات سے قبل کے اقوال رُسل وغیرہ اور ملفوظات صوفیاء میں ایک چیز قدر مشترک کی حیثیت سے موجود ہے۔ وہ یہ کہ ان کی ترتیب میں عام طور پر ان کے متبعین کا ہاتھ پایا جاتا ہے۔ صوفیا کے ملفوظات کی ترتیب میں بھی ایک طرح سے پیروی رسول ﷺ کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اور تعلیم کے خیال سے احادیث کی پیروی

کرتے ہوئے اکابر صوفیا کے اقوال کو یکجا کر کے دنیائے اسلام پر ایک عظیم احسان کیا گیا ہے۔

لغوی معنی مکتوب اور اس کی تاریخ:

مکتوب۔مطلق نوشتہ وغنچہ از تشبیہات اوست۔مرزا صائب گوید:

دستم کجا بہ مغنچہ مکتوب می رسد (بہار عجم ج ۲ص ۶۱۹)

کتاب۔بکسر اول۔یکے از اوزان باب تفعیل است۔بمعنی نوشتن۔

پس بمعنی مکتوب مستعمل بدیں اعتبار کہ مصدر بمعنی مفعول گرفتہ می شود

(غیاث اللغات ج ۲ص ۳۵۶)

مکتوب۔(ع) مذکر۔لکھا گیا۔مرقوم۔خط۔چٹھی۔مراسلہ

(فیروز اللغات ج ۲ص ۵۹۰)

مکتوب۔(ع) خط۔چٹھی۔ (فیض اللغات ص۔۶۲۴)

المکتوب۔الرسالۃ ترسل من واحد لاخر اقرب المواز اد جلد ۲ص ۱۰۶۴

مکتوب بھی ملفوظ کی طرح عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ۔ک ت ب ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں۔مکتوب بروزن اسم مفعول جس کے لغوی معنی ہوا'لکھا ہوا'۔اصطلاح میں اس تحریر کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص غائبانہ کسی کو لکھے یعنی ''خط''۔

ملفوظ ہی کی طرح خطوط نویسی کی تاریخ بھی قدامت کی حامل ہے۔جب سے انسان نے لکھنے پڑھنے سے واقفیت حاصل کی اور اپنے عزیز و رشتہ دار سے جدا ہو کر دور دراز علاقوں میں رہنے لگا،اس وقت سے رابطہ کا یہ نیا ذریعہ عالم وجود میں آیا۔چنانچہ انجیل مقدس کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے ہی سے میرے اس دعویٰ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔اور اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ تعلیمات اور مذہب کی اشاعت و تبلیغ کے لئے قدیم زمانہ ہی سے یہ ایک بہترین ذریعہ رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی خطوط کے ذریعہ مختلف ممالک کے سلاطین کو دعوت اسلام دی تھی۔اور ان خطوط کی اصل آج بھی محفوظ ہے۔صوفیائے کرام جن کی زندگی سرتاپا اتباع سنت اور پیروی رسول ﷺ تھی وہ اسے نظر انداز کیسے کرے۔چنانچہ انہوں

نے بھی اپنے مریدین اور حلقہ بگوشوں کی تعلیم کے لئے مراسلہ نگاری کا راستہ اپنایا۔ اور اس طرح صوفیانہ ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہوا۔ یہ خطوط چونکہ بذات خود اکابر صوفیا کے تحریر کردہ ہیں اس لئے ان کے ذریعہ ان صوفیا کی ادبی اور علمی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ملفوظات کی طرح ان کے جامعین بھی ان کے پیروکار ہی ہیں لیکن تحریر بلاشبہ صوفیا کبار کی ہے۔ ملفوظات میں یہ بات نہیں ہوتی۔ ان میں تبعین کی اپنی علمی اور ادبی صلاحیتوں کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ صوفیا کے مسلک کا پتہ ان سے ضرور چلتا ہے لیکن ان کی ادبی اور علمی حیثیت کی جانچ اس کے ذریعہ نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ عموماً ان کے کاتب صوفیا کی مجالس میں جو بحثیں ہوتی تھیں انہیں اپنی یادداشت کی بنا پر اور اپنے الفاظ میں تحریر کرتے تھے۔ کبھی یہ مجموعہ ملفوظات اپنے پیر و مرشد کو دکھاتے اور کبھی بغیر پیر و مرشد کے ملاحظہ اور معائنہ کے ہی یہ مجموعے لوگوں کے ہاتھوں پہنچ جاتے۔ اس طرح ان کے مندرجات کی صورت بھی غیر یقینی ہو جاتی ہے اور حوالہ یا ثبوت کے طور پر انہیں کسی مستقل تصنیف کے مقابلہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن مکتوبات میں یہ بات نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی حیثیت صوفیا کی مستقل تصنیف کی ہوتی ہے۔ اور ان کو سند کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور اعتماد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے صوفیانہ ادب میں ملفوظات کے مقابلہ میں مکتوبات کی اہمیت زیادہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ صوفیانہ ادب میں ملفوظات کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ یہاں اس اہمیت کی وضاحت سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس ماحول کی عکاسی کر دی جائے جو ملفوظات کو عالم وجود میں لانے کا سبب بنتے ہیں۔

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بزرگوں کی مجلسوں میں حاضرین عبادت و ریاضت سے متعلق اپنی دقتیں پیش کرتے ہیں۔ یا کسی شرعی مسئلہ کی دریافت انہیں ہوتی ہے یا کوئی ذاتی مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور اس کے حل کے طالب ہوتے ہیں۔ مختلف مکتبہ خیال اور طرز فکر کے لوگ رہتے ہیں۔ اور اپنے اپنے مسائل و مشکلات رکھتے ہیں۔ صوفیائے کرام ہر شخص کے احوال کے مطابق جوابات دیتے ہیں۔ اور لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں یا قیامگاہوں کو چلے جاتے ہیں۔

ان مجلسوں میں کوئی مرید خاص ہر موقع کا حاضر باش بھی رہتا ہے۔ وہ اپنے طور پر مجلسوں میں بیان کردہ مسائل کو تحریر کرتا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایک مجموعہ ملفوظات تیار ہو جاتا ہے۔ بعض مجموعے تاریخ وار ہوتے ہیں اور بعض مجالس کی بنا پر۔ ایسے حالات میں یہ ضروری نہیں کہ مجموعہ میں درج تمام مسائل کا موضوع تصوف ہی ہو۔ معاشرتی، سماجی، سیاسی اور ادبی و تاریخی موضوعات پر بھی مجلسوں میں گہر افشانی ہو سکتی ہے۔ اور انہیں بھی قلم بند کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک صوفیانہ مسائل کا تعلق ہے یہ دوسرے مسئلوں پر حاوی ہوتے ہیں۔ اور اگر دیگر موضوعات سے قطع نظر کر لیا جائے تو پھر کسی مستقل صوفیانہ تصنیف اور ملفوظات کے موضوعات میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔

قبل یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ اور تصوف میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے مسائل اور موضوعات تصوف کے مسائل اور موضوعات ہوتے ہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ ہے کہ ایک عالم احکام شرعیہ پر عمل ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ برخلاف اس کے صوفیا کے یہاں عبادات سے غرض تزکیہ نفس اور صفائے باطن ہے۔ اس کے لئے عبادت میں خضوع و خشوع ضروری ہے۔ یعنی احکام شرعیہ کی بجا آوری کے وقت حضور قلب ہو۔ اس طرح ظاہری احکام دونوں ہی کے لئے ایک ہیں۔ عمل کرنے کے طریقوں میں فرق ضرور ہے۔ ملفوظات میں ان تمام احکام شرعیہ کا بھی بیان ملتا ہے جنہیں تصوف کی کسی کتاب میں نظر انداز نہیں کیا گیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ واقعات و احوال، اقوال و امثال صوفیا کے حوالہ سے طریق عمل کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔ جس طرح احادیث میں اعمال و افعال نبوی کو خصوصی درجہ حاصل ہے اسی طرح ملفوظات میں بھی صوفیا کے اعمال اور افعال پر روشنی پڑتی ہے اور معتقدین کے لئے عمل کی راہیں کھلتی ہیں۔ محض اسی اعتبار سے ملفوظات کا درجہ تمام دیگر صوفیانہ ادب سے بلند ہو جاتا ہے۔ ورنہ موضوع کے اعتبار سے تمام کتابیں ایک سی ہیں۔ اس اعتبار سے بھی ملفوظات کی اہمیت دو چند ہوتی ہے کہ جس بزرگ کی طرف منسوب ہے ان کے اپنے احوال اس کے ذریعہ ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ اور ہمیں

یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ وہ مختار مسلک پر تھے یا نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام بلند پر پہنچنے کے سلسلے میں انہیں کن کن مشقتوں، مصیبتوں اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے کہ ان کی زندگی کس طرح گزرتی تھی۔ ریاضت و مجاہدے کا کیا حال تھا۔ مریدین اور معتقعین میں کیسے لوگ تھے۔ خانگی زندگی کا کیا حال تھا۔ غرض اسی طرح کی دوسری اہم باتیں ملفوظات کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان سب وجوہ کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ ملفوظات کو صوفیانہ ادب میں ایک بلند و بالا مقام حاصل ہے۔

گزشتہ اوراق میں یہ عرض کیا گیا کہ مکتوبات چونکہ کسی مشہور اور صاحب سلسلہ بزرگ اور صوفی کی اپنی تحریر میں ہوتے ہیں اور عموماً وہ اس ذریعہ سے اپنے معتقدین اور مریدین کی تعلیم و تربیت پر نگاہ رکھتے ہیں اس لئے ان کی حیثیت ایک مستقل تصنیف کی ہوجاتی ہے اور صوفیانہ ادب میں جو موضوعات عام طور پر زیر بحث آتے ہیں انہی کی تفصیل و توضیح اور تشریح ان کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اس لئے ان کی بھی وہی اہمیت ہے جو تصوف پر کسی مستقل تصنیف کی ہوسکتی ہے۔

ملفوظات ومکتوبات کی عام خصوصیات
اور
ادبی وثقافتی حیثیت سے اس کی اہمیت

ملفوظات- یہ اصطلاح عام طور پر صوفیائے کرام کے اقوال اور فرمودات کے لئے مختص ہے۔ اوراس کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ مجلس میں کوئی صاحب سلسلہ اور برگزیدہ بزرگ جو کچھ فرماتے تھے انہیں ان کے مریدین ومعتقدین میں سے کوئی صاحب اس مجلس کے برخواست ہونے کے بعد قلم بند کرلیا کرتے تھے۔ روزانہ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا اور فرمودات کے مجموعہ میں اضافہ ہوتا رہتا۔ جب ان فرمودات کوایک کتاب کی شکل حاصل ہو جاتی تو اس کا کوئی نام متعین کر دیا جاتا۔ اگر موقع ہوتا تو جن کے فرمودات ہوتے انہیں دکھلا دیا جاتا ورنہ اس کی نقلیں تیار ہو کر دوسرے لوگوں تک پہنچنے لگتیں۔ اور وہ نوردان راہ تصوف اس کی روشنی میں اپنی منزل تلاش کیا کرتے۔ یہ فرمودات عموماً تعلیم یا سوالوں کے جوابات کی شکل میں ہوتے اس لئے راہ سلوک کے تمام اہم مراحل کی تذکرہ ان میں موجود ہوتا۔ جامع ملفوظات نے فرمودات کے جمع کرنے کے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔

اول: فرمودات کی تاریخ، وقت اور سال کے ساتھ تمام تفصیلات۔ مثال کے طور پر حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے ملفوظ الصفر کا نام لیا جاسکتا ہے۔

دوئم: مجلسوں کا تعین برائے تفصیلات کا بیان۔ مثلاً مجلس اول، مجلس دوئم وغیرہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مجلس میں جتنی باتیں کہی گئیں وہ سب ایک ہی مجلس کے عنوان کے تحت درج کردی گئیں۔ دوسری مجلس سے ان کا کوئی تعلق یا سروکار نہیں۔ اس کی نظیر حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات معدن المعانی اور مخ المعانی وغیرہ ہیں۔

چونکہ صوفیا کے فرمودات ان کی تحریر میں موجود نہیں ہوتے اس لئے جن کی طرف یہ ملفوظات منسوب ہوں ان کا ذاتی اسلوب بیان ان میں تلاش کرنا

تحصیل لاحاصل ہے۔ پھر بھی اس عہد کے اسلوب پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ جس میں وہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اس حیثیت سے اگر ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جدید تنقید کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ کسی زبان کے ادب پر تنقید سے پہلے اس کے ماحول کا پتہ چلا لیا جائے۔ دیگر اصناف ادب کی تنقید و تبصرہ کے لئے اس میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور بے انتہا عرق ریزی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن ملفوظات کے سلسلے میں اس اصول کو بہت آسانی سے برتا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ عموماً ملفوظات پر تاریخیں درج ہوتی ہیں۔ اور تاریخیں درج نہ بھی ہوں تو چونکہ روزمرہ کے واقعات اور مسائل قلم بند کئے جاتے ہیں اس لئے صوفیانہ مباحث کے سلسلہ میں اکثر تاریخی حوالے بھی آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ صاحب ملفوظ کے عہد کا تعین بھی ہوتا ہے۔ اس لئے ماحول کی دریافت کا مسئلہ آسان تر ہوجاتا ہے۔

ملفوظات کا اسلوب بیان بھی بہت آسان اور سادہ ہوتا ہے۔ عبارت کی رنگینی سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ روزمرہ کی گفتگو کا سا انداز تحریر میں بھی قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عبارت کی یہ سادگی سلاست و روانی کا موجب بنتی ہے۔ اور عام لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ افادہ کا موقع ملتا ہے۔ اصل غرض بھی مرتب کی یہی ہوتی ہے کہ صوفیا کی مجالس اور ان کے مسلک سے لوگوں کی واقفیت بڑھے اور ملفوظات کا مجموعہ طالبان راہ معرفت کی رہنمائی کرے اس لئے حتی المقدور ملفوظات کو سہل زبان ہی میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن اس کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ دوران گفتگو زور بیان یا حوالہ کے لئے کوئی شعر یا کوئی ادب پارہ آجائے تو وہ بھی نظرانداز نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ اس سے ملفوظات کی ادبی حیثیت بھی بلند ہوتی ہے اور مرتب کے ذوق ادب کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اکثر ملفوظات میں تاریخی، سماجی، ثقافتی، علمی، معاشی اور سیاسی مسائل کا بھی ذکر ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس دور کے مسائل کو جاننے اور کشمکش سے واقف ہونے کا

بھی ہمیں موقع ملتا ہے۔ قطع نظر صوفیانہ اور شرعی و دینی وضاحتوں کے ملفوظات کی یہ حیثیت اس کی قدر و قیمت میں بے انتہا اضافہ کرتی ہے۔

تاریخی واقعات کے حوالہ کے لئے ملفوظ الصفر کے پہلے ہی صفحے کا مطالعہ کافی ہے۔ اسی صفحہ پر حضرت فریدالدین عطارؒ کے دیوان سے ان کے اشعار کی تشریح و توضیح کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام محض ریاضت و مجاہدہ ہی میں ہمہ وقت مشغول نہیں رہا کرتے تھے بلکہ ادبیات سے بھی انہیں ویسا ہی شغف اور ذوق تھا جو ہر ذی علم اور صاحب صلاحیت ادیب و فنکار کو ہونا چاہئے۔

ملفوظات سے صوفیا کی نجی زندگی پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ علم ہوتا ہے کہ عملی زندگی میں کس طرح کے جد وجہد اور کشمکش و کشاکش سے انہیں واسطہ پڑتا تھا۔ بعض مرتبین تو نثر میں شاعرانہ تاثر پیدا کرتے ہیں۔ اور بعض واقعہ کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں کہ کوئی شخص بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے وصال کے واقعہ کی جس اثر انگیز انداز میں راحت القلوب میں تصویر کشی کی گئی ہے وہ اپنا جواب آپ ہے۔ یہ خصوصیت عموماً منظوم خاکے میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کی عکاسی کسی اچھی سے اچھی نظم سے بھی بڑھ کر پرتاثیر ہے۔

بہ حیثیت مجموعی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملفوظات کو ادبی اور ثقافتی نقطہ نظر سے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کا مطالعہ بہت سے پوشیدہ گوشوں کو سامنے لانے کا سبب بن سکتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس پر پوری اور ایمانداری سے کام نہیں لیا گیا۔ خصوصیات کے ساتھ ہندوستانی صوفیاس ء کے ملفوظات زیادہ توجہ طلب ہیں اس لئے کہ تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کے بہت سارے رسم و رواج، ہندوستانیوں کے عادات واطوار اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کا پتہ بھی انہی ملفوظات سے چل سکتا ہے۔ اس وقت کی رائج زبان کیا تھی۔ صوفیا نے اپنا مافی الضمیر ان کے سامنے کس طرح رکھا۔ اس عہد کی زبان کے الفاظ کس طرح ان لوگوں نے استعمال کئے ہیں۔ ان تمام باتوں کی تحقیق کی ضرورت ہے اور اس تحقیق میں انہی صوفیائے کبار کے یہ ملفوظات ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے　　　ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

مکتوبات۔

صوفیائے کرام کے مکتوبات زیادہ تر مریدین و معتقدین کی تعلیم و تربیت کی غرض سے لکھے گئے ہیں۔ بعض ارادت مند اپنی مجبوری یا مشغولیت کی وجہ سے پیر و مرشد کی صحبت سے فیض نہیں اٹھا پائے لیکن دل میں مقصود اصلی تک پہنچنے کی تڑپ اور اسے پانے کی طلب رکھتے تھے۔ شیخ کی نظر جوہر شناس میں بھی ان کی ذات جوہر قابل کی حیثیت رکھتی اور وہ اپنے ان مریدوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیتے۔ بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ ہی تعلیم شروع ہو جاتی۔ اور فیوض روحانی کا سلسلہ غائبانہ ہی آغاز کر دیا جاتا۔ اس کام کے لئے خطوط بہترین ذریعہ ثابت ہوتے۔ چنانچہ انہی صوفیائے کرام کی طرف سے لکھے گئے خطوط کو ان کے مریدین و معتقدین یکجا کر کے کتابی شکل دیتے جنہیں مکتوب کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اس کی اشاعت و توسیع میں بھی یہی جذبہ کارفرما رہا کہ عوام زیادہ سے زیادہ تعداد میں صوفیا کے ان کلمات تعلیمات اور مکتوبات سے فیوض و برکات حاصل کریں۔

صوفیا کے ان مکاتیب میں زبان و بیان کی سادگی کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تا کہ مکتوب الیہ کو اسے سمجھنے میں زیادہ دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خطوط چونکہ تعلیمات پر مبنی ہوتے تھے اس لیئے طوالت سے بچنا محال تھا۔ اور یہ بات صوفیا کے ہر خط میں پائی جاتی ہے۔ القاب و آداب میں زیادہ غلو سے کام نہیں لیا جاتا۔ بلکہ مکتوب الیہ کو مخاطب کر کے عرض تخاطب سے تحریر شروع کر دی جاتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ اپنے مریدین اور خلفا کو خط لکھتے ہوئے حرف مدعا اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ جیسے مخاطب سامنے بیٹھا ہو اور دو بدو باتیں ہو رہی ہوں۔ القاب و آداب میں نہ خود کو الجھاتے ہیں اور نہ اس میں اوقات ضائع کرتے ہیں۔ مکتوب ہشتاد و یکم کی ابتدا کس انداز میں ہوتی ہے ملاحظہ ہو:

> "برادرم شمس اعز اللہ۔ بر آنکہ مردمان را اختلاف ہست کہ نفس چیست ہر کسے را دریں قولے است۔ ضد قولے دیگر۔ اما محققین ایں طائفہ را۔۔۔۔۔۔

(مکتوبات صدی مطبوعہ)

اسی طرح عبارت بھی رواں نظر آتی ہے۔ زبان و بیان کی چاشنی کے لئے درمیان تحریر اشعار بھی درج ہوتے ہیں۔ اپنی تحقیق کے مطابق فیصلے بھی صادر کرتے ہیں، لیکن مکمل ثبوت پیش کرنے کے بعد۔ عموماً خطوط کے موضوعات صوفیانہ عقاید و مسالک سے سروکار رکھتے ہیں۔ لیکن شرعی مسائل اور ظاہری علوم پر بھی خامہ فرسائی ہوتی ہے۔ جس طرح آغاز مکتوب میں موضوع بحث پر پہنچنے میں تاخیر نہیں کی جاتی اسی طرح خطوط کا اختتام بھی زیر بحث عنوان پر لکھتے لکھتے اچانک ہو جاتا ہے۔ اور ''فقط و السلام'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ختم ہونے کی منزل آگئی اور خط پورا ہو گیا۔ عبارت ے درمیان حوالہ کے طور پر آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اور مسالک ائمہ کی بحثیں بھی ملتی ہیں، پھر گروہ صوفیا کے اقوال و افعال کو بھی بطور اسناد لایا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنی تحریر میں زور پیدا کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ میں نے قبل ہی عرض کیا ہے کہ خطوط دراصل صوفیا کی مستقل تصانیف کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے کہ جن کی طرف یہ منسوب ہوتے ہیں ان کے خیالات کے ساتھ ساتھ تحریر اور طرز بیان بھی ان کا اپنا ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی صوفی کے مکاتیب کے ذریعہ ان کے مسلک پر بھی بخوبی رائے زنی کی جا سکتی ہے۔ مگر ایک خامی یہ ضرور ہوتی ہے کہ عموماً خطوط پر تاریخ نہیں لکھی ہوتی۔ اس لئے عہد بہ عہد کا تدریجی ذہنی، علمی، ادبی اور روحانی ارتقا پردہ خفا میں رہتا ہے اور اس سلسلہ میں کوئی قطعی رائے قائم کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔

خطوط نویسی بذات خود ایک مستقل فن ہے۔ جس کی خصوصیات یہ ہیں کہ تحریر کے ذریعہ خطوط میں ایسی فضا قائم کر دی جائے کہ کاتب اور مکتوب الیہ آپس میں گفتگو کرتے نظر آئیں۔ اردو ادب میں یہ خصوصیت اولاً مرزا غالب نے اپنے خطوط میں پیدا کی۔ فارسی میں صوفیائے کرام کے خطوط اس کے بہترین نمونہ ہیں۔ سادگی اور سلاست، روانی اور معنی آفرینی میں ان کی تحریروں کا جواب نہیں مل سکتا۔ خصوصیت کے ساتھ ایسے دور کے خطوط بھی ویسے ہی رواں اور سلیس عبارت میں ملتے ہیں جب دقت پسندی اور الفاظ سے کھیلنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ اور ایسی ثقیل عبارتیں لکھی جانے لگی تھیں جنہیں بقول شاعر ''آپ سمجھیں یا خدا سمجھے'' اور اسی ذوق کو ادیبانہ اور عالمانہ

تصور کیا جانے لگا تھا۔ لیکن صوفیائے کرام کی تحریریں ان خرابیوں سے بچی رہیں اور شاید انہی بزرگوں کی کاوشوں کا یہ نتیجہ ہے کہ فارسی زبان اپنی تمام تر شیرینی ولطافت اور سلاست وروانی کی خوبیوں کے ساتھ آج بھی ممتاز ہے۔ جو انداز اس کا آغاز میں تھا وہی طرز تحریر آج بھی موجود ہے۔ بالخصوص صوفیا کی تحریروں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے لغات کی ورق گردانی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ صوفیا کی تعلیمات واشارات تک ہر کس وناکس کی رسائی آسانی سے ہوسکتی ہے۔ بلکہ میری غرض یہاں یہ ہے کہ وہی لوگ اسے سہل تر سمجھیں گے جو اس سمندر کے شناور ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگی کو راہ سلوک میں وقف کردیا ہے۔ ظاہر وباطن کا فرق یہاں بھی موجود ہے۔ عبارت بہ ظاہر آسان ہے لیکن اپنے اندر تہداری اور معنویت رکھتی ہے۔ جسے صوفیائے کرام واضح فرما سکتے ہیں۔ اس لئے کہ بعض مقامات اور اصطلاحات کا جب بیان ہونے لگتا ہے تو وہ عام انسانوں کی سمجھ کی چیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مکتوبات صوفیا کے بعض حصے آج بھی عام نظروں میں حل طلب ہیں۔ جبکہ اس راہ کا شناسا اس میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے مکتوبات جو اپنی سلاست وروانی میں بے مثال ہیں اور ایک حد تک عام فہم بھی ہیں ان کے متعلق بھی بعض اکابر صوفیا فرماتے ہیں کہ ان کے بعض مقامات بڑی دقتوں اور مشکلات کے بعد سمجھ میں آئے ؎

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی

ملفوظ حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ

حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کا کوئی ضخیم وجیم ملفوظ اس وقت موجود نہیں۔ صرف ایک مختصر سا ملفوظ چند صفحات کا ''ضیاء القلوب'' کے نام سے ان کے نام منسوب ہے۔ یہ رسالہ فارسی میں ہے اور مطبوعہ ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے اس رسالہ کو ملفوظات کی صف میں کوئی مناسب جگہ اب تک نہیں مل سکی۔ لیکن بہار میں ملفوظات کی تاریخ مرتب کرتے وقت اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں بہار میں صوفیا کے ابتدائی عہد کی زبان اور بیان پر اس رسالہ سے روشنی پڑتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت چرم پوش کی علمی صلاحیت اور دقت نظر کا بھی احساس ہوتا ہے۔ صوفیانہ مباحث میں انہیں کہاں تک دخل تھا اور تصوف میں کیا حیثیت رکھتے تھے اس رسالہ کی بدولت اسے بخوبی جانا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ اس رسالہ سے متعلق تفصیلات درج ذیل ہیں۔

ضیاء القلوب مطبوعہ ۱۳۲۰ھ باہتمام سید محمود علی

در مطبع محمود المطالعہ، کانپور

صفحات ۵۸ ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں تقطیع "۴"×"۹

یہ ملفوظ جس علمی نسخہ سے طبع ہوا ہے، اس کے کاتب جناب شاہ ظفر صاحب بہاری، سجادہ نشیں حضرت مخدوم چرم پوش ہیں۔ انہوں عزیز اللہ حسینی کے قلمی نسخہ سے نقل کیا تھا۔ کتاب کے اختتام پر جو عبارت اضافی طور پر شامل کی گئی ہے اس سے ان باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ لکھا ہے:

''تمام شد ہذا الرسالہ الشریفہ ملفوظ حضرت قدوۃ المحققین زبدۃ السالکین مخدوم شیخ احمد چرم پوش قدس اللہ سرہ العزیز من تصانیف شیخ الاسلام والاولیا شیخ علی ابراہیم صوفی رحمۃ اللہ علیہ بخط بندہ نحیف عزیز اللہ حسینی وازاں بندہ محمد ظفر بہاری یکی از غلامان مخدوم سید شاہ احمد چرم پوش تیغ برہنہ قدس اللہ سرہ تحریر نمود۔ بعزیزی مولوی سید حبیب الحسن عطا نمودہ شد۔ نظر

گز رنیدہ۔ اللہ از افضل خویش و بہ تفصیل حبیب خویش توفیق عمل عطاء فرمائید فقط"

عبارت مندرجہ بالا میں شیخ علی ابراہیم صوفی کی تصنیف اس کتاب کو بتایا گیا ہے، حالانکہ شیخ ابراہیم کی حیثیت جامع ملفوظ کی ہے، مصنف کی نہیں۔ جیسا کہ کتاب کی ابتدائی سطروں اور خود آخری عبارت کے ابتدائی حصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابتدائی سطریں اس طرح ہیں:

"اما بعد۔ می گوید فقیر حقیر بندہ درویشان بلکہ خاک پای ایشان علاء الدین علی بن ابراہیم الصوفی کلمات چند از شیخ الطریقۃ مرشد حقیقت حضرت پیر دستگیر خود یعنی شیخ المشائخ والاولیا بدر الزہاد والاتقیا مربی الفضلا مجمعہ المعانی نعمان الثانی سراج الحق و الحقیقہ والشرع والدین بندگی حضرت مخدوم شیخ احمد چرم پوش تیغ برہنہ قدس اللہ سرہ العزیز کہ از اقوال پیران طبقات و طالبات این راہ کہ خود را در زمرہ اہل تصوف دارند و نظر در عدم وجود کنند و این مختصر را ضیاء القلوب نام نہادہ شد۔"

اس کتاب کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ علی ابراہیم حضرت چرم پوش کے مرید اور مقربین خاص میں تھے۔ اس ملفوظ کو ۹ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹ ابواب ۹ مجلسوں کی جگہ پر درج کئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ ہر باب کا آغاز مخاطبت سے ہوتا ہے اور ہر باب کا موضوع جداگانہ ہے۔ موضوع کے اعتبار سے ابواب کی جو تقسیم کی گئی ہے اسکی فہرست بھی شروع ہی میں پیش کر دی گئی ہے جو اس طرح ہے:

باب اول — در شناختن خود و طلب علم
باب دوم — در سیر کردن و صحبت گرفتن
باب سوم — در شناختن نفس علوی و سفلی
باب چہارم — در خلوت بازی و از خلق بریدن

باب پنجم　　در یافتن خود بہ طبع مختلف

باب ششم　　در معرفت روح و نفس و عقل

باب ہفتم　　در شناختن پنج حواس و قبض کردن

باب ہشتم　　در حیرت سکتہ حاصل آید

باب نہم　　در اخلاص بودن و صبر کردن

عام ملفوظات کی روش کے مطابق انداز بیان بالواسطہ نہیں ہے بلکہ بلاواسطہ ہے اور مخاطبت اس طرح شروع ہو جاتی ہے ''پس بداں اے برادر'' حضرت مخدوم جہاںؒ یا دیگر بزرگوں کے ملفوظ کے جامع اس طرح بلاواسطہ پیرایہ بیان اختیار نہیں کرتے اور ''بندگی حضرت مخدوم شرف اللہ فرمود'' کے ساتھ عبارت کا آغاز کرتے ہیں۔ اسی طرح نہ مجلسوں کا تعین اور نہ تاریخ درج کی گئی ہے۔ جس موضوع پر جس باب میں بحث شروع ہوتی ہے اس سے ہٹ کر کسی دوسرے موضوع پر کوئی بیان نہیں ملتا۔ حالانکہ ملفوظات کی خصوصیت میں سے یہ بھی ہے کہ موضوع گفتگو چونکہ ایک ہی مجلس میں بدلتا رہتا ہے اس لئے اضافی چیزیں جو موضوع تصوف سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ ان تمام اوصاف کی روشنی میں زیر نظر ملفوظ، ملفوظات کی صف سے ایک حد تک الگ ہو کر تصنیفات کی صف میں آجاتا ہے، جس کا موضوع بیان تصوف ہے۔

جس موضوع پر بھی بحث شروع کی گئی اسے شواہد و نظایر سے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ حوالہ کے لئے آیات قرآنی، احادیث نبوی اور اقوال سلف بھی کثرت سے لائے گئے ہیں۔ اور بیان کے لئے برمحل اور موضوع سے متعلق اشعار بھی کہیں کہیں پیش کئے گئے ہیں۔

باب اول میں جو خودداری اور خودشناسی کی تعلیم دیتے ہوئے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی تین وجہیں اس طرح بیان فرمائی گئی ہیں:

''اول آن کہ نعمت ایمان بہ تو کرامت کرد۔ دوئم آنکہ کرامت داد از خلق دیگر قولہ تعالیٰ ولقد کرمنا بنی آدم۔

سوئم آنکہ ترا ہم نشینی خود خواند چنانکہ گفت انـا جـلـیـس مـن ذکرنی (ص ۳)"

آگے چل کر بڑے منطقی انداز میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان کو ان نوازشات کے بدلے ہر دم ذکر و فکر حق میں مشغول رہنا چاہئے اور وصول الی اللہ کے خیال سے غافل نہ رہنا چاہئے، جو آخرت میں ذاکرین کے لئے خاص نعمت ہوگی۔ پھر ذکر کے طریقے اور آداب پر اجمالی بحث کی ہے اور اس کے فوائد کیا کیا ظہور میں آئیں گے انہیں بھی مختصراً بتایا ہے۔ اس کی بھی تاکید کی ہے کہ جو بھی فائدہ حاصل ہو اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے بلکہ مزید کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ غرور و تکبر سے بچنے کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے۔ یہیں سے علم کے فوائد پر بحث شروع ہوتی ہے۔ اور جہل کے نقصانات تفصیل سے بتائے گئے ہیں۔ اور تاکید کی گئی ہے کہ اس راہ پر چلنے والوں کو علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کشی کی تاکید ہے حلال و حرام کے فرق کو پہچاننے اور اپنے عبادات و اعمال کو پرکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اسی ذریعہ سے انسان خود شناسی کی حد میں داخل ہوتا ہے۔ اور خود شناسی اس لئے ضروری ہے کہ پروردگار کی شناخت اس ذریعہ سے ہوتی ہے۔ پھر عالم ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت کے اوصاف بتاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مطلوب اصلی تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ اتباع شریعت حرف بہ حرف کیا جائے تب ہی عالم ناسوت فتح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح چاروں عالم پر فتح حاصل کرنے اور کامیاب ہونے کی ترکیبیں بڑے موثر انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ ان تمام تفاصیل کے باوجود موضوع سے ہٹتے نہیں ہیں پھر علم کے موضوع کی جانب رجوع کر جاتے ہیں۔ علم و عمل اور قول و فعل میں مطابقت کی خصوصیات اور فوائد پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے آیات قرآنی اور احادیث نبویہ سے ثبوت بھی پیش کرتے جاتے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"وہدایت الٰہی از قول و فعل بندہ نیست این جا تخم زمیں مقدور نیست کہ قال و فعل برخواست و حال پیوستہ۔ وحال فعل ہادی ست (ص ۱۲)"

غرض اس کی یہی ہے کہ انسان اپنے اعمال پر مغرور نہ رہے۔ بلکہ قبولیت اور خوشنودی خداوندی کا ہر دم طالب رہے۔ آخری سطروں میں بھی علم ہی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''بی تعلیم شریعت شیطانی ورحمانی فرق نتواند کرد۔ ضرور بدست شیطانی ہلاک شود (ص ۱۲)''

اسی طرح دیگر ابواب میں بھی مسلسل اور مربوط انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ اور موضوع ابواب پر خاص نگاہ رکھی گئی ہے۔ فہرست ابواب ہی سے ظاہر ہے کہ صوفیانہ مباحث اور مقامات ہی اس کتاب کا خاص موضوع ہے۔ لیکن جہاں جہاں اہمیت شرع کی بات آگئی ہے وہاں پورا زور اس پر صرف کیا گیا ہے کہ بغیر شریعت طریقت کا کوئی وجود نہیں۔ جیسا کہ میں نے گزشتہ سطور میں ذکر کیا کہ چار عالم مقرر کر کے درجہ بدرجہ ہر عالم کو فتح کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اسی میں عالم اول ناسوت ہے جو شریعت کے اتباع ہی کے ذریعہ فتح ہوسکتا ہے اور چونکہ یہ پہلا عالم یا پہلی منزل راہ سلوک کی ہے اس لئے بغیر اس کے سر کئے دوسری منزلیں یا مقامات طے نہیں ہوسکتے۔ فرماتے ہیں:

''رہبر راہ طریقت آن بود کہ بہ احکام شریعت می رود (ص ۴۳)''

کتاب کی عبارت رواں اور سلیس ہے۔ مقامات راہ سلوک کا بیان بھی عام فہم پیرایہ میں ہے۔ عبارت میں بے ربطی قطعی نہیں پائی جاتی۔ رسالہ مختصر ہے لیکن ابواب موضوع تصوف کے لحاظ سے اہم ہیں اور اس پر سیر حاصل بحث بھی کی گئی ہے۔ اختصار میں جو جامعیت اس کتاب میں ملتی ہے دوسری جگہ کم دیکھنے میں آئی ہے۔

چند اشعار جو اس ملفوظ میں آئے ہیں درج ذیل ہیں:

نماند خوف اگر کردی روانہ   نخواہد اسپ تازی تازیانہ
نہ ترسد زو کسی کو را شناسد   کہ طفل از سایہ خودمی ہراسد

روح و عقل یک خیال شدند   خواستہ نفس را وبال کنند

عقل این جا کہ وقت فرصت یافت　　سند سر پنجۂ پنجہ نفس بتافت
دل از دنیای دوں کنوں برداشتم　　تخم صفا سوی اصلی کاشتم

لیکن صفحہ ۳۴ کی عبارت جو درج ذیل ہے اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ پیش نظر رسالہ ضیاء القلوب محض ملفوظات کا مجموعہ نہیں بلکہ جامع ملفوظ حضرت علی ابراہیم نے ضرورتاً اور بعض مقامات کی توضیح کیلئے حضرت چرم پوش کے مکتوبات سے کچھ حصے اس کتاب میں درج کئے ہیں اس طرح یہ رسالہ ملفوظات اور خطوط کے کچھ حصوں کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔ عبارت یہ ہے:

> ''اما سطرے چند از مقامات حضرت پیر حقیقی خود کہ مشتمل از مکتوبات آں حضرت بود بالضرورۃ تحریر آمد تا عارفان طریقت بدین معنی رونمائند۔''

مکتوبات وملفوظات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

قبل اس کے کہ حضرت مخدوم کے مکتوبات اور ملفوظات کا جائزہ لیا جائے اور ان پر تبصرہ کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات سے متعلق مشاہیر نے جو رائے قائم کی ہے انہیں اختصار کے ساتھ پیش کر دیا جائے تاکہ ان کی روشنی میں حضرت مخدوم کے مکتوبات اور ملفوظات کی صحیح قدر و قیمت متعین کی جا سکے۔

ابوالفضل مکتوبات حضرت مخدوم جہاں کے متعلق اس طرح رقم طراز ہے:

> ''وفراواں تصنیف از و یادگار از اں میان مکتوبات در سر شکنی نفس آزمودن دارد''[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضرت مخدوم جہاں کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] آئین اکبری ج ۳ ص ۱۷۲

"شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ ولے از مشاہیر ہندوستاں است۔ چہ احتیاج کہ کسی ذکر مناقب او کند اورا تصانیف عالی است از جملہ تصانیف او مکتوبات مشہور ولطیف ترین تصانیف اوست۔ بسیاری از او آداب طریقت و اسرار حقیقت در آنجا اندراج یافتہ"[1]

حضرت عبداللہ شطارؒ جو سطاریہ سلسلہ کے پیشوا ہیں ان کا فرمان ہے کہ:

"بندہ معتقد کسے نیست بر بزرگان یکی ان اما بندہ معتقد سلطان محققین حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ و بندگی حضرت خواجہ فرید عطار ہستم و جائیکہ ایں ہر دو بزرگان رسیدہ اند کسی کم تر رسیدہ انچہ کہ ایں ہر دو بزرگان حقائق ودقائق راہ دین بیان کردہ اند کسی بیان نہ کردہ است"

حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت سید جلال الدین بخاریؒ کے پاس جب مخدوم جہاں کے مکتوبات پہنچے تو وہ ان کے مطالعہ کے لئے حجرہ نشیں ہو گئے پھر بھی بعض مقامات بڑی دقتوں کے بعد حل ہوئے۔ اس واقعہ سے بھی حضرت مخدوم جہاں کی تصانیف کے دقیق اور پر مغز ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

صاحب مناقب الاصفیا نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ نصیر الدین اودھی نے حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات کے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ:

"سبحان اللہ! شیخ شرف الدین نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ ہم لوگوں کے کفر صد سالہ کو روز روشن کی طرح آنکھوں کے سامنے کر دیا ہے۔"

مولانا اسحاق سنبھلی فرماتے ہیں:

"..........اس کو پروان چڑھانے کا کام حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری نے انجام دیا۔ ان کے مکتوبات تصوف کا نہایت بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔.........."

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۰۹

سید صباح الدین عبدالرحمٰن حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات و مکتوبات پر اپنی رائے اس طرح پیش کرتے ہیں:

''خانقاہ کے گوشے میں بیٹھ کر تقریر و تحریر کے ذریعہ رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رکھا جس کا کچھ مجموعہ ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور آج تک معدن فیوض اور مخزن برکات ہے۔ خانقاہ میں سالکان راہ طریقت کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں۔ بعض اوقات علماء، فقہا، محدثین اور متکلمین بھی جمع ہوتے اور مختلف مسائل پر بحث و گفتگو اور رد و قدح بھی ہوتی۔ حضرت مخدوم ہر مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرماتے کہ سامعین اور حاضرین کی پوری تشفی ہو جاتی۔''[1]

مولانا عبدالباری ندوی حضرت مخدوم جہاں کے کلام معجز نظام پر اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حیرت ہوتی ہے اس شخص (مخدوم جہاں) کے کلام میں سطر دو سطر نہیں صفحے کے صفحے ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا موجودہ زمانہ کے مغربی مفکرین کی کتابوں کا لفظی ترجمہ ہے۔ کانٹ، ہیگل، برکلے، ہوم ازیں قبیل فلاسفہ جدید کے نظریات جن پر موجودہ فلسفہ کو ناز ہے شاہ صاحب (مخدوم جہاں) کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔''[2]

اقتباسات مندرجہ بالا کے بعد اب سب سے پہلے مکتوبات کے مجموعے اور اس کے بعد ملفوظات پر تفصیلی تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

مکتوبات:-

---

[1] بزم صوفیہ ص ۳۶۱

[2] نظام تعلیم و تربیت ج ۲ ص ۲۰۵

حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات کے تین مجموعے اب تک دریافت ہو سکے ہیں اور تینوں طبع بھی ہو چکے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دوصدی (۳) مکتوبات بست وہشت

مکتوبات صدی :-

اس مجموعہ کے متعلق صاحب سیرۃ الشرف رقم طراز ہیں:

''اس میں جتنے مکتوبات ہیں ان کا زمانہ تحریر ۷۴۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ان کی تحریر کا باعث یہ ہوا کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ (جو اس زمانہ میں ضلع شاہ آباد آرہ علاقہ کمشنری پٹنہ کا ایک غیر مشہور دیہات ہے) مخدوم کے مریدان میں تھے۔ انہوں نے کرات و مرات عرض کیا کہ بوجہ موانع روزگار زمانہ غدار کی مجلس کی حاضری سے قاصر ہوں، اگر بذریعہ تحریر مسائل تصوف سے اطلاع دی جائے تو میں بھی فیض مخدوم سے محروم نہ رہوں۔ مخدون نے ان کی استدعا منظور فرمائی اور یہ مکتوبات لکھے گئے۔ حضار مجلس نے ان کی نقلیں رکھنا شروع کیں کہ دیوان جمع ہو گیا۔ ان مکتوبات میں قدر حصول حاجت اور سائل کے سوال کے تطابق کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔''[۱]

سیرت الشرف کے بیان مذکورۃ الصدر کی تصدیق دیباچہ مکتوبات صدی سے بھی ہوتی ہے جو حضرت مخدوم کے محبوب مرید اور خادم خاص حضرت زین بدر عربی کا سپرد قلم کیا ہوا ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زین بدر عربی اس مجموعہ مکتوبات کے جامع بھی ہیں۔ حضرت قاضی شمس الدین حضرت مخدوم جہاں کے بہت عزیز مریدوں میں تھے۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ وصال کے وقت ان کو پاس بلا کر حضرت مخدوم نے فرمایا:

---

۱ سیرۃ الشرف ص ۳۲۹

قاضی شمس الدین کو کیا کہوں۔ قاضی شمس الدین میرے
فرزند ہیں۔ متعدد بار میں ان کو فرزند اور کبھی برادر لکھا ہے۔ انہی
کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا۔ انہی کے لئے مجھ کو کہنا اور
لکھنا پڑا، ورنہ کون لکھتا۔“ [1]

مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں۔ ہر مکتوب کو شروع کرنے سے پہلے اس کا عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔ گرچہ درمیان میں دوسرے مباحث بھی آجاتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر موضوع عنوان پر ہی حضرت مخدوم نے خامہ فرسائی کی ہے۔ تعلیم تصوف اور مدارج کے لحاظ سے ہر خط میں ترتیب اور تسلسل ملتا ہے۔ جیسے اسلام کی بنیاد توحید وعقائد پر ہے اس لئے سب سے پہلے اسی موضوع پر حضرت مخدوم نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مکتوب میں توبہ کا بیان ہے۔ پھر توبہ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ تجدید توبہ کی کیا شکلیں ہیں اس پر بھی مدلل بحث ہے۔ اس کے بعد راہ سلوک کا اہم مسئلہ طلب شیخ اور اس کا انتخاب ہے۔ پھر ارادت کے کیا معنی ہیں اور مرید کو کیا کرنا چاہئے اس کی تفصیل ہے۔ اسی صورت سے درجہ بدرجہ اہم مقامات کی تفصیل توضیح اور تشریح ملتی جاتی ہے۔

عبادات کا جہاں ذکر آیا ہے وہاں بھی اس ترتیب کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ یعنی طہارت، وضو، نیت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کو بالترتیب بیان کیا گیا ہے، یہی ترتیب آخر تک قائم رہتی ہے۔ یعنی آخری چند مکاتیب کے عنوان اس طرح ہیں: ذکر مرگ، وعدوعید، ذکر دوزخ اور ذکر بہشت۔

ظاہر ہے کہ انسان کی آخری منزلیں یہی ہیں، اس لئے ان کو اسی ترتیب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔

مکتوبات صدی کی طباعت ایک بار مطبع نول کشور سے ہوئی، جس میں کتابت کی بہت زیادہ غلطیاں ہیں۔ دوبارہ اس کی طباعت آرہ کے ایک مطبع سے

---

[1] راحت القلوب وفات نامہ ص ۲۶-۲۷

ہوئی، لیکن اس کا بھی وہی حال تھا۔ سہ بارہ مطبوعہ علوی محمد علی بخش خاں نقشبندی لکھنؤ سے یہ مجموعہ طبع ہوا۔ اس کی تصحیح کا دعویٰ صاحب مکتبہ نے آخر کتاب میں کیا ہے اور کوشش بلیغ اس کی کی ہے کہ غلطی کتابت کی کم سے کم ہو۔ چنانچہ وہ ایک حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ میرے پیش نظر اس وقت اسی کے دو مطبوعہ نسخے ہیں

صفحات کی تعداد ۳۵۸، ہر صفحہ پر ۲۳ سطریں۔ اور تقطیع ۶×۱۰ ہے۔

مطبوعہ ۱۲۸۶ ہجری۔

ان کے علاوہ ایک قلمی نسخہ بھی مکتوبات صدی کا میرے پیش نظر ہے، جو کتب خانہ صوفی منیری خانقاہ منیر شریف کی ملکیت ہے۔ خط نستعلیق میں لکھا ہوا یہ نسخہ ۱۲۳۵ ہجری کا ہے۔ کاتب کا نام احمد علی انصاری قادری درج ہے۔

ان مکاتیب کے مطالعہ سے جہاں حضرت مخدوم کے وسعت مطالعہ اور دقت نظر کا احساس ہوتا ہے وہیں ان کے مسلک سے بخوبی واقفیت ہوتی ہے۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ طریقت کا شریعت سے کوئی سروکار نہیں اور دونوں راہیں الگ الگ ہیں، اس پر حضرت مخدوم نے سخت تنقید فرمائی ہے اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک کا کمال دوسرے کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اور ہر جگہ تاکید فرمائی ہے کہ متابعت احکام شرعیہ ہی اصل الاصول ہے۔ بغیر اس کے طریقت وحقیقت کو پہچاننا ناممکن ہے۔ یہی نہیں ان دونوں کا آپس میں کیا تعلق ہے مثالیں دے کر سمجھایا ہے۔ مکاتیب بست وسوم سے بست وہفتم تک مختلف عنوانات کے تحت اس پر زور دیا ہے کہ اتباع شریعت راہ طریقت کو طے کرنے کا ذریعہ ہے۔ مکتوب بست وہشت کے ابتدائی الفاظ ملاحظہ ہوں:

”ہر کرا طلب ایں راہ بود باید کہ سرمایہ از شریعت سازد تا از شریعت در طریقت راہ یابد و چوں در طریقت راہ یافت از طریقت بہ حقیقت قدم تواند نہاد۔ ہر کہ ہنوز شریعت ندانستہ است وی را بہ طریقت کجا ملاقات و ہر کرا ہنوز با طریقت ملاقات نیست آں بیچارہ با حقیقت چہ گزر و چہ کار۔ ازینجاست کہ بہ ہیچ

گونہ رخصت نداده که کسی بنادانی بے معرفت و بے شریعت دریں راه قدم نهد که هم هلاکت باشد به هیچ جائی نرسد۔'' (مکتوب بست وہشتم)

ساتھ ہی ساتھ علم کو بھی راہ سلوک کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جہل تمام ذلتوں کی اصل ہے۔ اس لئے کہ بغیر علم کے راہ سلوک کا مدار جن بارہ علوم پر ہے ان سے واقفیت ممکن نہیں پھر ان بارہ علوم کا بیان ہے۔ اور اس کے بعد موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس گروہ کے تمام لوگ صاحب علم شریعت وطریقت وحقیقت تھے، ہیں اور رہیں گے۔

مکتوب بست وہشتم میں ذرا سخت الفاظ میں اسی خیال کو یوں بیان فرماتے ہیں

''و مذہب ملحدان آنست که گویند یکی بے دیگری روا باشد۔ وگویند چوں حال حقیقت کشف گشت شریعت برخیزد ولعنت بریں اعتقاد بادو بریں مذہب۔''

حضرت مخدوم اس بات کے قائل ہیں کہ احکام شرعیہ کی پابندی سے ظاہری صفائی ہوتی ہے اور جب تک کہ ظاہری صفائی عمل میں نہ آئے صفائے باطن اور تزکیہ نفس حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جگہ جگہ ارکان شرعیہ کی پابندی پر زور دیتے ہیں۔ اور دین ومذہب کے جو پانچ اہم ارکان ایمان باللہ، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہیں انہیں علیحدہ علیحدہ بڑی تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بروی واجب است که راه طریقت به موافقت شریعت برود و هر کرا ابنی در طریقت موافقت شرعیه نبود و را از طریقت هیچ فائده نبود۔ افتاده باشد۔ وایں مذہب ملحدان است که قیام یکے بے دیگرے روادارند وگویند چوں حقیقت کشف شد شریعت بر خیزد۔ لعنت برآں اعتقاد باد۔ ظاہر بے باطن نفاق است و باطن بے ظاہر زندقہ است۔ ظاہر شریعت بے باطن نقص است و باطن بے ظاہر ہوس۔ ظاہر با باطن پیوست است و در اصل کہ ہیچ کس

جدا نکردہ است۔ لا الہ الا اللہ حقیقت محمد رسول اللہ شریعت است۔'' (مکتوب بست وہشتم)

اس بناء پر جہاں صوفیانہ مسالک اور مقامات راہ سلوک کی تشریح وتوضیح فرماتے ہیں تو وہاں بھی کتاب اللہ اور سنت رسول یا افعال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استدلال کرتے ہیں۔ بدرجہ مجبوری اقوال یا افعال اولیا وصوفیا پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مجاہدہ نفس کا ذکر جہاں آیا ہے وہاں دلیل کے طور پر آیت کریمہ 'والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا' کو دلیل بنایا ہے۔ اسی طرح عزلت گزینی کے لئے احادیث نبوی کا حوالہ موجود ہے۔ حد یہ ہے کہ چلہ جو صوفیا کے منازل طے ہونے کا مخصوص طریق کار ہے اس کے لئے بھی فتویٰ شرعی کو دلیل بنایا ہے۔ اسی طرح توکل، محبت فی اللہ اور عشق مع اللہ کے لئے بھی شرعی اور نقلی دلائل وبراہین پہلے پیش کئے ہیں اور اقوال صوفیا کو ان کے لئے بھی تشریح وتوضیح کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ تمام باتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ حضرت مخدوم کو جادہ شریعت سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا قطعی ناپسند تھا۔ اور شریعت کی پابندی کو وہ راہ سلوک کے طے کرنے کے لئے ضروری تصور فرماتے تھے۔ ان کے نزدیک شریعت وطریقت لازم وملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اور جو لوگ ایسا تصور کرتے ہیں جگہ جگہ انہیں تہدید وتاکید کرتے جاتے ہیں اور رہنمائی فرماتے ہیں۔

سماع جو صوفیا کے نزدیک وصولی الی الہ اور جذب وشوق کو برانگیختہ کرنے کا ایک اہم ذریعہ مانا گیا ہے اس کے متعلق حضرت مخدوم جہاں عمومی حکم نہیں دیتے ہیں۔ بلکہ انہی لوگوں کے لئے اسے جائز یا مباح کہتے ہیں جن کے احوال اس کی اجازت دیں۔ اس پر بین تین اہم شرطیں زمان، مکان اور اخوان کی لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں سماع کسی حال میں جائز نہیں۔ ان کے علاوہ بہتیری ایسی شرطیں اپنے مکتوب ۹۳ میں درج کی ہیں جن کی پابندی اس زمانہ میں ممکن نہیں۔

غرض یہ کہ کسی مسئلہ میں خواہ وہ صوفیانہ مشرب سے ہی کیوں نہ سروکار رکھتا ہو جادہ اعتدال اور حد شرعی سے قدم باہر رکھنے اور دامن شریعت کو ہاتھ سے جانے دینے

کی اجازت ہرگز نہیں۔ مکتوبات صدی کے تمام مکاتیب اسی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔

زبان و بیان اور طرز تحریر پر بحث انشاء اللہ بقیہ دونوں مجموعہ مکاتیب دو صدی اور بست وہشت کی تفصیل پیش کرنے کے بعد کی جائے گی۔

مطبوعہ نسخہ کے آخر میں حضرت مخدوم جہاںؒ کے حالات زندگی بھی مستند کتابوں سے اخذ کر کے فارسی زبان میں شامل کئے گئے ہیں۔

مکتوبات دوصدی:-

اس مجموعہ کے متعلق صاحب بزم صوفیا رقم طراز ہیں:

"اس میں عام طور سے ۱۵۱ مکتوبات پائے جاتے ہیں۔ اس کو مولانا زین بدر عربی نے مذکورہ بالا مکتوبات کے بائیس سال بعد ۷۶۹ھ میں ترتیب دیا تھا۔ مگر خدا بخش خاں لائبریری کے مخطوطہ میں مرتب کا نام محمد بن عیسی بلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہے۔ یہ مکتوبات بھی چھپ گئے ہیں۔ ایک نسخہ سہ صدی مکتوبات کے نام سے کتب خانہ اسلامی لاہور سے بھی شائع ہوا ہے۔ جس میں مذکورہ بالا تین سو مکتوبات ایک ساتھ ہیں۔

انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے۔ جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں اس میں بھی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں۔ ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، جس سے انڈیا آفس کے کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکہ ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرت مخدوم الملک کے صاحب زادے تھے۔" [۱]

لیکن صاحب سیرۃ الشرف اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"ان میں کوئی ڈیڑھ سو مکتوب لوگوں نے الگ چھاپ دئے ہیں اور مکتوب یک صد و پنجاہ کے نام سے مشہور کر رکھا

---

[۱] بزم صوفیہ ص ۳۷۸

ہے۔ حقیقتاً وہ کوئی مستقل رسالہ نہیں، اسی مکتوب دوصدی کا ایک حصہ ہے۔ اس مجموعہ میں جتنے مکتوب ہیں وہ جمادی الاول سے اول ماہ رمضان ۷۶۹ھ تک لکھے ہوئے ہیں۔" [1]

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کو پڑھنے اور زیر نظر تین نسخے مجموعہ مکتوبات دو صدی قلمی کے مطالعہ کے بعد صاحب سیرۃ الشرف ہی کے بیان کی تصدیق و توثیق کرنی پڑتی ہے۔ جناب صباح الدین عبدالرحمٰن نے جن مجموعوں کا بھی تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے وہ سب اسی مکتوبات دوصدی کے اقتباسات معلوم ہوتے ہیں۔ حقیقت میں مکتوبات دوصدی میں دوسو مکاتیب سے کم نہیں۔ میرے سامنے جو اس وقت تین قلمی نسخے ہیں ان میں بھی دوسو مکتوبات سے زیادہ ہیں۔ ان دونوں نسخوں میں جامع مکتوبات کی حیثیت سے حضرت زین بدر عربی کا نام آتا ہے اور حمد وصلوٰۃ کے بعد ایک مثنوی شامل مجموعہ ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے

شکر ہا می کند بدرگہ حق

گرچہ شکرش نہ کار آساں است

مکتوبات دوصدی کے یہ تین نسخے کتب خانہ صوفی منیری خانقاہ منیر شریف کی زینت ہیں، تفصیلات اس طرح ہیں:

(۱) کاتب خلیفہ امانت علی عرف بھجو ولد شاہ مردان علی بن حضرت شیخ میاں داد علی قادری تاریخ کتابت ۲۲رشوال ۱۲۱۶ فصلی۔ اس مجموعہ میں ۲۰۸ مکتوبات شامل ہیں۔ تعداد اوراق ۳۱۱۔ ہر صفحہ پر ۱۷ سطریں ہیں۔ کتابت خط نسخ میں ہے۔ پہلا مکتوب بنام شیخ عمر ساکن قصبہ انکلی ہے جس کا عنوان درراہ دین و درستی یقین دیا ہوا ہے اور آخری مکتوب مولانا قطب کے نام در جواب خوف خاتمہ کے عنوان سے درج ہے۔

(۲) کاتب محمد اعظم علی ابن شیخ لطف علی منیریؒ، جو اولاد مخدوم میں سے ہیں۔ تاریخ کتابت ۷رمحرم ۱۲۴۱ھ ہے۔ اس مجموعہ میں بھی ۲۰۸ مکاتیب شامل ہیں۔ تعداد اوراق ۲۴۱ ہر صفحہ پر ۱۷ سطریں۔ کتابت خط نستعلیق میں ہے۔ پہلا مکتوب سابقہ مجموعہ

---

[1] سیرۃ الشرف ص ۳۳۰

کی طرح بنام شیخ عمر ہے اور عنوان بھی وہی ہے۔ آخری مکتوب بھی اسی طرح مولانا قطب کے نام پہلے مجموعہ کے عنوان کے مطابق ہے۔

(۳) کاتب: اس مجموعہ کے آخری چند اوراق کی بوسیدگی کی وجہ سے کاتب کا نام بھی غائب ہو گیا ہے۔ لیکن اسی خط نستعلیق اور اسی شان تحریر میں اسی انداز سے لکھی ہوئی دوسری کتابیں بھی اس کتب خانہ کی زینت ہیں، جن میں کاتب کا نام احمد علی انصاری قادری درج ہے۔ ان کا سال کتابت بھی اس مجموعہ کی کتابت کے سال کے مطابق ہے۔ یعنی رسالہ غوثیہ کی کتابت ۲؍شوال ۱۲۳۴ھ کی ہے اور اس مجموعہ مکتوبات کی کتابت ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ کی ہے۔ کاتب کے نام کا آخری حرف ''ی'' پڑھا جاتا ہے اور اغلب ہے کہ یہ قادری کی ''ی'' ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس مجموعہ کے کاتب احمد علی انصاری قادری ہی ہیں۔ تعداد اوراق درج نہیں اور نہ اس بوسیدگی میں ان کا شمار ممکن ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اوراق شروع کے اور آخر کے غائب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن فہرست مکتوبات محفوظ اور بہت واضح ہے۔

پہلا مکتوب اس نسخہ کا بھی سابقہ دو مجموعوں کی طرح حضرت شیخ عمر کے نام ہے۔ لیکن اس مجموعہ میں کل ۲۰۲ مکتوبات شامل ہیں۔ آخری مکتوب اے برادر! کی مخاطبت سے شروع ہوتا ہے اور اس کا عنوان ''در ختم دیدار خدائے تبارک وتعالیٰ رزقنا اللہ بکمال فضلہ''، جو سابقہ دونوں مجموعوں کی ترتیب اور خود اس نسخہ کی فہرست مکاتیب کی ترتیب سے مختلف ہے۔ فہرست مکاتیب میں آخری مکتوب بنام سلطان محمد تغلق بعنوان ''در تفویض کردن کار بخداوند علیم وقلم خودرا بگوشہ نہادن'' درج ہے۔ اور دیدار خداوند تعالیٰ سے متعلق مکتوب ۱۹۹ ہے۔ اس لئے اس مجموعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے آئندہ حوالہ جات یا نمبر شمار وغیرہ کا تذکرہ سابقہ دونوں مجموعوں کے ذریعہ کیا جائے گا، کیونکہ وہ دونوں از اول تا آخر تمام وکمال ایک دوسرے کے موافق اور مطابق ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں دونوں نسخوں پر اعتماد کرنا پڑے گا۔

نسخہ مطبوعہ: مکتوبات دوصدی مطبوعہ شرف پریس بہار باہتمام شیخ نعمت علی محلہ خانقاہ بہار شریف سال طباعت ۱۳۰۳ھ

دو جلدوں پر مشتمل اس نسخہ میں ۱۵۳ مکاتیب ہیں۔
پہلی جلد کی ضخامت ۳۱۴ صفحات کی ہے۔ ہر صفحہ پر ۱۷-۱۸ سطریں ہیں۔
دوسری جلد کی ضخامت ۱۲۸ صفحات کی ہے۔ جلد اول میں ۱۰۰ مکاتیب ہیں اور بقیہ دوسری میں۔

مجموعہ کا پہلا مکتوب قلمی نسخوں کی طرح شیخ عمر کے نام ''در راہ دین و درستی یقین'' کے عنوان سے شروع ہوتا ہے۔ اور آخری مکتوب مولانا تاج الدین کے نام بغیر کسی عنوان کے درج ہے، حالانکہ قلمی نسخوں میں مکتوب ۱۵۳ مولانا محمود، ستگائیں کے نام ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں قلمی نسخوں کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

آخر میں ایک صفحہ فارسی نثر میں حضرت مخدوم جہاںؒ کی تحریر کردہ مناجات کا بھی شامل ہے۔ اس مجموعہ میں کسی ایک شخص کے نام تمام مکاتیب نہیں، جیسا کہ مکتوبات صدی میں ہے۔ اکثر ایک ہی عنوان پر دو یا دو سے زاید مکاتیب بھی اس مجموعہ میں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متعدد اشخاص کے نام چونکہ خطوط لکھے گئے ہیں اس طرح ایک ہی طرح کی تعلیم کے لئے طالب کی علمی صلاحیت کا اندازہ کرتے ہوئے مختلف پیرایہ بیان اختیار کرنا پڑا ہے۔ تاکہ اسے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ ایسے خطوط چونکہ دوسرے خطوط سے انداز بیان کے لحاظ سے مختلف ہو گئے ہیں اس لئے انہیں بھی شامل مجموعہ کر لیا گیا ہے۔ کتنے خطوط کن کن لوگوں کے نام لکھے گئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

نمبر شمار	نمبر مکاتیب	اسماء مکتوب الیہم
(۱)	۱ تا ۱۳-۱۸	شیخ عمر ساکن قصبہ انگلی
(۲)	۱۹ تا ۳۲-۱۳۷-۱۳۸	قاضی شمس الدین ساکن قصبہ چوسہ
(۳)	۳۳ تا ۳۹	قاضی زاہد
(۴)	۴۰ تا ۴۲	مولانا کمال الدین سنتوسی
(۵)	۴۳ تا ۴۵	مولانا صدر الدین
(۶)	۴۶ تا ۵۱	ملک خضر

(۷)	۵۲ تا ۵۴	ملک شمس الدین
(۸)	۵۵-۱۱۲-۱۳۳ اور ۱۲۰	رضی الملک ملک محمود عوض
(۹)	۵۶-۱۵۰ تا ۱۵۴	مولانا محمود، ستگائیں
(۱۰)	۵۷-۱۲۳ تا ۱۲۵-۱۳۴-۱۵۸-۱۵۹	خواجہ سلیمان
(۱۱)	۵۸-۱۳۱	مولانا حمید الدین ناگوری
(۱۲)	۵۹ تا ۶۲-۱۴۶	شیخ محمد ظفرآبادی المعروف بہ دیوانہ
(۱۳)	۶۳ تا ۶۵-۷۱-۱۰۱	
	۱۰۲-۱۲۶-۱۶۹ تا ۱۷۲	مولانا مظفر بلخی
(۱۴)	۶۶ تا ۷۰	بجانب عزیزی لامعلوم کہ بدولت آباد منتقل شدہ بود (مکتوب ۶۷)

از القاب مکتوبات ظاہر می شود کہ امیری بود (مکتوب ۶۸)

(۱۵)	۷۲ تا ۸۴-۱۰۴ تا ۱۱۱	ملک الامراء ملک فرح
(۱۶)	۸۵ تا ۹۰	مولانا نظام الدین
(۱۷)	۹۱ تا ۹۳-۱۱۴ تا ۱۱۸	قاضی حسام الدین
(۱۸)	۹۴	شیخ مغربی
(۱۹)	۹۵	سلطان فیروز شاہ تغلق
(۲۰)	۹۶-۱۴۲	داور باداؤد ملک داماد سلطان محمد شاہ
(۲۱)	۹۷	مولانا قیام الدین کرائی
(۲۲)	۹۸	مولانا بایزید
(۲۳)	۹۹-۱۰۰	نصیر الدین فوجانی
(۲۴)	۱۰۳	امیر خاں
(۲۵)	۱۱۹-۲۰۸	قطب الدین
(۲۶)	۱۲۲	عبد الملک

(۲۷)	۱۲۷ تا ۱۲۹	شمس الدین برہان حدادی
(۲۸)	۱۳۰-۱۶۱ تا ۱۶۸	خواجہ مہذب
(۲۹)	۱۳۲-۱۳۳	فخر الدین
(۳۰)	۱۳۵	ملک معز الدین
(۳۱)	۱۳۹ تا ۱۴۱-۱۴۳ تا ۱۴۵	خواجہ احمد
(۳۲)	۱۴۹	والدۂ بڈھ
(۳۳)	۱۵۵	جمال الدین
(۳۴)	۱۵۶-۱۵۷-۱۶۰	امام تاج الدین
(۳۵)	۱۷۳ تا ۲۰۴	مولانا رفیع الدین
(۳۶)	۲۰۵-۲۰۶	مولانا تقی
(۳۷)	۲۰۷	سلطان محمد بزرگ برادر سلطان محمد شاہ

فہرست مندرجہ بالا قبل پر ایک نظر ڈالنے سے جو حقائق سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس مجموعہ میں کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جن کے مخاطب قاضی شمس الدین اور مولانا مظفر بلخیؒ ہیں۔ کچھ خطوط ایسے ہیں جن کے مکتوب الیہم کا نام متعین نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ نہ تو جامع نے ان کا نام درج کیا ہے اور نہ حضرت مخدوم نے اپنے مکتوب میں انہیں نام سے مخاطب کیا ہے۔ بلکہ عام القاب ''اے برادر'' یا ''اے عزیز'' استعمال کیا گیا ہے۔

ایک مکتوب ۱۴۹ ایک خاتون والدہ بڈھ کے نام ہے۔ لیکن اس کا پتہ نہیں کہ یہ کون محترمہ تھیں۔ خط کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ کسی حادثہ فاجعہ پر حضرت مخدوم تلقین صبر کی غرض سے انہیں مخاطب کرتے ہیں۔

امراء اور بادشاہ وقت کے نام بھی کچھ مکاتیب اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ لیکن مضمون خط سے صاف ظاہر ہے کہ انہیں کسی ذاتی غرض کے تحت نہیں مخاطب فرمایا گیا ہے بلکہ پند و نصیحت کی غرض سے انہیں مخاطب کرنا پڑا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سلطان فیروز شاہ کو جو مکتوب لکھا گیا ہے اس میں بڑی عاجزی اور انکساری اور فروتنی کا

اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے حضرت مخدوم پر کسی طور سے غرض مند ہونے یا خوشامد کرنے کا الزام نہیں آتا بلکہ یہ تو ان کی روش ہی رہی تھی کہ کسی کو مخاطب فرماتے تو بڑے عزت واحترام یا محبت وشفقت سے۔ اور مخاطب کے سامنے اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ دوسرے فروتنی اور عاجزی وانکساری کی جو تعلیم انہی خطوط کے ذریعہ اپنے مریدین اور معتقدین کو دیتے ہیں ان کا عمل بھی ان کے عین موافق ہے۔[1] ان لوگوں کے علاوہ بھی اس مجموعہ میں مکتوب الیہم کے طور پر بڑے ذی علم اور صاحب حال حضرات کے نام آتے ہیں۔ اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو معمولی استعداد کے حامل نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجموعہ کے تمام مکاتیب کا پیرایہ تحریر اور انداز بیاں یکساں نہیں۔ جب مخاطب اہل علم حضرات ہوتے ہیں تو وہاں حضرت مخدوم اپنی روش کے مطابق اس طرح کھل کر لکھتے ہیں کہ عرفان ومعانی کا دریا بہتا نظر آتا ہے۔ لیکن جہاں کم استعداد حضرات سے سابقہ ہے وہاں سیدھے سادے الفاظ تعلیمات راہ سلوک کو عبادات کے تحت بیان کر کے والسلام پر پہنچ جاتے ہیں۔

اس مجموعہ میں تمام مکاتیب مکتوبات صدی کی طرح تعلیمات پر مبنی نہیں۔ بلکہ بعض مکاتیب ایسے بھی ہیں جن میں نجی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ کبھی یہ نجی زندگی اور اس کے معاملات حضرت مخدوم کی اپنی ذات سے سروکار رکھتے ہیں اور کبھی مکتوب الیہم کی نجی زندگی کو زیر بحث لا کر اس کے حالات کے مطابق مناسب الفاظ میں انہیں عمل کی ترغیب اور استقامت کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔[2] کسی مراسلہ میں بھیجے ہوئے تحفہ پر اظہار تشکر کے الفاظ ملتے ہیں۔[3]

کسی مکتوب کا آغاز روایتی انداز میں مکتوب الیہ کے مراسلہ کے جواب میں ملتا ہے۔ لیکن پھر اپنے مقصد اصلی یعنی تعلیم وتربیت باطنی کی طرف حضرت مخدوم بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ رجوع کرتے نظر آتے ہیں، مثلاً مکتوب (۲۰۵) میں مولانا تقی کو مخاطب فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

۱؎ مکاتیب ۱۴۷-۱۵۱-۱۵۴-۱۵۹

۲؎ مکتوب ۱۴۸ ۳؎ مکاتیب ۵۲-۵۶-۶۹-۷۲

"برادرم مولانا تقی! حق سبحانہ وتعالیٰ مشغول و مستغرق خود گرداند وفضلہ سلام ودعا! از کاتب حروف شرف منیری مطالعہ کند۔ غرض آنکہ مکتوب آں برادر رسید۔ مطالعہ کردہ شد۔ کیفیت بجبر بود۔ خاطر جمع دارد و ہمت بلند و بداند کہ آنکہ بشر را مسجود ملک کردہ است و محسود فلک گردانیدہ وا کاری عظیم است و سرّی بس بزرگ۔۔۔۔"

اسی طرح مکتوب (۱۷۳) میں بھی حضرت مخدوم نے یہی پیرایہ بیان اپنایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"برادر اعز مولانا رفیع الدین سلام و دعا! اس کاتب حروف شرف منیری مطالعہ کنند غرض آں کہ مکتوب آں برادر رسیدہ بود و مطالعہ افتاد۔ کیفیت از اں برادر در خلوت و مشغول بودن در کار خود معلوم شد۔ حق تعالیٰ استقامت بخشد۔ ای برادر چنانکہ دنیا حجاب آخرت است و شیطان حجاب دین است۔۔۔"

حضرت مولانا مظفر بلخی کو ایک مکتوب میں ان کے مجموعہ احادیث کے پہنچنے کی رسید دیتے ہوئے اس کے مطالعہ سے ان کے دل پر جو کیفیات مترتب ہوتی ہیں اس کا بھی ہلکا سا اشارہ ملتا ہے:

"برادر عزیز مولانا مظفر سلام ودعا از کاتب حروف شرف منیری مطالعہ کنند غرض آنکہ فرزند شبلی مجموعہ احادیث برادر کہ مدتی جمع شدہ بود در سانید۔ مطالعہ افتاد شور وغوغا نالہ وفریاد بسیار بود۔ ای برادر چوں سنت ایں کار ہم چنیں است ہنوز دیگر را ساختہ باید بود آخر شنیدہؐ

ہر کہ درد عشق دارد سوز ہم　　　شب کجا باید قرار و روز ہم

مکتوب-۱۶۹

مکتوب (۱۵۸) سے جو حضرت سلیمان کے نام ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں نعمت ارادت حضرت مولانا مظفر بلخی کی سفارش پر عطاء کی گئی تھی۔ یہ مکتوب مولانا سے جو محبت اور ان کی قدر و منزلت حضرت مخدوم کے دل میں تھی اسے بھی واضح کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد مرشد کی نصیحت کیا ہوتی ہے اور کن کن اصولوں پر چلنا پڑتا ہے اسے بھی بہت جامع الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں حضرت مخدوم کی تعلیمات کا یہ مکتوب نچوڑ ہے۔

بعض مکاتیب جو جوابی نوعیت کے ہیں ایک چیستاں بن گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکتوب الیہ کا اصل مکتوب نہیں ہے اور حوالہ سائل کے مکتوب کا موجود ہے۔ حضرت مخدوم تو سوال کا جواب دیتے ہیں اس لئے انہیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ہمارے سامنے اس خط کے نہ رہنے کی وجہ سے حضرت مخدوم کی تحریر سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ اس پر ان کا خصوصی رنگ اختصار و ایجاز بھی ان مکاتیب کے مفہوم کو سمجھنے کی راہ میں حائل ہے۔ مثال کے طور پر ایک مکتوب (۱۵۶) کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں اور غور فرمائیں کہ میرا بیان صداقت پر مبنی ہے یا نہیں:

> "حدیث در کشف حقائق اشیاء وکما ہی تا انجا کہ ہیچ تعبیر حاجت نیست و در خواب دیدن مثال است نہ دیدن حقائق اشیاء کما ہی تا اینجا بہ تعبیر حاجت است۔ پس آن دیگر بود و این دیگر حدیث تمثل از مثل است و معنی مثل مانند است و تشکل از شکل است و معنی شکل ناز است۔ تا گویند امراۃ ذات مشکل۔۔۔۔۔"

اس طرح الفاظ اور مقامات کی تشریح بھی کرتے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ اصل حدیث مذکورۃ الصدر اور سوال سائل سامنے نہیں اس لئے اس مکتوب کا مفہوم واضح نہیں ہو پاتا۔ یہ بات اکثر جوابی مکتوبات میں پائی جاتی ہے۔

مکتوب (۱۳۵) میں ملک معز الدین کو مصائب و آلام میں صبر و تحمل کی تلقین فرماتے ہوئے آخری حصہ میں جو الفاظ سپرد قلم کرتے ہیں ان سے مکتوب الیہ کی نجی

پریشانیوں کی ایک جھلک بھی ملتی ہے۔ تحریر ہے:

"اما چوں آں برادر را ابتلاء خانماں زن و فرزند ترتیب حشم و خدم پیش است چہ کند خاطر جمع دارد کارہا بوقت موقوف است انشاء اللہ تعالیٰ انچہ اصلاح و خیر آن برادر است عن قریب حق سبحانہ تعالیٰ پدید آرد و ازیں ابتلا بخوبی بروں آرد۔۔۔"

مکتوب (۱۱۲) میں ملک محمود کی ملاقات کے لئے بے تابی پر خود بھی ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہیں لیکن اپنی تحریر دل پذیر سے مکتوب الیہ کی تسلی و تشفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بندہ کی خواہش کوئی چیز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء و اولیاء امراو سلاطین کی تمام خواہشیں پوری ہوگئی ہوتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ میری یا آپ کی خواہش سے کچھ ہونے کو نہیں۔

اس مجموعہ کے مکتوب (۳۵) سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ قاضی شمس الدین منصب قضا سے معزول بھی کر دئے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت مخدوم اس مکتوب کے ذریعہ انہیں تسلی و تشفی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دنیا دار بلا ہے اور ہر شخص اس کا شکار ہے۔ اس لئے صبر و شکر کے ساتھ بلاؤں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا چاہئے اور قضا و قدر کے آگے سر جھکا دینا چاہئے، اس لئے کہ بندگی پھر بندگی ہے۔ پھر مختلف امثال ونظائر کا حوالہ دیتے ہوئے اسی بات کی تلقین فرماتے ہیں کہ ابتلاء آزمائش میں صبر درکار ہے اور معنوی اعتبار سے جو مقام قاضی شمس الدین کا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمت افزائی کرتے ہیں۔

بعض مکاتیب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ و منصب قبول کرنا حضرت مخدوم کو ناگوار گزرتا تھا۔ چنانچہ بعض حضرات نے جو مریدوں یا معتقدوں کے حلقہ سے تعلق رکھتے تھے جب منصب قضا قبول کیا تو ان کے حال پر افسوس کا اظہار فرمایا اور انہیں خطوط کے ذریعہ متنبہ کیا کہ زندگی کے مقاصد سے غافل ہو کر دنیا کے پیچھے بھاگنا اس راہ کے شایان شان نہیں۔ مولانا صدر الدین سے اپنے ایک مکتوب

میں بڑی محبت اور شفقت کا اظہار فرماتے ہیں۔ وہ ملاقات کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں تو انہیں بعد مسافت کی وجہ سے منع فرماتے ہیں اور چھوٹے بچوں کی نگہداشت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ لیکن جب وہی مولانا صدر الدین سنار گاؤں میں منصب قضا پر مامور ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اس خبر سے میرے دل میں بڑی کراہیت پیدا ہوئی اور ان کی پیرانہ سالی کا حوالہ دیتے ہوئے عشق الٰہی کی آگ دل میں فروزاں کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔[1] اسی طرح ایک دوسرے مرید مولانا حمید الدین کے قبول منصب قضا کی خبر جب انہیں ملتی ہے تو انہیں بھی تہدید فرماتے ہیں اور مولانا صدر الدین سے زیادہ سخت الفاظ میں مخاطب ہوتے ہیں۔[2]

مکتوبات (۶۶ تا ۷۰) کسی نامعلوم معتقد یا مرید کے نام ہے۔ مجموعہ میں ''بجانب عزیزی'' کے الفاظ ملتے ہیں۔ لیکن ایک مکتوب کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مکتوب الیہ کسی بنا پر دولت آباد (دہلی) منتقل ہو گئے تھے۔ یہ اغلب ہے کہ وہ کسی بڑے عہدے پر فائز تھے۔ حضرت مخدوم نے جس طرح کے القاب مکتوب (۶۸) میں استعمال کیے ہیں اس سے میرے شبہہ کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے سلسلہ میں تبدیلی مقام پر مجبور ہوئے تھے اور دہلی جانا پڑا تھا۔

مکتوبات بست و ہشت

اس مجموعہ مکاتیب میں ۲۸ مکتوبات شامل ہیں، جو حضرت مخدوم کے عزیز مرید و خلیفہ اور جانشیں حضرت مولانا مظفر بلخی کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔ جامع مکتوبات نے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مخدوم نے پچیس سال کی مدت میں تقریباً دو سو مکتوبات سے بھی زیادہ حضرت مولانا کو تحریر فرمائے۔ لیکن ان کی نقل رکھنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ یہی نہیں بلکہ حضرت مولانا کو بھی تاکید تھی کہ انہیں کسی کو نہ دکھائیں اس لئے کہ یہ مکتوبات محض حضرت مولانا کے معاملات اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے لکھے گئے تھے۔ عام لوگوں کے احوال سے ان کی مطابقت ممکن نہیں۔

---

[1] مکتوبات ۴۳-۴۴ [2] مکتوب ۵۸

علاوہ ازیں دوسروں کے دکھانے سے ربوبیت کے راز کے افشاء ہونے اور فتنہ عظیم برپا ہونے کا خدشہ تھا۔ چنانچہ سربمہر کر کے حضرت مولانا کے پاس بھیجا جاتا تھا تاکہ کوئی انہیں پڑھ نہ سکے۔ مریدین و معتقدین نے حضرت مخدوم سے متعدد بار یہ التماس کیا کہ ان کی نقل رکھنے کی اجازت دی جائے لیکن یہ عرض قبول نہ کی گئی۔ حضرت مولانا کا جب وصال ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ ان خطوط کو جو حضرت مخدوم نے انہیں لکھا تھا ان کے کفن میں رکھ کر ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ لہذا بموجب وصیت ایسا ہی کیا گیا۔ اور ان مکاتیب میں بند تمام اسرار حضرت مولانا ہی کے ساتھ وابستہ رہے اور انہی کے ساتھ دفن بھی ہو گئے۔ اتفاقاً یہ چند مکاتیب جن کی تعداد مختصر ہے دفن ہونے سے بچ گئے، جنہیں جامع مکتوبات نے نفع عوام کے لئے نقل کر لیا۔

ابتدا اور انتہا میں جامع کا نام موجود نہیں۔ یہ مجموعہ ہر بار مکتوبات صدی کے ساتھ اشاعت پذیر ہوتا رہا ہے۔ لکھنؤ سے اس کی طباعت حضرت مولانا کے حالات کے ساتھ ہوئی ہے، جس کا سال طباعت ۱۲۷۸ھ ہے۔ اس کے علاوہ میرے پیش نظر ایک قلمی نسخہ جناب شاہ اعظم علی منیریؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس پر سال کتابت تو درج نہیں لیکن اسی جلد میں اس سے پہلے جو رسالہ تحریر ہوا ہے اس پر سال کتابت اور تاریخ ۱۹؍ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ درج ہے، اس لئے اس کی کتابت کا اندازہ اس تاریخ کے چند ماہ یا چند ہفتہ بعد کا لگایا جا سکتا ہے۔ یہ نسخہ کتب خانہ صوفی منیری خانقاہ منیر شریف کی زینت ہے۔

مجموعہ مکتوبات بست و ہشت کے سارے مکاتیب جوابی نوعیت کے ہیں۔ ان پر جامع یا ناشر نے کوئی عنوان بھی قائم نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ مشکل تھا بلکہ ناممکن بھی ہے، کیونکہ حضرت مخدوم مکتوبات مولانا کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے خطوط یا تحریر فرماتے ہیں اس لئے پورا مضمون سامنے نہیں آتا۔ اور اسی لئے مطالب و معانی بھی روشن نہیں ہو پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مخدوم نے ان کی نقل نہ رکھنے اور کسی کو بھی پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ مکاتیب کے پڑھنے سے کوئی واضح تعلیم یا ہدایت حضرت مخدوم کی سامنے نہیں آتی۔

مکتوبات پیش نظر میں کہیں ''امام مظفر'' کہیں ''برادر عزیز مولانا مظفر'' اور کسی میں صرف ''اے برادر'' کے تخاطب سے حضرت مخدوم یاد فرماتے ہیں۔ کچھ مکاتیب ایسے بھی ہیں جن کی ابتداء کسی شعر سے ہوئی ہے۔ القاب کا بوجھ بھی ان پر نہیں بعض مکاتیب صرف اشعار پر ہی مشتمل ہیں اور ہدایت ہے کہ انہیں حضرت مولانا ہی مطالعہ فرمائیں۔ کسی میں ان کے احوال اور کیفیات پر انہیں مبارک باد دی گئی ہے۔ لیکن وہ کیا کیا کیفیات تھیں جن پر مبارک باد یا بشارت دی گئی یہ پردۂ خفا میں ہے۔

اس مجموعہ کے خطوط مختصر بھی ہیں اور بعض طویل بھی، لیکن بہمہ وجوہ ان کی طوالت دو صفحات سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور کل مکاتیب ۳۵ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ہر صفحہ پر اوسطاً ۲۳ سطریں ہیں۔ مختصر ترین مکتوب محض ۳ سطروں پر مشتمل ہے۔ چونکہ یہ مکتوب طویل نہیں اس لئے اسے تمام و کمال نقل کیا جاتا ہے تاکہ میرے بیان کردہ خصوصیات کی تصدیق بھی ہو جائے۔

> ''مکتوب آن برادر رسید مطالعہ کردہ شد۔
> جواب غوغا و شور ہر چہ باشد بغیر فرو بردن و آروغ نازدن راہ نیست تا عزیزی گفتہ است۔ انا الحق گفتن منصور را از ناگنجانی بود۔ ہر آئینہ حوصلہ چوں وسیع بود در وہمہ گنجد و اگر تنگ بنود نگنجد بروں افتد۔ این نکتہ درین باب اصل قوی است۔ خاطر جمع دارو حق تعالیٰ مبارک گرداناد۔ (مکتوب سیزدہم مطبوعہ)

فوائد رکنی

گرچہ اس کی حیثیت مستقل ایک تصنیف کی ہے، لیکن چونکہ اس کے مضامین مکتوبات سے اخذ کر کے یکجا کئے گئے ہیں اس لئے اس کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ حضرت مخدوم نے حاجی رکن الدین زائر حرمین شریفین کے التماس پر اس غرض سے کہ سفر و حضر میں ان کی رہنمائی ہوتی رہے مکتوبات سے مضامین اخذ کر کے یہ رسالہ

تحریر فرمایا، جو درحقیقت حضرت مخدوم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اور خود حضرت مخدوم کی قلمی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اسے تصانیف کے زمرہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے

میرے پیش نظر فوائد رکنی کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ جو مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۳ھ میں طبع ہوا۔ یہ رسالہ ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۲۳ سطریں ہیں۔

دیباچہ کتاب حضرت حاجی رکن الدین نے سپرد قلم کیا ہے اور اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مکتوبات سے چند فوائد حضرت مخدوم سے تحریر فرمانے کی درخواست میں نے کی، چنانچہ حضرت مخدوم نے درخواست کے بموجب گیارہ فواید پر مشتمل یہ رسالہ تحریر فرمایا تاکہ عامۃ المسلمین کو اس سے نفع اور فائدہ حاصل ہو۔

چونکہ یہ رسالہ مکتوبات ہی سے ماخوذ ہے اور مکتوبات پر اجمالی بحث ہو چکی ہے اس کی تعلیمات و فوائد کو مکتوبات کی تعلیمات و فواید پر حصر کرتے ہوئے اس پر تفصیلی بحث سے احتراز کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں اس رسالہ کو میں ایک مستقل تصنیف کی حیثیت سے جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اس لئے بھی اس پر بحث ہمارا موضوع نہیں۔

حضرت مخدوم کے مکتوبات کی خصوصیات:

میں نے اس سے قبل کئی سطروں میں مکتوبات کی خصوصیات کا عمومی طور پر جائزہ لیا ہے لیکن حضرت مخدوم نے اس فن شریف کے ذریعہ جو خدمت علم و ادب اور راہ سلوک کی ہے اور علوم و معانی کے جو گل و بوٹے کھلائے ہیں ان کا یہ تقاضا ہے کہ انفرادی طور پر بھی ان کے مکاتیب پر ایک تنقیدی نظر ڈالی جائے۔ اور یہ بتایا جائے کہ فن اور ادبی لحاظ سے اس کی کیا اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔

سب سے پہلے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم کے سامنے ایک عظیم مقصد اصلاح باطن کا تھا اور اس کے لئے انہوں نے مکتوب نگاری کو ذریعہ بنایا۔ جو لوگ مریدین اور معتقدین میں سے صحبت مخدوم کے فیوض و برکات سے محروم تھے ان کی رہنمائی ان مکاتیب کے ذریعہ کی گئی ہے۔ اس لئے الفاظ پر زور بیان خرچ کرنے کے بجائے معانی اور مطالب پر زیادہ نگاہ رکھی گئی ہے۔ الفاظ ایسے استعمال

کئے گئے ہیں جو آسانی سے فہم میں آسکیں۔ ادق الفاظ سے حتی الامکان اجتناب کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت مخدوم کے الفاظ عامیانہ یا بازاری ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ہاں اب یہ بات ضرور ہے کہ اس وقت کی عام روش سے ہٹ کر انہوں نے عام فہم الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس کے باوجود فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں ان کی تحریروں میں موجود ہیں۔ مثلاً صحت الفاظ اور ان کی حسین بندشیں، خوبی تراکیب اور روانی بیان، برجستگی زبان اور شوخی ادا وغیرہ۔ الفاظ اور جملوں کا استعمال اس غرض سے کیا گیا ہے کہ مافی الضمیر ادا ہو اور مکتوب الیہ تک پہنچے۔ رعب علم وادب ڈالنا مقصود نہیں۔ چنانچہ اس کا اثر ہے کہ عبارت میں کمال کی سادگی اور روانی موجود ہے۔ اور نثر سادہ کی پوری تعبیر ان خطوط کی عبارتوں پر صادق آتی ہے۔

معانی و مطالب کے لحاظ سے تو ان مکاتیب کے متعلق کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مکاتیب رموز راہ سلوک کے گنجینہ اور اہل تصوف و عرفان کا انمول خزینہ ہیں۔ حضرت مخدوم چونکہ علم و عمل میں یکساں پایہ رکھتے ہیں اس لئے ان کی تحریر سے بھی خدا ترسی، انہماک اور عجز و درماندگی کے اظہار کا گہرا رنگ جھلکتا ہے۔ وہ صرف اپنے یا اپنے مریدوں اور معتقدوں ہی کے لئے بیچین نظر نہیں آتے بلکہ تمام مسلمانوں کی عاقبت اور خاتمہ کی فکر انہیں دامن گیر ہے۔

تہذیب و شائستگی کا دامن کبھی معمولی زندگی میں جب حضرت مخدوم کے ہاتھ سے چھوٹا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کی تحریر میں یہ رنگ نمایاں نہ ہوتا جو خصوصی طور سے تربیت کے لئے عالم وجود میں آئیں اس لئے کہ تربیت میں تہذیب، شائستگی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی دوسری صفت کو نہیں۔ حضرت مخدوم کی تحریروں میں عامیانہ الفاظ، بازاری بولیاں، خلاف تہذیب جملے اور سوقیانہ انداز بیان کہیں نہیں ہے۔ وہ کسی موقع پر درشتی کا اظہار نہیں فرماتے اور نہ اختلاف خیال کی بنا پر کسی کو ہدف لعن وطعن بناتے۔ وہ ہر جگہ رعایت سے کام لیتے ہیں۔ کسی کی ذراسی لغزش انہیں مشتعل نہیں کرتی بلکہ نہایت میانہ روی سے اپنی تحریر کے ذریعہ اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی لغزشوں سے درگزر فرماتے ہیں۔ شرعی نقطہ نگاہ سے جس بات کو غلط سمجھتے

ہیں اس کے خلاف بھی اگر لکھتے ہیں تو اعتدال کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنی قادر کلامی کا جوہر اس انداز میں دکھاتے ہیں کہ مخاطب کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ غلطی پر سے پردہ بھی اٹھ جاتا ہے اور شرعی پابندیوں کا احساس بھی دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت مخدوم اگر کسی موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معانی و مطالب کا دریا بہہ رہا ہے۔ اس موضوع خاص پر ایسے حاوی معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے مقابلہ کا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ ان کی خود بھی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ جس مسئلہ کو لیں اسے بہ تمام وکمال وضاحت کے ساتھ مکتوب الیہ کے سامنے رکھ دیں۔ دلائل و براہین اور حوالہ جات مستند مثلاً مذہبی اور تاریخی سے بیان مسئلہ میں زور پیدا کرتے جاتے ہیں۔ حسب حال استعارہ بھی پیش کرتے جاتے ہیں جس سے عبارت میں دلچسپی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مکتوب الیہ کی صلاحیت کا لحاظ بھی ہر جگہ رہتا ہے۔ ان کی روش نہایت آزاد اور بے ریا ہے اس وجہ سے دلچسپ بھی ہے۔ جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہی ان کے نوک قلم پر آتا ہے۔ انہیں اس میں بھی کمال حاصل تھا کہ سائل کے رتبہ اور صلاحیت کے مطابق اپنے آپ کو بنا کر پیش کریں اور اپنی تحریریں اسی کے مبلغ علم کے سانچے میں ڈھال دیں اس لئے ان کی تحریر میں اثر بہت زیادہ ہے۔ وہ اپنے خیالات کو مکتوب الیہ تک پہنچانے کی جو صلاحیت رکھتے ہیں وہ منفرد ہے۔ موضوع زیر بحث پر اس صفائی، خوبی اور وسعت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں کہ مکتوب الیہ کی پوری تشفی ہو جاتی ہے۔ خواہ اس کا مبلغ علم معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جن بزرگوں کی صلاحیتیں ارفع و اعلیٰ ہیں ان سے جب مخاطب ہوتے ہیں تو اپنی بلند پروازی، دقت نظری اور تعمق کا وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے۔

تمثیلات، اشارات اور استعارات کے بیان پر بھی انہیں جو قدرت حاصل ہے وہ دوسروں کے یہاں نہیں ملتی۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ مکتوبات کو تصوف کے مسائل بیان کرنے کا ذریعہ حضرت مخدوم نے بنا کر صنف انشاء پردازی پر ایک خاص احسان کیا ہے۔ ان سے پہلے بھی انشاء پردازی اور خطوط نویسی ہوتی تھی لیکن اس سے

صرف خیریت و حالات دریافت کرنے یا لکھنے کا کام لیا جاتا تھا۔ حضرت مخدوم نے تعلیم و تربیت کا کام لے کر اس صنف کو ایک منفعت بخش اور کارآمد صنف بنایا۔ مکتوبات کے ذریعہ تعلیم و تربیت کو رواج دینے میں صوبہ بہار میں ہی نہیں ہندوستان اور ہندوستان کے باہر بھی حضرت مخدوم کا نام سرفہرست نظر آئے گا۔ خصوصیت کے ساتھ صوفیانہ ادب کا جو سرمایہ انہوں نے مکاتیب کی شکل میں یادگار چھوڑا ہے اس کی مثال دوسرے صوفی بزرگوں کے یہاں نہیں ملتی۔ متقدمین نے ان کی روایت کو زندہ رکھنے کی ناکام کوششیں کی ہیں۔ لیکن حضرت مخدوم کی تحریر اور مطالب و معانی انہیں کہاں نصیب۔

حضرت مخدوم نے اپنے مکتوبات میں اختصار کو بھی خصوصی طور پر مدنظر رکھا ہے۔ مضامین کی نوعیت وسعت کی اجازت دیتی ہے لیکن حضرت مخدوم نے انہیں مناسب الفاظ میں اختصار کے ساتھ پیش کر کے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے۔ فضول اور بیکار کی بحثوں میں پڑ کر اپنی تحریر کو طول دینے سے احتراز کیا ہے۔ پھر بھی ان کی تحریر کی اثر آفرینی اور حسن میں کوئی فرق نہیں آیا ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ اس خصوصیت نے اثر آفرینی میں اضافہ کیا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ جامعیت اور معنویت حضرت مخدوم کے مکاتیب کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اور اس جامعیت اور معنویت میں جگہ جگہ اشعار کی رنگ آمیزی کچھ ایسا حسن پیدا کر دیتی ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

ملفوظات

معدن المعانی

اس کے دو نسخے ایک مطبوعہ اور دوسرا قلمی میرے سامنے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

مطبوعہ: مطبع شرف الاخبار بہار۔ سال طباعت ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء۔ دو جلدوں میں۔ پہلی جلد میں ۲۱۸ صفحات کے بعد غلط نامہ ہے۔ ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۹

سطریں ہیں۔۲۴ ابواب اس جلد اول میں ہیں۔اور بقیہ ۳۹ ابواب جلد دوم میں ہیں۔ اس کے صفحات علیحدہ سے شمار میں نہیں آئے ہیں بلکہ پہلی جلد کے صفحات کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے دونوں جلدوں کو ۵۰۰ صفحات پر ختم کیا گیا ہے۔

قلمی: ۵۳۵ صفحات پر مشتمل یہ نسخہ ۱۱ر محرم ۱۲۸۱ھ میں لکھا گیا ہے۔اس کی کتابت شاہ فرزند علی صوفی منیری کے قلم فیض رقم کی ممنون ہے۔کتابت کا انداز شروع سے آخر تک یکساں نہیں۔کہیں خط شکست ہے تو کہیں نستعلیق۔ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۷ سطریں ہیں۔

اس مجموعہ ملفوظات کے جامع حضرت مخدوم جہاں کے مقرب اور دن رات کے حاضر باش مرید حضرت زین بدر عربی ہیں۔دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''سامع ایں گہر لامکانی بیچارہ زین بدر عربی طال اللہ علیہ وغفر لہ ولوالدیہ منسلک ومندرج گشت وسعادت و ملازمت وخدمت شیخ ومجلس شریف دریافت۔''

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم اپنی مجلسوں میں ہر طرح کے مسائل اور مباحث پر گہر افشانی فرماتے،انہیں کو انہوں نے جستہ جستہ تحریر کرنا شروع کیا۔یہ کام چونکہ مجلس برخواست ہونے کے بعد انجام پاتا اس لئے حضرت مخدوم کے فرمودہ عین وہی الفاظ جہاں استعمال میں نہ آسکے وہاں بھی مفہوم کا خاص خیال رکھا گیا۔عبارت بدلی مگر مفہوم اور مطالب میں تبدیلی نہیں ہوئی۔جب بھی مطالب اور معانی ذہن سے محو ہو گئے تو انہیں دوبارہ دریافت کر کے قلم بند کیا گیا۔یہی نہیں بلکہ صحت معانی اور مطالب کا اتنا خیال تھا کہ جامع حضرت زین بدر عربی نے ان مجلسوں کے حالات اور مباحث کتابی شکل میں قلم بند کرنے کے بعد حضرت مخدوم کے سامنے اصلاح کے لئے پیش کئے۔حضرت مخدوم نے بھی بکمال لطف وعنایت شروع سے آخر تک اسے ملاحظہ فرمایا اور جہاں جہاں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی یا اضافہ ناگزیر معلوم ہوا وہاں تبدیلی واضافہ فرمایا گیا۔

صاحب سیرۃ الشرف کا بیان ہے کہ اس میں ۱۵ر شعبان ۷۴۶ھ سے قبل

کے ملفوظ ہیں لیکن صاحب بزم صوفیہ رقم طراز ہیں کہ ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظ اس میں درج ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب میں کہیں کہیں تاریخ کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن سال تحریر کا پتہ نہیں چلتا۔ تمام مجلسوں کو ابواب میں بدل دیا گیا ہے۔ اس طرح پوری کتاب ۶۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کا الگ الگ عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔ گرچہ معمول کے مطابق عنوان سے الگ بھی بعض مسائل شامل ہیں، پھر بھی کوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ عنوان باب سے متعلق رکھا جائے۔ ابواب کے تحت جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱) در اثبات وجود حق و وحدانیت او جل جلالہ
۲) در ذکر ایمان و اسلام و شرک و کفر و آنچہ مناسب آنست
۳) در ذکر معرفت ذات و صفات باری تعالیٰ
۴) در ذکر مشابہات کہ مضاف بحق تعالیٰ است
۵) در ذکر علم شریعت و طریقت آنچہ مناسب آنست
۶) در ذکر تفسیر قرآن و حفظ آن و آنچہ مناسب آنست
۷) در ذکر احادیث و بیان بر طریق محققان و تاویل کلمات مشائخ
۸) در ذکر نبوت رسول علیہ السلام و معراج او
۹) در ذکر ہجرت و اعمام رسول علیہ السلام و اصحاب صفہ
۱۰) در ذکر فضیلت صحابہ بر جمیع مومنان و فضل این است
۱۱) در ذکر طہارت
۱۲) در ذکر صلوٰۃ
۱۳) در ذکر صوم
۱۴) در ذکر حج و جہاد
۱۵) در ذکر اوراد و ادعیہ و صلوٰۃ نفل در مواسم
۱۶) در ذکر خدای تعالیٰ مشتمل بر چہار ذکر
۱۷) در ذکر پیری و مریدی و مناسب آن باب

۱۸) درذکر راس کردن مرید
۱۹) درذکر خلق و فقر و فرق و ارسال و ارشاد و مناسب آن
۲۰) درذکر اولیاء حق
۲۱) درذکر باطن بزرگان
۲۲) درذکر شجرہ پیران و آوردن شفیع ایشان را
۲۳) درذکر مجاہدہ و ریاضت
۲۴) درذکر بیزاری نمودن از نفس و ذکر تلبسات وی و شمہ در حجاب
۲۵) در بریدن از خلق و از خود و آنچہ مناسب آنست
۲۶) درذکر زہد و تقویٰ
۲۷) درذکر خوف و رجاء
۲۸) درذکر مراقبہ و تفکر
۲۹) درذکر بندہ بودن و بندگی کردن
۳۰) درذکر حریت و آنچہ مناسب آن
۳۱) درذکر یقین
۳۲) درذکر محبت
۳۳) درذکر عشق و غیرت و حال و مقام و وقت
۳۴) درذکر رویت و مشاہدہ و تجلیات
۳۵) درذکر طامات و شطحیات
۳۶) درذکر حقیقت انسانیت و روح و نفس و دل و تکریم بشر آنچہ مناسب آن
۳۷) درذکر قضا و قدر
۳۸) درذکر سعادت و شقاوت و عذاب و سبب آن
۳۹) درذکر قناعت از دنیا و خدع از شیطان
۴۰) درذکر معصیت و خیانت
۴۱) درذکر امراض طبیبان ظاہر و باطن

۴۲) درذکر حیلہ وحرام ومباح ومکروہ
۴۳) درذکر رزق
۴۴) درذکر حلت وحرمت سوال
۴۵) درذکر تواضع وتکبر ومذلت
۴۶) درذکر در رسوم خلق ومزاح
۴۷) درذکر لباس
۴۸) درذکر صحبت
۴۹) درذکر تذکیر ووعظ
۵۰) درذکر امر معروف ونہی عنی المنکر وآنچہ مناسب آنست
۵۱) درذکر تعبیر خواب
۵۲) درذکر سخاوت وبخل
۵۳) درذکر مناسبت بین الشیئین
۵۴) درذکر سفر
۵۵) درذکر زیارت قبور وآداب آن ومناسب آن
۵۶) درذکر حیات وممات
۵۷) درذکر سوء خاتمت وعقاب مرگ وتمنا
۵۸) درذکر عمارت خانہ کعبہ وتحقیق افلاک ومناسب آن
۵۹) درذکر ولادت مولود
۶۰) درذکر سماع وکیفیت آن بیان حلت وحرمت
۶۱) درذکر حل ابیات وتاویل زلف وخال وآنچہ مناسب آن
۶۲) درذکر آداب مشائخ
۶۳) درذکر وعدو وعید ولعنت بر شیطان

صاحب بزم صوفیہ معدن المعانی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

"اس میں نہ صرف خاص صوفیانہ نکات بلکہ مذہب حدیث اور علم پر بھی مباحث ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقد ہائے لاینحل حل کئے جاتے تھے بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت، اوامر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی۔ انہی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت مذہب اور تصوف دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پر تو تھے۔" (بزم صوفیہ: ص ۳۷۹)

اس کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ابوالفضل ہمیشہ اسے پیش نظر رکھتا تھا اور کبھی بھی اسے جدا نہیں کرتا تھا۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ معدن المعانی کی حیثیت ملفوظات کے زمرہ سے الگ ہو کر مستقل ایک تصنیف کی ہوگئی ہے۔ مجالس کے اہتمام اور تاریخوں کے التزام کو نظر انداز کر کے اور ابواب کے تحت صرف ایک ہی عنوان پر مکمل بحث نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت میں اضافہ کیا ہے گرچہ درمیان مین عنوان سے علیحدہ ہو کر بھی بعض سوالات موضوع بحث بن گئے ہیں، جو اسے ملفوظات کی صف میں کھینچ لاتے ہیں اور یاد دلاتے رہتے ہیں کہ معدن المعانی ملفوظات ہے اور کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مخدوم کی زبان سے ان کے نجی حالات پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔ ابواب کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوبات میں مضامین کی جس طرح درجہ بندی کی گئی تھی اس کو اس کتاب میں بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اور تصوف و سلوک کی تعلیم ایک مبتدی کے لئے جس انداز پر ہونی چاہئے اور ان باتوں کا جس ترتیب سے علم ہونا چاہئے اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے مثلاً پہلے عقائد کی درستی، طہارت ظاہری، عبادات وغیرہ سے گزر کر قلب کی صفائی اور اصلاح حال کی تعلیم اور اسرار و رموز راہ سلوک سے آگاہ فرماتے ہیں۔

---

[1] مضمون مطبوعہ معارف اعظم گڈھ ماہ فروری ۱۹۵۷ء

کتاب کی ابتدا حضرت زین بدر عربی کے الفاظ میں حمد وثنائی کبریا اور نعت سرور کائنات سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم کی مجلسوں کا حال لکھتے ہوئے ان کے ملفوظات جمع کرنے اور خصوصیت کے ساتھ کتاب معدن المعانی کی ترتیب کی شکل اور وجہ بیان کرتے ہیں اور ابواب کی فہرست پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ملفوظات مخدوم جہاں کا آغاز پہلے باب میں اس طرح کرتے ہیں:

''باب اول: در ذکر اثبات وجود حق تعالی وحدانیت وجل جلالہ۔ ذکر در وجود ہستی حق افتاد بندگی مخدوم متع اللہ المسلمین بطول بقایہ فرمود کہ ہر ذرہ از ذرات عالم گواہی میدہد بدیں چہار چیز۔ یکی آنکہ بزبان حال میگوید کل من معدوم بودم و بخودی خود موجودہ نشدم ۔۔۔۔''

جو اہم باتیں اس کتاب سے حضرت مخدوم کی زندگی کے متعلق معلوم ہوتی ہیں، ان میں ان کے بچپن کے واقعات، تعلیمی حالات، خانقاہ کی تعمیر اور ان کا مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہونا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اپنی ابتدائی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں:

''در ایام خوردگی چندیں کتابہا مارا یاد کردانیدند۔ چنانکہ مصادر، مفتاح اللغات، وجز آن در کتابہا۔ ومفتاح اللغات جزوی بیتی خواہد بود۔ مقدار یک جلد یاد کردانیدند و ہر بار یاد تمام می شنیدند۔ یالیت۔ بجای آن قرآن بادمی کردانیدند'' (باب ہشتم)

اس عبارت سے گرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں قرآن حفظ نہ کرنے کا افسوس تھا لیکن اسی کتاب کی ایک دوسری عبارت اس کا ثبوت ہے کہ حضرت مخدوم کو نہ صرف معانی ومطالب قرآنی پر پوری دسترس تھی بلکہ آیات قرآنی کے حوالہ کے لئے لوگ ان سے رجوع کیا کرتے تھے اور ان کے حافظہ پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔ صاحب سیرۃ الشرف اگرچہ اس عبارت کو حضرت مخدوم کی بذلہ سنجی کے عنوان سے پیش کرتے ہیں

لیکن اس کا تذکرہ حضرت مخدوم کے حفظ قرآن کے ثبوت میں کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''در سنار گاؤں برادر مولانای ما مولانا زین الدین نام داشت او را قرآن نیکو یاد بود در وقت سبق خواندن اگر در سبق کسی آیتی برای تمسک حکمی آمدی در آن محل مولانای ما محتاج این می شدند کہ در کدام سورۃ است۔ مولانا زین الدین نشستہ بودی۔ دریافتی کہ مولانا سمع کی کنند کہ این آیت در کدام سورہ ہست۔ برای طیبت و حرکت زبانی خاموش ماندی و دم نہ زدی و یاراں چشمک دادندی کہ اکنوں کہ خواہد گفت بعدہٗ مولانا روی مبارک سوی اوی آوردند و می گفتند کہ بس کنید۔ بگو کہ در کدام سورہ است بعدہٗ گفتن کہ در فلاں سورہ است'' (باب ٦)

باب ششم ہی کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ تبرکاً لڑکوں کے مکتب حضرت مخدوم سے کرایا کرتے اور مکتب میں آج ہی کی طرح شیرینی وغیرہ کا رواج تھا۔ حضرت مخدوم مکتب کے بعد دعا دے کر بچے کو رخصت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مخدوم اپنی مجلسوں میں صرف ذکر واذکار اور مسالک تصوف پر زبانی گفتگو ہی نہیں فرماتے بلکہ درس و تدریس کا سلسلہ بھی قائم تھا۔ صوفیانہ ادب اور اسرار و رموز راہ سلوک سے متعلق کتابیں مثلاً عوارف المعارف آداب المریدین وغیرہ کا باضابطہ درس ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کتاب کے باب ۳۵ سے اس کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔

عبارت کتاب صاف اور زبان شستہ ہے۔ ہر موضوع پر مدلل بحث موجود ہے۔ درمیان میں اگر کوئی دوسری بحث آتی ہے تو اسے بھی دلائل و براہین اور حوالہ جات سے اس طرح سمجھاتے ہیں کہ سائل کی پوری پوری تشفی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اپنے موضوع کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ حضرت زین بدر عربی کو زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل ہے۔ نہ صرف یہ کہ حضرت مخدوم کے بیان کردہ معانی و مطالب کو وہ رقم کرتے ہیں بلکہ مجلسوں کا نقشہ بھی اکثر بڑی خوبی سے کھینچتے جاتے ہیں۔ اظہار خیال کی غرض سے اشعار کا استعمال بھی کیا گیا ہے، لیکن اتنی کثرت سے نہیں جتنی مکتوبات میں

تھی۔ اشعار کے ماخذ کا پتہ چلانا بھی ایک اہم تحقیقی کام ہے۔ اور میرے خیال میں تحقیق کا یہ ایک جداگانہ موضوع بن سکتا ہے، کیونکہ استاذی پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن صاحب کاکوی مدظلہ نے معدن المعانی ہی میں عرفی کے بعض الحاقی اشعار کی نشاندہی کی ہے۔[1] قرینہ اغلب ہے کہ متاخرین نے کتابت کے وقت اپنی پسند اور موضوع کی مناسبت سے متاخرین ہی کے اشعار بعد میں شامل کر لئے ہیں۔

حضرت مخدوم کی خانقاہ بہار شریف کی تعمیر کے بعد ان کے مسند سجادگی پر جلوہ افروزی اور اہتمام دعوت و مجلس سماع کا نقشہ دیکھئے۔ لکھتے ہیں:

''عمارت خانقاہ معظم تمام شدہ بود۔ مجد الملک صوعف قدرہ استعداد دعوت آورد و جملہ لنگر داران را و صوفیاں را و مریدان شیخ نظام الدین را حاضر گردانید۔ از اول مجلس تا آخر در صحن جماعت خانہ سماع بود و مقامی علیحدہ مشتمل بر یک حجرہ و رواق برای بندگی مخدوم عظمۃ اللہ راست کنانیدہ بود۔ بندگی مخدوم عظمۃ اللہ مصلی بلغار کہ سلطان محمد خلد اللہ ملکہ از دہلی بہ بندگی مخدوم فرستادہ بود ہم دراں مصلی جلوس فرمودہ الغرض گوئندگان در سماع ایں بیت گفتند

گفتم ای خورشید حشر آخر بریں سو تابش
گفتا کہ خسرو باش تا صبح قیامت برند

قاضی اشرف الدین عرض داشت کہ آخر مصرعہ بر وعدہ حمل کنند۔ بندی مخدوم عظمۃ اللہ فرمود کہ ------ (باب ٦١)

حضرت مخدوم نام و نمود کو کسی حد تک ناپسند فرماتے تھے۔ وہ اسی باب کی اگلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: بندہ اطاعت امر سے خارج نہیں۔ مجبوراً یہ مصلی اور خانقاہ کی رہائش اختیار کرنی پڑی ہے، ورنہ فقیر کو ان سب چیزوں سے کیا کام؟

---

[1] مضمون روزنامہ صدائے عام پٹنہ مورخہ ۲/ مارچ ۱۹۶۳ء

معانی و مطالب کے لحاظ سے جو ترتیب ابواب کی قائم کی گئی ہے اس کی وجہ سے واقعات مقدم و موخر ہو گئے ہیں۔ مثلاً باب (٦١) میں خانقاہ کی تعمیر اور اس کی افتتاحی مجلس کا ذکر ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے کی مجلسوں میں واضح الفاظ میں خانقاہ میں درس و تدریس اور مجلسوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ درج کرنے سے قصداً احتراز کیا گیا ہے تاکہ یہ تقدیم و تاخیر ابواب کی ترتیب پر اثر انداز نہ ہو۔

خوانِ پُر نعمت

مطبوعہ: مطبع احمدی، محلہ مغل پورہ، پٹنہ۔ سال طباعت ۱۳۲۱ھ صفحات ۱۲۴ ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۹ سطریں۔ جامع حضرت زین بدر عربی۔

کتاب کے آخری دو صفحات صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱ پر حضرت مخدوم کی منثور (نثر میں) مناجات ہے۔ اس کے بعد ۳ صفحات پر حضرت شاہ امین احمد بہاری کی ۳ غزلیں شامل کر دی گئی ہیں۔ حضرت زین بدر عربی نے معدن المعانی کی ترتیب و تالیف کے بعد ۱۵ ر شعبان ۷۴۹ھ سے آخر ماہ شوال ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات کو اس میں شامل کیا ہے۔ دیباچہ کتاب میں خود تحریر فرماتے ہیں:

> "بعد از اتمام جلد اول ہم از ملفوظ مخدوم کہ نامش معدن المعانی شدہ است از پانزدہم ماہ شعبان عمت میامنہ سن تسع و اربعین و سبعمائیۃ تا آخر ماہ شوال سن احدی و خمسین و سبعمائیۃ در سمع قاصر و فہم ناقص ایں بیچارہ رسید را عنایت و توفیق الٰہی جل ذکرہ چہ لفظ عین عبارت و چہ معنی آں درطی کتاب آوردہ شد۔"

مجموعہ کے نام کے سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں:

> "------ و ہر درماندہ کہ محتاج کار دیں بود در رشتہ حبل متین چنگ درزند و نعمت جمعیتین برگیرد کہ ایں خوانی است پُر از نعمت و جہانی است پُر اش آثار رحمت۔ بیت

گو جہانی بر خورد زین خوان پُرنعمت مدام
زین مسکیں رابس است از ریزہ بخشند ازان

جامع ملفوظ نے گرچہ اس مجموعہ خوان پُرنعمت کو معدن المعانی کی دوسری جلد کا درجہ دیا ہے جیسا اس کہ دیباچہ کی عبارت مذکورۃ الصدر سے ظاہر ہے، لیکن یہ مجموعہ بعض خصائص کی بنا پر معدن المعانی کے ہم پلہ نہیں۔ مثلاً یہ کہ معدن المعانی کی ترتیب مستقل تصنیف کے طور پر ابواب کے ذریعہ کی گئی ہے جب کہ اس کی مجالس کے ذریعہ ہے۔ معدن المعانی کو خود جامع ملفوظ کے قول کے مطابق حضرت مخدوم جہاں نے اول سے آخر تک دیکھا اور مطالعہ فرمایا تھا اور بقدر ضرورت کہیں کہیں اصلاح بھی فرمائی تھی۔ لیکن اس مجموعہ کے سلسلے میں جامع نے کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے۔ چنانہ یہ ملفوظ صحت کے اس درجہ کو نہیں پہنچتا جو معدن المعانی کا ہے۔ مجالس کے شروع میں تاریخ اس مجموعہ میں بھی درج نہیں کی گئی ہے۔ لیکن مجموعہ کی قدر و قیمت تاریخ اور سال تالیف کے تعین سے معدن المعانی کے معاملے میں بڑھ جاتی ہے۔ معدن المعانی کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ لیکن اس کے آغاز و اختتام کے حدود متعین ہیں۔ اس وجہ سے حضرت مخدوم کے حالات زندگی سے متعلق اس ایک کارآمد تاریخی دستاویز تصور کیا جا سکتا ہے۔

۷۴ مجالس پر مشتمل اس مجموعہ کی مجلس اول کا آغاز حضرت مخدوم کے بخار میں مبتلا ہو کر صحت یاب ہونے کے تذکرے سے ہوتا ہے۔ تحریر ہے:

> ”مجلس اول۔ سعادت زمیں بوس بدست آید۔ درآں وقت اندام مبارک بندگی مخدوم عظمت اللہ فی قرب الاقرب چند روز اندک مایہ تکسر داشت وتپ کی آمد از فضل حق تعالیٰ بصحت بدل گشتہ بود۔ (ص ۳)“

اس کے بعد بزرگوں اور انبیاء کے تپ میں مبتلا ہونے اور اس کی صفت پر حضرت مخدوم نے جو حیرت کا اظہار فرمایا ہے اسے قلم بند کیا گیا ہے۔ پھر حضرت مخدوم ہی کے الفاظ میں موت کا تذکرہ ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبض روح کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بہشت میں اس وقت جو تین حضرات مکین ہیں ان کا تذکرہ ہے۔ پھر حضرت آسیہ کے ایمان لانے اور فرعون کے دست تظلم

سے محفوظ رہنے کو بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ حضرت آسیہ کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں اسے بتایا گیا ہے۔ پھر فضیلت علم کا بیان ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ کوئی ولی جاہل نہیں ہوا ہے۔ سی طرح ہر مجلس میں مختلف موضوعات پر بحثیں ملتی ہیں۔ جہاں موضوع بحث بدلا ہے وہاں ''مخدوم عظمۃ اللہ فرمود'' یا ''فلاں کس عرض داشت'' یا ''سخن در فلاں بحث افتاد'' کے الفاظ لا کر ماقبل کی عبارت سے اسے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں تمام مجالس کی تفصیل ان کے موضوعات بحث کے ساتھ درج کی جاتی ہے:

مجلس	
۲	چھینکنے پر الحمدللہ کہنا نعمت ہے۔ خطبہ جمعہ کے وقت الحمدللہ کہنا چاہئے یا نہیں؟
۳	نماز معکوس رسول اللہ ﷺ نے کتنی بار ادا کی ہے۔ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر کا قول ہے کہ پیغمبر ﷺ کی سنت سے جو کچھ مجھ تک پہنچا ہے اسے میں نے کیا سوائے تین چیزوں کے۔ سنت و بدعت کا بیان۔
۴	حالت طواف میں ایک درویش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ستر بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ کیا ایسا ممکن ہے۔ اس کا شافی جواب۔ خواجہ احمد سرخ کی چلہ کشی کی حکایت۔
۵	مسافروں کا مسجد میں قیام کرنا۔ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی
۶	صف کے اوپر علیحدہ مصلی بچھا کر نماز پڑھنے کے بیان میں برہنہ پا مسجد میں آ کر نماز ادا کرنے کا ذکر۔ چونا کھانے کا بیان کہ حرام ہے یا حلال آبریشم سے جوڑہ باندھنے کا ذکر۔ حدیث کس کو کہتے ہیں۔ وحی خفی کا بیان جو رسول کے حق میں وحی ہے اور اولیا کے حق میں الہام۔ حمائل شریف کو گردن میں کس جانب لٹکانا چاہئے۔ کلام اللہ اگر کوئی دے تو اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا چاہئے۔ کتب فقہ کا بھی یہی حکم ہے۔

۷	بغیر وحی الٰہی کے نبی اکرم ﷺ سوال کا جواب دیتے تھے یا نہیں۔ دین کے کام پر مستعد ہونے اور اس سے رغبت ہونے کا ذکر۔ حاجی ابو سعید کی مجلس میں حضرت مخدوم کی حاضری اور ان کے احوال کا ذکر۔ حضرت مخدوم کا ان کے احوال سے متعلق چند کلمات فرمانا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد کرنے کے فضائل ومحاسن اور ترغیب۔ ذکر قدرت و کرم باری تعالیٰ۔
۸	درد ومحبت کا تعلق مشغولی باطن سے ہے اور اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے اجتناب کرنا ظاہر کے تعلق سے ہے۔ اقسام فرض۔ ذکر قابلیت وعدم قابلیت۔ نماز میں خشوع وخضوع کی کیا حد ہونی چاہیے۔ بزرگوں سے نماز میں سہو ہو جاتا ہے۔ توضیح حدیث من زنی بامراۃ ثم نکحھا فھما زانیان ابدا۔ اگر کوئی شخص گناہ کرے تو اپنے گناہ کو پوشیدہ رکھے یا اسے ظاہر کر دے؟ ذکر سالک کس کو کہتے ہیں۔ ماں باپ کی خدمت کی فضیلت۔
۹	مزارات پر کھانا وغیرہ دینا یا ایصال ثواب کے لئے فقراء کو روزانہ کھلانا کیسا ہے۔ مسلمان کا کھانا کھانا بھی عبادت ہے۔ اگر کوئی شخص فاتحہ دل میں پڑھے زبان سے کسی کی روح کو نہ بخشے تو اس کا کیا حکم ہے۔
۱۰	حضرت ابوبکرؓ نے اپنا مال واسباب نبی اکرم ﷺ کے حضور پیش کر دیا اس کا ذکر۔ شادی بیاہ میں عورتوں اور مردوں کا اجتماع رسم قدیم ہے۔ شرائط صحبت صوفیا۔ اوصاف حمیدہ کا بیان۔
۱۱	جب انسان فوت کر جاتا ہے تو روح بھی فوت کر جاتی ہے یا

اپنے حال پر رہتی ہے۔ شرح شعر۔

۱۲ خواب میں سر کو بدن سے الگ دیکھنے کی تعبیر اور دوسرے خوابوں کی تعبیر۔

۱۳ تعبیر خواب۔ شان نزول آیۃ تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى.

۱۴ قبر میں منکر نکیر کیا سوال کریں گے؟ کسی کی مدد کی کوشش کرنی تمام عبادات سے افضل ہے۔

۱۵ کیا ایک ساعت کا غور و فکر سالہا سال کی عبادت سے افضل ہے؟ بعض لوگ نماز کو ترک کر دیتے ہیں اور غور و فکر کو کافی سمجھتے ہیں ایسا کرنا غلط ہے۔

۱۶ حیوان کا انسان کے ساتھ قول میں اشتراک ہے۔

۱۷ فضائل شب جمعہ۔ ذکر سورہ یوسف اور اس پر جو اعتراضات ہیں ان کا بیان۔ حضرت موسیٰ کا هی عصای کہنے پر اعتراض اور ان کے سانپ سے ڈرنے کا ذکر۔ وادی مقدس میں طویٰ عصائے موسوی کو سانپ بنا کر دکھانے میں کیا حکمت تھی۔ حضرت موسیٰ کا فرعون کو دعوت اسلام دینا اور ان کے معجزات کا ذکر۔

۱۸ عذاب و راحت قبر۔ فرعون کو دعوت اسلام دینے کے لئے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہارون کا شریک ہونا۔ اپنی ضرورتیں پروردگار عالم کے حضور عرض کرنا جائز ہے۔ دنیاوی ساز و سامان سے نفس کو آرام پہنچانا حرام نہیں ہے۔

۱۹ حضرت جبرئیل نے نبی کریم تک پانچ آیتیں پہنچائیں۔ قیامت کے روز زمین و آسمان نہیں رہیں گے اور دوزخ اوپر چلا جائے گا اس میں کیا حکمت ہے۔ دیدار باری تعالیٰ کافروں کو بھی ہوگا مگر صرف ایک بار۔

❀❀❀❀❀

ملفوظ الصفر :

قلمی مکتوبہ سید شاہ اسد اللہ منیری بتاریخ ۲۸ محرم ۱۳۱۸ھ۔ اوراق ۳۷

۱۶ سطریں فی صفحہ۔ جامع: حضرت زین بدر عربی

اس مجموعہ میں ۲۳ صفر شب یکشنبہ ۷۶۲ھ سے ۱۵ جمادی الآخر روز چہار شنبہ ۷۶۲ھ تک کے ملفوظات درج ہیں۔ تاریخیں مسلسل نہیں۔ بلکہ درمیان میں کئی کئی تاریخیں منقطع بھی ہیں۔ ہر مجلس کو تاریخ وار شروع کیا گیا ہے۔ اور ایک مجلس کو دوسری مجلس سے علیحدہ کرنے کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ آغاز مجلس میں تاریخ درج کر دی گئی ہے۔ ایک ہی روز میں چند مجلسیں بھی درج ہوئی ہیں لیکن اہتمام والتزام سے۔ موضوع سخن اگر کسی مجلس میں بدلا ہے تو اس کے لئے ''ذکی افتادہ'' یا ''باز بیچارہ'' ''فلاں کس عرض داشت کہ ---'' و ''بندگی مخدوم عظمۃ اللہ فرمود'' کے الفاظ لائے ہیں۔

بعض مسائل جو اس ملفوظ سے قبل والے ملفوظات میں بتصریح بیان ہو چکے ہیں انہیں اختصار کے ساتھ بیان کر کے سابقہ ملفوظات کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ مثلاً وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنے کی تاکید اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے۔

> ''وایں قصہ نیز با فواید عواید مناسب ابتلاء است در ملفوظ اول و پنجم بندگی مخدوم عظمۃ اللہ مستوفی ایں بیچارہ عشتہ است تا اگر کسی را بزیادت عشق باشد از آنجا طلبد (ص ۱۱ب)''

اسی طرح حضرت مخدوم جہاں کے علیل ہونے پر خواجہ نصیر الدین (موالی کا علاج کے لئے دریافت کرنے پر حضرت موسیٰ کی علالت اور ان کا توکل علی اللہ کا واقعہ بیان کرنا اور پھر ہر چیز کی علت، سبب اور واسطہ کی وضاحت فرماتے ہوئے حاضرین کی تشفی کرنے کا جو ذکر آیا ہے تو وہاں پر بھی سابق ملفوظ کا حوالہ دے کر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"واین حکایت بفوائد کثیر کہ در ضمن این رفتہ
است در ملفوظ ششم وپنجم متوفی این بیچارہ نوشتہ است۔ اگر
طالب صادق راعشق باشد از آنجا روشن کند کہ لطائف بسیار
دارد (ص ۱۰۱الف)"

حوالہ جات، مندرجہ بالا سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت زین بدر عربی اس ملفوظ سے قبل ۶ مجموعہ مرتب کر چکے تھے اور غالباً اس کا نمبر ساتواں ہے۔ ویسے ملفوظات کے مجموعوں کی تعداد اس سے کم نہیں۔ لیکن ترتیب متعین کرنا مشکل ہے کہ یہ چوتھا ہے اور یہ پانچواں۔ بعض مجموعوں کے شروع میں صراحت کردی گئی ہے، اس لئے اس کے متعلق حکم لگایا جا سکتا ہے، بقیہ کے متعلق کچھ کہنا ممکن نہیں۔ کتاب کا آغاز حمد رب جلیل اور صلوٰۃ سید المرسلین کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلی مجلس کی تاریخ اور اس کے موضوع کے متعلق بھی علم ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زین بدر عربی ایک عرصہ کی غیر حاضری کے بعد حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس اثنا میں خود ہی لکھتے ہیں کہ وہ مشغول سفر تھے:

"وقت پاک بندگی مخدوم عظمۃ اللہ تعالیٰ سفر ختم اللہ
بالخیر والظفر بست وسوم ماہ شب یک شنبہ اثنی وستین وسبعماتیہ
سعادت خاک بوس آستانہ علیا و دولت دیدار بعد از شش ماہ و
شانزدہ روز کہ در سفر فرودست گزشتہ بود بعد از شام بین العشائین
حاصل آمد۔ الحمدللہ علی ذالک۔ چون این بیچارہ بدولت زمین
بوس خوندگار مشفق و پیر بزرگوار مخدوم جہاں عظمۃ اللہ وتمتع
المسلمین بطول بقایہ مشرف شد۔ چند سخن از ایں بیچارہ از تشویش
خلق فرودست کہ از جہت لشکر قاہر فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ بود پرسید و
برلفظ مبارک راند کہ حالا این زمان در خانہ برد"

اس طرح تاریخ وار ہر روز کے واقعات اور فرمودات حضرت مخدوم جہاں اپنے الفاظ میں نقل کرتے جاتے ہیں۔ تاریخ کے اندراج کی وجہ سے اس مجموعہ کی

تاریخی حیثیت ووقعت اس سے پہلے کے ذکر کردہ ملفوظات سے بلاشبہ زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ لیکن معدن المعانی کی طرح جامع ملفوظ نے اس مجموعہ کو تالیف کے بعد حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش کرنے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مخدوم نے اس پر اصلاح نہیں فرمائی۔ اس حقیقت سے معدن المعانی کو اس مجموعہ پر افضلیت حاصل ہے۔

تاریخ وار جن مباحث پر حضرت مخدوم نے گہر افشانی فرمائی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۲۳ رصفر ۷۶۲ھ شب یک شنبہ:

حضرت زین بدر عربی کے ایک عرصہ تک غیر حاضر رہ کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہونے اور فیروز شاہ تغلق کے لشکر کے سلسلے میں کچھ باتیں حضرت مخدوم سے دریافت کرنی۔

بارخ مذکورہ: تشریح اشعار حضرت عطار ان کے دیوان سے۔ فلسفہ حیات و ممات۔ جو شخص دوسروں کے عیب پر نظر رکھتا ہے اپنے عیب سے بے خبر رہتا ہے۔

۲۴ رصفر: نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کا بیان۔ فرض کے بعد کی سنت میں آیۃ الکرسی پڑھی جائے تو اس سے فوائد حاصل ہوں گے یا نہیں۔ توضیح قول "الشیخ یحیی ویمیت اور اختیار اولیاء

۲۵ رصفر: طریقہ تعزیت، قبرستان جانے اور سیوم میں قرآن وغیرہ پڑھنے کی رسم پر اظہار خیال۔ اپنی مذمت آپ کرنے کے سلسلہ میں کیا حکم ہے اس ضمن میں حضرت موسیٰ کی ایک حکایت۔ بحث ایمان واسلام اور مرتبہ مومنین۔

۲۶ رصفر آخری چہار شنبہ:

اس ماہ میں نبی کریم ﷺ رحمت وعلالت کا غلبہ۔ گرچہ علالت کا سلسلہ حجۃ الوداع کے بعد ہی شروع ہوا تھا۔ صبر وضبط بلاشبہ

اچھی چیز ہے لیکن معاملات عشق میں اس کی گنجائش نہیں۔
توفیق خیر و تحریک شر کو استعداد کہتے ہیں۔ بندہ کے اختیار میں نہیں لیکن سعی و کوشش پر وہ مختار ہے۔ مسئلہ قضاء وقدر۔

۲۷رصفر: توجیح قول الا ستطاعة مقارنة للفعل وهی تصلح الضدین ۔ مسند قضاوقدر میں حکم سکوت۔ یزید پر لعنت بھیجنے میں اختلاف علما۔ علم نجوم کے متعلق حکم۔

۲۸رصفر: موراور گینڈے کی حلت کا حکم اوراس پر دلیل۔

۲۹رصفر: عقیدۂ گروہ صوفیا اوران کے اقوال۔

۳رربیع الاول: اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کسی گروہ سے متعلق کرلے اور اپنے اعمال و اخلاق میں ان کی پوری پوری اتباع کرے تو وہ اس گروہ میں شمار ہوگا یا نہیں۔

۲۰رربیع الاول: حضرت مخدوم کی علالت اور خواجہ نصیر الدین و موالی کا علاج کے لئے دریافت کرنا اور حضرت مخدوم کا حضرت موسیٰؑ کا واقعہ علالت بیان کرنا۔ اجنہ کا گزری ہوئی باتوں کا علم رکھنا۔ بیان لطافت دل۔ کافرانہ الفاظ سے جو منتر پاک ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ابتلا و مصائب کا ذکر۔ کسی سے وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنے کی تاکید۔ بلی کے جوٹھے کے طاہر ہونے کا بیان اور ثبوت۔

۱۸رربیع الاول: ختم قرآن اجرت لے کر کرنا درست ہے یا نہیں۔

۲۰رربیع الاول: اسمای باری تعالیٰ میں سے شکال ومکار کے معنی ومطالب کا بیان

۲۳رربیع الاول: اگر کوئی مسلمان حرام شئے مثلاً شراب پی لے تو اس کے ساتھ کھانا درست ہے یا نہیں۔

۲۴رربیع الاول: خطبہ جمعہ کو طویل نہیں ہونا چاہئے۔ گروہ اغیار کے ساتھ محبت کرنے کا حکم۔

۲۴ ربیع الاول: بیان تفکر۔ ذکر نیت۔

ا ربیع الآخر: چاند نکلنے کی مبارک باد دینے کے لئے لوگوں کا حضرت مخدوم کے پاس آنا۔ مجلس میں اسمائی باری تعالیٰ کا ذکر، پھر اسم اعظم کی تحقیق۔

۶ ربیع الآخر: قول امام شافعیؒ انا مومن انشاء اللہ پر بحث اور مسلک اہل سنت والجماعۃ

۷ ربیع الآخر: حجاب اور اس کی قسموں کا بیان۔

۱۲ ربیع الآخر: ذکر شوق و رغبت اور مصرعہ 'جمالی در نظر و شوقی ہم چناں باقی' کی تشریح۔ صفات خداوندی۔ عاشق جب معشوق کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا ہے تو پھر حضرت زلیخا نے حضرت یوسف پر الزام کیوں عائد کیا اور ان کی ہلاکت کے درپے کیوں ہوئیں اوصاف عشق، تزکیہ نفس اور ظاہر و باطن کا ذکر، بیان صحو و سکر۔

۱۴ ربیع الآخر: فضائل تسبیح۔

۱۹ ربیع الآخر: دیو کو مارنے اور اس کے مرنے کی خبر کی تردید اور اس کی وجہ۔

۲۰ ربیع الآخر: انبیاء علیہم السلام پر غفلت طاری نہیں ہوتی۔ عتاب کی کیا مدت ہوتی ہے۔ مومنین کی دعا مومنین کے لئے بڑی فضیلت رکھتی ہے۔ اور اس کے بڑے فوائد ہیں۔

ا جمادی الاولیٰ: اللہ تعالیٰ کو دستگیر کہنا چاہئے یا نہیں۔ فضائل علماء۔ داؤد خاں کا مبارک باد کے لئے مع گلدستہ آنا اور تمام پھول حاضرین میں تقسیم کرنا۔ شیخ رستم علیہ الرحمۃ کا واقعہ بیان کرنا۔ لقمہ حلال کا ذکر۔ علماء مکہ کے پاس ہدایا بھیجنے کا ذکر۔

۱۲ جمادی الاولیٰ: ملفوظ شیخ نصیر الدین کا درس۔ عصمت انبیاء کا ذکر اور ملفوظ کے بعض مقامات کی اصلاح۔ یاد حق سے ایک لمحہ کی غفلت کا بدل کچھ نہیں ہو سکتا۔ انبیاء صغائر و کبائر کے مرتکب ہوتے ہیں یا نہیں۔

۱۷ر جمادی الاولیٰ: جو عورت دنیا میں دو شوہر رکھتی تھی قیامت میں کس شوہر کے ساتھ رہے گی۔ کھانا کھانے کے لئے لڑکے کا اپنی ماں کو بلانا درست ہے یا نہیں۔ والدین کی عزت وحرمت کا بیان۔

۲۴ر جمادی الاولیٰ: شب میں عبادت گزاری سے قبل سونے والے کے لئے حکم۔ سنت موکدہ کی تعریف اور حکم۔ وقوف و اعراب قرآنی کی تفصیل اور حکم۔ ذکر حجاج بن یوسف۔

۶ر جمادی الاخریٰ: ذکر وصال مولانا زین الدین خواہرزادہ حضرت مخدوم۔ بدگمانی کا ذکر اور حکم۔ تلقین موتی کا ذکر۔ بیان عشق لیلیٰ ومجنوں۔ محبت کا حق بیان۔

۷ر جمادی الاخریٰ: شہدائی بیابان کے دفن کا طریقہ۔ بیان عقائد معتزلہ۔ تفسیر کشاف کا ذکر اور خواجہ نصیر الدین کے دیوان کی حکایت اور حضرت مخدوم کی تحسین وآفرین۔ آیت **یھدی من یشاء** کی تفسیر ذکر **جزء لایتجزیٰ**۔

۸ر جمادی الاخریٰ: ملک محمود کی جانب سے لنگر اور قوالی کا انتظام۔ حضرت مخدوم کی شرکت پھر وہاں سے واپسی کا نقشہ۔ حضرت مخدوم کی زبان سے حسرت نایافت اور شادی یافت کی توضیح۔

۹ر جمادی الاخریٰ: معنی ومطلب **اللھم اجعلھا ریاحاو لا تجعلھا راجیة**۔ ذکر اجتہاد وفوائد آن۔

۱۱ر جمادی الاخریٰ: غازیوں کی فضیلت وہمت کا ذکر۔ درجہ شہادت۔ واقعہ ہجرت نبوی۔

۱۵ر جمادی الاخریٰ: شہدائے بدر کی قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر نبی کریم ﷺ کا چند کلمات فرمانا اور اس سے موتی کے سرہانے تلاوت کلام اللہ پر استناد۔ آیت فمن کان یرجوا الخ کی تفسیر۔ سحر علم ونظر علماء کا ذکر جو انہیں اپنے علم پر ہو۔ حکایت سلطان شمس الدین۔ مناقب

قاضی قطب الدین کاشانی۔ جو بچے کہ ایام طفولیت میں انتقال
کرتے ہیں ان کے بارے میں حکم۔ ذکر دیدار باری تعالیٰ۔
لذت دیدار کے ساتھ شیدائیان باری تعالیٰ بہشت کے انعام و
اکرام سے متمتع ہوں گے یا نہیں۔

جملہ مجالس اس مجموعہ ملفوظات میں ہیں۔ تریب کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔
لیکن ایک جگہ ۱۰ تا ۱۲ مجالس کی ترتیب کچھ غیر مسلسل ہے اور تکرار تاریخ میں اختلاف
یوم کی بناء پر ترتیب میں بے ربطی بھی پیدا ہوگئی ہے۔ میں نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں
کی ہے۔ دوسرا نسخہ پیش نظر ہوتا تو اس غلطی اور بے ترتیبی کی نوعیت معلوم ہو سکتی تھی۔

راحت القلوب:

مطبوعہ: مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ صفحات ۲۰ بشمول وفات نامہ
ہر صفحہ پر اوسطاً ۲۱ سطریں۔ جامع: حضرت زین بدر عربی

اس مجموعہ میں کل دس مجالس ہیں۔ مجلسوں کے آغاز میں تاریخوں کا تعین
نہیں کیا گیا ہے۔ اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے اس کا سال تالیف معلوم ہو سکا۔ مطبوعہ
اور قلمی دونوں نسخوں میں چونکہ وفات نامہ حضرت مخدوم بھی اس کے آخر میں شامل ہے
اس لئے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ حضرت مخدوم کی اخیر زندگی میں ترتیب دیا گیا ہوگا۔ س
مجموعہ میں حضرت مخدوم کا نام نامی جس انداز میں درج کیا گیا ہے اس سے یہ بات
مترشح ہوتی ہے کہ تالیف کے وقت حضرت مخدوم جہاں کا وصال ہو چکا تھا۔ کتاب کا
آغاز حمد باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے مجموعوں کی طرح حمد کی زبان عربی نہیں
بلکہ زبان فارسی میں اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت
مخدوم کے مجالس میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا گیا اسے اس مختصر مجموعہ میں جس کا نام
''راحت القلوب'' رکھا گیا ہے جمع کرنے کے اہتمام کا ذکر ہے۔ جامع ملفوظ کے
الفاظ یہ ہیں:

''حمد بیحد و بی قیاس حضرت خداوندی را کہ صور
انسانی از کتم عدم بوجود در آوردہ بدرجہ کمال رسانده کہ اصلا فلک و

ملک پیراموں ادراک وحوالی اطلاع آن گز رنتواں یافت۔ اما بعد۔ این کلمات وحل مشکلات کہ ازلسان گوہرفشان پیرروشن ضمیر خود و شیخ نامدرا مقبول از حضرت پروردگار۔ پیروسنن طریقت و دریای کرامت گوہر یکتای سلامت دیباچہ عنوان صحبت خواجہ دیوان موت سلطان العاشقین برہان العارفین الصالحین حجت الدین علی جمیع المسلمین بندگی حضرت شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری نوراللہ مرقدہٗ درسمع این قاصروفہم ناقص انچہ مسموع ومفہوم خاطر گشتہ بہ تحت قلم درآوردہ شدتا سالکان ومحققان درگاہ شہنشاہ را بمطالعہ این مجموعہ مرغوب کہ مسمیٰ بہ راحت القلوب است قوت یقین وشوق درسیروسلوک دین حاصل گردد۔"

انداز بیان اور طرز تحریر میں سابق ملفوظات سے کوئی نمایاں فرق نہیں۔ ہر مجلس میں مختلف مباحث پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ مجلس اول میں رضا وطلب حق کے موضوع پر حضرت مخدوم نے اظہار خیال فرمایا ہے۔ جسے بڑی حسن وخوبی اور صراحت کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہر مجلس کے تحت جو مباحث آئے ہیں انہیں درج کیا گیا جاتا ہے تاکہ مجموعہ پر پوری روشنی پڑ سکے:

مجلس دوم: مبداء و معاد از طریق معرفت۔ اس موضوع پر متکلمانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوران بحث میں ایک شخص بخارا سے آیا اور حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔ پھر عہد نبوی میں بیعت وقصر پر مدلل بحث ملتی ہے۔ اس کے بعد شیخ احمد کا ایک واقعہ بیان کر کے قول المرید لایکون مریدا حتی یاخذ الشیخ شعر راسہ کی وضاحت فرمائی ہے۔

مجلس سوم: ذکر خواجہ اویس قرنیؒ اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کا رقعہ مبارک ان تک پہنچنے کے واقعہ کی تحقیق۔ غزوہ احد میں دندان مبارک کی شہادت اور حضرت اویس قرنیؒ کا تمام دانتوں کو شہید کر دینا

مجلس چہارم: سجدۂ آدم صفی اللہ اور شیطان کا انکار سجدہ۔
مجلس پنجم: مشغولی بدرس وتدریس۔ تذکرہ وحدانیت باری تعالیٰ۔ خدای تعالیٰ کی ہستی کو پہچاننے کے لئے مومن پر عزم بالجزم واجب ہے۔
مجلس ششم: بعد نماز صبح کلام مجید کی تلاوت میں حضرت مخدوم کا مشغول ہونا۔ ایک شخص کا بخارا سے آنا اور سلام کرنا۔ حضرت مخدوم کا جواب سلام دینا۔ لیکن اس کی تعظیم نہ کرنا۔ بعد تلاوت لوگوں کی تربیت اور اس شخص کی تسکین کے لئے آداب تلاوت کلام اللہ بیان فرمانا۔ قرآن زبانی اور ناظرہ کا فرق۔ عظمت وحرمت قرآنی۔ ذکر نسب رسول اللہ ﷺ۔ معجزات نبوی کا بیان۔ پرورش وپرداخت نبوی نبی کریم ﷺ اور دعوت اسلام۔
مجلس ہفتم: نماز جمعہ کے ادا کرنے میں جو اختلاف علماء کے درمیان ہے اس کی صراحت اور طریقہ ادائی نماز جمعہ۔ طریقہ نماز تہجد از جلد ریاحین (نام کتاب)
مجلس ہشتم: فضیلت روز عاشورہ۔ نماز شب عاشورہ۔
مجلس نہم: بعض حضرات صوفیا جو درجہ کمال کو پہنچ جانے کے بعد عبادت کو فرض نہیں جانتے اس کی کیا دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص حرام مال سے صدقہ دے اور ثواب کی امید رکھے تو یہ کیسا ہے۔ سیادت وبزرگی کا ذکر اور سادات مومنین کا بیان۔ تبدیلی نسب پر لعنت۔ اگر کسی کا باپ شیخ ہو اور ماں سید تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ ولادت نبی کریم کا بیان۔ بیان ازواج مطہرات اور اولاد نبوی کا ذکر۔
مجلس دہم: صدف سوختہ سے چونا بنایا جاتا ہے اس کی حلت وحرمت کا بیان۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاکم وقت نے جو زمین نذر کی تھی اسے مولانا آموں کو سونپ دینے کا تذکرہ اور

حضرت آمون کا اس زمین پر مستقل قیام فرمانا۔ حضرت مخدوم جہاں کا برابر مولانا آمون سے ملاقات کی خاطر وہاں جاتے رہنا۔ اور ایک باغ لگانے کا حکم دینا۔

مجموعہ راحت القلوب کے ساتھ ہی وفات نامہ حضرت مخدوم جہاں کے نام سے چند صفحوں کا ایک مختصر رسالہ بھی طباعت پذیر ہوا ہے۔ اس میں حضرت زین بدر عربی نے حضرت مخدوم کی وفات سے قبل کے حالات بڑے موثر انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ اس کی ابتدا ۵ار شوال سے ہوتی ہے اور حضرت مخدوم کی وفات ۶ رشوال کو ہوئی ہے۔ اس طرح چند گھنٹوں کے حالات و واقعات اور فرمودات کو اس انداز میں احاطہ تحریر میں لائے ہیں کہ سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ حضرت مخدوم کا ایک ایک مرید اور معتقد کو بکمال شفقت طلب کرنا۔ تسلی و تشفی کے الفاظ کہنا اور حسب مراتب مصافحہ اور معانقہ فرما کر رخصت کرنا۔ مریدان و معتقدان کا حضرت مخدوم کے غم میں زار و نزار ہونا۔ وفات کے وقت حضرت مخدوم جہاں کی زبان گوہر فشان پر جو الفاظ تھے انہیں بہ تمام و کمال قلم بند کرنا بڑا ہی اثر انگیز منظر پیش کرتا ہے۔ آخری سطروں میں تاریخ وفات و تدفین حضرت مخدوم ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''شب پنج شنبہ ماہ ششم شوال اثنی وثمانین وسبعمایۃ (۷۸۲ھ) بوقت نماز خفتن نقل سلطان العارفین بود۔ روز پنج شنبہ بوقت نماز چاشت تدفین برھان المحققین واقع شد (ص-۳۱)''

گنج لایفنیٰ:

قلمی ناقص آخر ضخامت ۱۰۵ صفحات مملوکہ کتب خانہ بلخیہ فتوحہ، پٹنہ

جامع: حضرت زین بدر عربی

عبدالواسع ضیاء جالوی نے اس کا دوسرا نام ''تحفہ غیبی'' اپنے ایک مضمون مجلہ اشارہ پٹنہ ماہ مارچ ۱۹۶۹ میں لکھا ہے۔ پیش نظر نسخہ کے شروع میں ایک قطع درج ہے جو

کتاب اور جامع کے نام پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے اس دوسرے نام کا پتہ نہیں چلتا۔ شعر

ازیں گنجی کہ لایفنی است یارب
بخشائش بر اہل عشق کن بخش
طفیل آن ہمہ شیران شہباز
سگ در زین را یک حبہ بخش

اس مجموعہ میں یک شنبہ ابتدائی ماہ ربیع الاول ۷۶۰ھ سے ۲۶/ذی الحجہ ۷۶۰ھ تک کے ملفوظات قلم بند کئے گئے ہیں۔ ایام اور تاریخ مجالس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ انداز تحریر شستہ اور شگفتہ ہے۔

مونس المریدین اور ملفوظ الصفر وغیرہ سے اس کی عبارت اور خصوصیات کچھ ملتی جلتی ہیں۔ اشعار، مثنویاں اور غزلیں جابجا درج ہیں۔ ایک جگہ امام محمد اور امام یوسف کا مکالمہ بھی بڑے دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت مخدوم جہاں کے مسلک کے متعلق انہی کی زبان سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تعریف کرتے ہوئے یہ جملہ قلم بند کیا گیا ہے "الحمد للہ کہ مذہب او داریم"۔

ایک مجلس میں شب قدر کی علامتیں اور اس کے مخفی رکھنے میں جو حکمتیں ہیں انہیں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری مجلسوں میں سکرات موت، تلقین میت کی تفصیل اور امام شافعیؒ کا مسلک کے موضوعات پر بحث ہے۔ ان کے علاوہ جن اہم موضوعات پر دوسری مجلسوں میں بحثیں ملتی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

مومنوں پر سکرات موت بطور عذاب نہیں ہوتا۔ فضیلت ابوبکر صدیقؓ۔ قرآن کا نقل بالمعنی درست نہیں۔ تقسیم احادیث کی اجازت اور لفظ اخبرنا اور حدثنا کا فرق۔ تعداد اولیاء حق۔ آگ بہ نسبت ہوا کے زیادہ لطیف ہے اور اس کی مثال۔ فیروز شاہ تغلق کے بہار میں وارد ہونے اور حضرت مخدوم کی زیارت سے فیض یاب ہونے کا واقعہ۔ حضرت مخدوم جہاں سے فیروز شاہ کا سوال کرنا اور ان کا جواب۔

حمد و نعت کے بعد کتاب کا آغاز ایک مختصر دیباچہ سے ہوتا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اما بعد جیدہ ام بدامن امیدواری چند کلمات جان پرور کہ سمع قاصر من از زبان گوہر فشان پیر بزرگوار شیخ نامدار و خواجہ دین بلاد خود و بلاد ارباب طریقت ملجاء و اصحاب حقیقت اعنی حجۃ اللہ فی العالمین سلطان المحبین شرف الحق والحقیقۃ والہدی والدین احمد یحیٰ منیری متع اللہ المسلمین بمطالعہ کلمات عالیہ رارشد المومنین بملاحظہ ملفوظات الصافیہ رسیدہ بفہم من درآمدہ تا والیہان حضرت پاک را از مطالعہ ایں کلمات مرشد ولولہ مزید گردد و دیوانگان محبت را در جنون ایشان فتون روائح وصلت بیفزاید۔"

عبارت مندرجہ بالا نقل کرنے کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مجموعہ حضرت شیخ شہاب الدین عماد حالقی کے مجموعوں کی طرح دیگر ملفوظات حضرت مخدوم سے مستنبط اور مستخرج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زین بدر عربیؒ کے جمع کردہ دوسرے ملفوظات کے انداز بیان اور اس میں کچھ فرق بھی ہے۔ مثلاً جہاں موضوع بدلتا ہے وہاں کبھی تو "بندگی مخدوم عظمۃ اللہ فرمود" کا لفظ لاتے ہیں اور کبھی "بندگی مخدوم علمیان فرمود" کے الفاظ لاتے ہیں۔

بحرالمعانی:

اس کے تین نسخے تین ناموں سے تین مختلف مقامات پر دستیاب ہوئے، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کتب خانہ بلخیہ فتوحہ، پٹنہ میں جو نسخہ ہے اس کا نام بحرالمعانی ہے۔
سال تحریر ۷۵۷ھ ہے۔

(۲) کتب خانہ قادریہ اسلام پور پٹنہ میں جو نسخہ ہے اس کا نام تحفہ غیبی درج ہے۔

(۳) کتب خانہ سجادیہ محل پر بہار شریف کے نسخہ پر کنز المعانی تحریر ہے۔

تینوں نسخے قلمی ہیں اور ان کی عبارت لفظ بہ لفظ ایک ہے۔ اچھی طرح سے ملالیا گیا ہے۔ اسلام پور کے نوشتہ میں جامع کا نام حضرت زین بدر عربی تحریر ہے۔ بقیہ

نسخوں میں اس سلسلہ میں خاموشی ہے۔ میرے پیش نظر کتب خانہ بلخیہ کا نسخہ ہے اس لئے صفحات وغیرہ سے متعلق تفصیلات اسی کی روشنی میں ہیں۔

صفحات: ۱۹۱ تعداد مجالس ۳۲ از اوائل ماہ شعبان تا ماہ صفر ۷۵۷ھ۔

اس مجموعہ میں بھی ملفوظ الصفر وغیرہ کی طرح تاریخ وار مجالس بیان کرنے کا اہتمام بطور خصوصی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ انداز بیان اور طرز تحریر گزشتہ ملفوظات سے ملتا جلتا ہے۔ بعض مسائل پر متکلمانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً مراتب آدمی کے عنوان کے تحت انسان کے ۹ مرتبے مقرر کرتے ہوئے آخری مرتبہ نبوت کو بتایا ہے۔ اسی طرح دوسرے مسئلوں پر بھی نقلی اور عقلی دونوں دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ ایک مجلس میں عجز ادراک حقیقت کے موضوع پر گہر افشانی فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

''راہ حقیقت چونکہ مسدود ہے اس لئے حقیقت تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔''

ہیچ دل را بکنہیہ او راہ نیست جان و عقل از کمالش آگاہ نیست

دل و عقل از جلال او خیرہ تن و جان از کمال او خیرہ

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا کو خدا کے ذریعہ ہی پہچان سکتے ہیں اور اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے وما کنا لنهتدی ان هدانا الله ہم ہدایت نہ حاصل کر پاتے اگر اللہ ہمیں راہ ہدایت نہ دکھلاتا تو اس سے مراد خدا کی ہستی اور یگانگی کی معرفت ہے اور یہ عین ممکن ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مقولہ العجز عن الادراک کا مطلب بھی معرفت کی کنہیات کا ادراک ہے نفس معرفت کا نہیں۔

اسی طرح شکایت زمانہ کے عنوان پر زبان گہر فشاں سے ارشاد ہوتا ہے:

شب و روز کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں اور حوادث و واقعات خدای عز و جل کی مشیت اور تقدیر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ شب و روز یا زمانہ کا اس میں کچھ تصرف نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں زمانہ کی شکایت کرنا یا اسے برا بھلا کہنا بے سود ہے۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل اہم عنوانات پر بھی بڑی تفصیل سے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسماء باری تعالیٰ۔ حکمت اثبات کا ذکر۔ حقوق العباد کی قسمیں۔ شہود اور مشہود کی تعریف۔ فضائل علم۔ ارکان حج اور اس کے فضائل۔ وقوف عرفات کی اہمیت۔ اقسام طواف اور واجبات حج وغیرہ وغیرہ۔

مخ المعانی:

مطبوعہ: مطبع مفید عام آگرہ سال طباعت ۱۳۱۲ھ

صفحات ۱۵۸ ہر صفحہ پر ۲۱ سطریں

تمہید کتاب میں ناشر نے اس ملفوظ کے جامع کا نام حضرت زین بدر عربی لکھا ہے، لیکن صاحب سیرۃ الشرف اور بزم صوفیا نے اس سے اختلاف کیا ہے اور جامع کا نام سید شہاب الدین عماد حالقی تحریر کیا ہے۔ اس کا سال تالیف معلوم نہیں۔ لیکن مقدمہ کتاب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ملفوظ حضرت مخدوم کے دوسرے ملفوظات کا ملخص اور مستخرج ہے۔ اور تالیف کے بعد اسے بھی حضرت مخدوم کی نظروں سے گزارا گیا ہے۔ حسب ضرورت حضرت مخدوم نے اس میں بھی معمولی ترمیم و تنسیخ اور اشعار وغیرہ کا اضافہ کیا ہے۔

صاحب بزم صوفیا نے اس میں شامل مجلسوں کی تعداد ۵۱ درج کی ہے۔ حالانکہ پیش نظر مطبوعہ نسخہ میں ۵۲ مجلسیں شامل ہیں۔ مجلسوں کے آغاز میں معدن المعانی کی طرح کوئی عنوان دیا ہوا نہیں ہے۔ اور ہر مجلس کسی ایک موضوع سے متعلق بھی نہیں۔ بلکہ اکثر و بیشتر ایک ہی مجلس میں مختلف موضوعات پر بحثیں ملتی ہیں۔ جو مختلف و متعدد مسائل اس میں زیر بحث آتے ہیں ان کی تفصیل ہر مجلس کے تحت اس طرح ہے:

مجلس اول: ماہ رجب کے روزہ کی فضیلت اور صغائر و کبائر کی بخشش کا بیان۔

مجلس دوم: ایک مرید کی معاشی تنگی پر قناعت وصبر کی تلقین۔

مجلس سوم: تلاوت کلام پاک کی فضیلت۔

مجلس چہارم: دعا میں الحاح وزاری۔

مجلس پنجم: صفات خداوند رحیم و کریم۔

مجلس ششم: آداب طعام

مجلس ہفتم: کمال ایمان اور اس کے نقص کے بیان میں۔

مجلس ہشتم: روزہ مریم کی وجہ تسمیہ (ماہ رجب)

مجلس نہم: مرتبۂ شہدا۔ بخشائش گناہ۔ بحث حادث وقدیم قرآن کریم۔

مجلس دہم: اختلاف علما اور عالم محدث کی بحث۔

مجلس یازدہم: مسجد میں صف بندی کر کے بیٹھنے کی فضیلت اور فضائل و اوراد جمعہ۔
مجلس دوازدہم: بیان معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔
مجلس سیزدہم: عشق وطلب حق۔
مجلس چہاردہم: در بیان علم۔
مجلس پانزدہم: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔
مجلس شانزدہم: در بیان شب برات۔
مجلس ہفدہم: ذکر وفکر حق تعالیٰ۔ معصیت خلق۔ نسبت خرقہ۔ طریقہ دعاء قرآن سبعہ و تعلیم قرآن۔
مجلس ہیژدہم: فضیلت صدق۔
مجلس نوزدہم: لباس جامہ سرخ کا بیان۔
مجلس -۲۰: در بیان سیاست بالمال وتعزیر مال۔
مجلس -۲۱: دل میں قرآن کی تلاوت کرنے کا ثواب۔ نماز تراویح۔
کبائر اور توبہ کا بیان۔ نماز کا وقت گزر جانے کے بیان میں۔
نماز میں ریا۔ سلام سنت الاسلام کا بیان۔ نماز ادا کرنے کا طریقہ۔
مجلس -۲۲: قوت باطن۔
مجلس -۲۳: رمضان کے روزہ کی حالت میں بار بار وضو کرنے میں احتیاط۔
قرآن اچھی آواز اور قرأت کے ساتھ پڑھنے کا بیان۔
پیروں کی خدمت کا ذکر۔
مجلس -۲۴: در تفسیر اعراب قرآنی۔ در ذکر تعبیر خواب۔
مجلس -۲۵: مسافر کی نماز کے بیان میں۔ غسل میت کا ذکر۔ اتباع شیخ۔
مجلس -۲۶: ذکر سجدہ تلاوت۔ دوگانہ شکر الوضوء۔
مجلس -۲۷: کلام پاک کے حاشیہ پر رکوع لکھنے کی وجہ۔ اور علامات وقوف قرآن کی وضاحت، رعایت وامانت کی حفاظت کے بیان میں۔
ذکر شب قدر۔ ذکر اوراد ونوافل۔
مجلس -۲۸: در ذکر تعبیر خواب۔ علم غیب۔ حیات خواجہ خضر علیہ السلام۔

احوال قلندران۔ خاتمہ بالایمان۔

مجلس -۴۷: درحمل ابیات۔ تفسیر احوال۔

مجلس -۴۸: در وضوء۔ نماز انبیاء، زہد و تقویٰ، ترک دنیا، در نیت، مکارم اخلاق

مجلس -۴۹: در جوع صادق۔ ذکر اصحاب کہف و برادران یوسف۔
حال حضرت یعقوب و یوسف۔

مجلس -۵۰: در علم جانوران۔ پیر کا خلاف شرع عمل کرنا۔
تفسیر آیۃ ومن دخلہ کان آمنا۔

مجلس -۵۱: در فکر و مراقبہ

مجلس -۵۲: تفسیر آیۃ وتصدقون بیوم القیامۃ۔ بیان حروف مقطعات
وقسم خداوندی در کلام پاک۔ تفسیر وھم فی صلاتھم دائمون۔
روش وتعلقات مرید و پیر۔

مجلس -۵۳: قوالوں کے ہندی گانے پر حضرت مخدوم کا بے لاگ تبصرہ۔ توضیح
اشعار فارسی۔ ذکر حسن استماع۔ تاویل حدیث قلب المومن
بین الاصبعین الخ تجرید و تفرید۔ مجرد شدن از اکوان، تفسیر علم۔
صفات بشریہ ونفسانیہ۔ علم حقیقی۔ سنت انقطاع الی اللہ کی حفاظت۔
تمیز جوہریں۔ سیر و طیر۔ کدورت ہای بشر۔ فہم آیات قرآن مجید۔

ملفوظ مخ المعانی کی عبارت معدن المعانی کے مقابلہ میں ادق ہے۔ وہ روانی اور سلاست بھی نہیں۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ تمام مسائل کے بیان میں انتہائی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ جس مسئلہ کو معدن المعانی یا مکتوبات میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ کئی کئی صفحہ میں بیان کیا گیا ہے، اسے اس مجموعہ میں محض چند سطروں یا چند جملوں میں ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسائل شرعیہ تک تو یہ اختصار گوارا ہے، لیکن صوفیانہ رموز و اسرار و مقامات سلوک کی باتیں جہاں آئی ہیں وہاں اس اختصار سے ایک حد تک الجھن ہوتی ہے۔ آخری صفحات کے چند حوالے ہی میرے اس بیان

کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔ سیر وطیر کی توضیح جس انداز میں کی گئی ہے اسے ملاحظہ فرمایئے:

"سیر در اعمال وطیر در احوال اینجا گوید کہ زاہدان میروند عارفان میپرند و روندہ یا پرندہ کی رسد (ص ۱۵۸)"

اسی طرح کدورت بشریہ کے متعلق بس اتنی ہی تفصیل ملتی ہے:

"آن آنست کہ از ہوا صافی گردد (ص ۱۵۸)"

علم حقیقی کے متعلق رقم طراز ہیں:

"ذکری در علم حقیقی افتادہ بود کہ علم حقیقی بندہ کہ بجمال آرند وجنگ بند کہ زنند از خویش یکسو نہد ہم از وی بیند (ص ۱۵۷)"

اسی طرح پوری کتاب میں دقت پسندی اور اختصار کو جگہ دی گئی ہے۔ انداز تحریر شگفتہ اور رواں نہیں ہے۔ معدن المعانی اور دیگر ملفوظات میں اشعار بکثرت آئے ہیں جن سے عبارت میں بڑی حد تک رنگینی اور طرز ادا میں لطافت پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن مخ المعانی میں اشعار کی کمی بھی بری طرح کھٹکتی ہے۔ متقدمین کے حوالوں سے بھی حتی الامکان اغماز برتا گیا ہے۔ بس جو کچھ حضرت مخدوم کا فرمودہ اور رائی ہے اسے نقل کیا گیا ہے۔ اور اپنے بیان کے ثبوت میں جو واقعات، قصص یا حکایات بزرگان وغیرہ حضرت مخدوم بیان فرماتے جاتے ہیں انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

لیکن ان تمام مندرجہ بالا خامیوں سے اس لئے صرف نظر کیا جا سکتا ہے کہ مولف نے خود ہی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ ملفوظات حضرت مخدوم کا ملخص اور مخرج ہے۔ جسے تفصیل دیکھنی ہو دوسرے ملفوظات کی جانب رجوع کرے۔ یہ مجموعہ ان مکمل اور مفصل ملفوظات کے مضامین اور موضوعات بحث کی فہرست کے طور پر کام دے سکتا ہے۔

اس مجموعہ کی مجلس اول کا آغاز کتاب ریاحین کی ایک حدیث پڑھنے کے واقعہ سے ہوتا ہے، جس پر حضرت مخدوم نے بڑی تفصیلی طور پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ حدیث جیسا کہ فہرست مجالس میں تذکرہ کیا گیا ماہ رجب کے روزہ کی فضیلت سے

متعلق ہے۔ عام طور پر مجلسوں کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

سعادت زمین بوسی حاصل شد آں روز استفتاح بود خواجہ کریم الدین عرض داشت کہ امروز رامریم روزہ از کجا میگویند۔ بندگی مخدوم عظمۃ اللہ فرمودہ (مجلس ۸)

جب ایک ہی مجلس میں موضوع بحث میں تبدیلی لانی ہوتی ہے تو اس کے لئے ''ذکری درفلاں افتاد'' کے الفاظ سے کام لیتے ہیں۔

اس مجموعہ ملفوظات پر تنقیدی نظر ڈالنے، اسلوب بیان اور طرز ادا کا بغائر مطالعہ کرنے اور خصوصیات مخ المعانی کا حضرت زین بدر عربی کے جمع کردہ دیگر ملفوظات سے موازنہ کرنے سے یہ بات محقق ہو جاتی ہے کہ اس کے جامع صاحب سیرۃ الشرف کی تحریر کے مطابق سید شہاب الدین عمادی حالفی ہی ہیں۔ حضرت زین بدر عربی نہیں۔ اس لئے کہ انداز تحریر اس نسخہ کا بالکل جداگانہ ہے۔

پروفیسر معین الدین اورائی صاحب کا دیباچہ کتاب سے استناد و استشہاد اس لئے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ یہ الحاقی چیز ہے۔ اس سلسلہ میں انداز بیان اور پیرایہ اظہار کا بغائر مطالعہ ہی صحیح راستہ کی جانب رہنمائی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس سے جو نتیجہ اخذ ہوتا وہ اوپر کی سطروں میں بیان کر دیا گیا۔

مونس المریدین :

غیر مطبوعہ: کتب خانہ صوفی منیری خانقاہ منیر شریف

مکتوبہ شاہ فرزند علی صوفی منیری تاریخ ۲۱ر شوال ۱۲۹۳ھ بخط شکستہ

اوراق: ۵۹ ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۵ اسطریں۔

اس کا ایک نسخہ کتب خانہ بلخیہ فتوحہ پٹنہ میں بھی ہے۔

جامع ملفوظ: داؤد خاں تعداد مجالس: ۲۱

از ابتدائی روز یک شنبہ ۲۱ر شعبان ۷۷۵ھ تا غرہ ماہ محرم ۷۷۵ھ کے ملفوظات تاریخ وار درج کئے گئے ہیں۔ حمد و نعت کے بعد کتاب کا آغاز دیباچہ سے ہوتا ہے جو اس طرح ہے:

"بداں اسعدک اللہ تعالیٰ کہ ایں کلمات اسرار الٰہی و ایں مجموعہ انوار نامتناہی از الفاظ متبرکہ سید السالکین شمس العارفین اکرم اہل الایمان وافر البر والداحسان شیخ شرف الملۃ والدین احمد یحییٰ منیری متع اللہ المسلمین بطول بقایہ داداما علی الخلق نعمۃ لقایہ جمع کردہ شد۔ بفضلہٖ وکرمہ بالنبی وآلہ میگوید بندہ ضعیف ونحیف جانی صلاح مخلص داؤد خانی غفر اللہ لہ ووالدیہ -----وہر چہ از زبان مبارک ایشاں می شنیدم دریں مجموعہ کہ نام او مونس المریدین نہادم جمع می کردم تا بہ بست و یک مجلس بتاریخ غرہ ماہ محرم خمس وسبعین وسبعمایۃ ختم گردانیدم۔"

تمہید کتاب سے پتہ نہیں چلتا کہ حضرت مخدوم سے جامع ملفوظ کو کیا نسبت تھی۔ لیکن مجموعہ کے آخر میں چند سطروں کا اپنی طرف سے جامع نے اضافہ کیا ہے۔ جس میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر و تالیف میں جو غلطیاں ہوئی ہیں اس پر معذرت خواہی کی ہے۔ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مخدوم سے مولف موصوف کو نسبت ارادت تھی۔

آخر میں کتاب کے دوسرے مجموعہ ملفوظات کی ترتیب کا ارادہ وعزم بھی ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں:

"وانچہ در مجلس دیگر سماع خواہد شد آں نیز در قلم آرد وآن راہمہ در مجموعہ جمع کند یا مجموعہ دیگر سازد انشاء اللہ تعالیٰ۔"

اختتامی عبارت کو قلم بند کرنے کے بعد ایک رباعی درج کرتے ہوئے مجموعہ کو تمام کیا گیا ہے۔

اس مجموعہ میں بھی تاریخ وسال درج کرنے کا خاص اہتمام ملفوظ الصفر کی طرح کیا گیا ہے، اس لئے اس کی اہمیت اور قدر و قیمت بھی اس سے کم نہیں۔ جامع ملفوظ نے دوسروں سے سنی سنائی باتوں کو درج نہیں کیا ہے اور خود ہر مجلس میں حاضر رہے ہیں۔ چنانچہ وہی باتیں اس مجموعہ میں رقم کی ہیں جنہیں خود سنا ہے۔ اور وہی حالات احاطہ تحریر میں لائے ہیں جنہیں خود مشاہدہ کیا ہے۔ حتی الامکان صحت کا التزام

کیا ہے۔لیکن حضرت مخدوم کی نظروں سے اس مجموعہ کونہیں گزارا گیا ہے اس لئے یہ معدن المعانی کے ہم پلہ نہیں۔ گرچہ بعض وجوہ واسباب کی بنا پر اسے فوقیت حاصل ہے۔لیکن مندرجات میں کمی وبیشی یا سہو کا امکان بہر حال رہتا ہے۔

جامع نے اس مجموعہ کا طریقہ تالیف یہ مقرر کیا ہے کہ ہر مجلس کے تعین کے بعد تاریخ درج کی ہے۔اس کے بعد مجلس کی کیفیت اور حاضرین کا نام بقدر ضرورت درج کیا ہے۔اگر کسی نے سوال کیا تو اسے درج کیا اس کے بعد جو جواب حضرت مخدوم نے دیا اسے بہ تفصیل بیان کیا ہے۔حضرت مخدوم کو ''بندگی شیخ جہاں غفر اللہ'' اور کہیں ''بندگی مخدوم سلمہ اللہ تعالیٰ'' کے خطابات کے ساتھ یاد کیا ہے۔ایک ہی مجلس میں دوسرے ملفوظات کی طرح مختلف موضوعات پر بحثیں ملتی ہیں۔موضوع کی تبدیلی کو ''بعد از ان سخن در فلاں افتاد'' کے الفاظ لا کر نمایاں کیا ہے۔

انداز بیان رواں اور زبان شستہ ہے۔معانی ومطالب پر عبارت سے بخوبی واضح ہیں۔ادق الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے ہوئے ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔واقعات ومندرجات کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ذیل میں ہر مجلس کے موضوعات تاریخ وار اور سلسلہ وار درج کئے جاتے ہیں:

مجلس اول ۲۱ شعبان: شادی وغم کے سلسلہ میں ایک حکایت حضرت مخدوم نے بیان فرمائی ہے۔ اقسام خواب۔مسلمانوں کی بھلائی کی شکل۔ اس سلسلہ میں ایک حکایت۔

دوم :۲۲ شعبان: مخلوق کی محبت مخلوق کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔اور قیامت میں اس کا کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں۔محبت وقرابت دنیا کا معاملہ۔محبت و قرابت بہشت۔احوال بہشت۔

سوم ۲۵ رشعبان: بہشت کا بہترین طعام کیا ہے۔اس کا دنیا کے انعام واکرام سے مقابلہ اور لذت کا بیان۔ حکایت جنید بغدادی۔ بہشت میں حرام چیزیں طلب کرنے پر ملیں گی یا نہیں، مومن کو چاہئے کہ دنیا وآخرت میں راہ راست اختیار کرے اور لغزش سے خود کو محفوظ رکھے۔

چہارم غرہ ماہ رمضان: ذکر مشائخ وسجادگان اوران کی روش پر تنقید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ای برادر شیخی وزاہدی کار دشوار است وبصاحب نفس پرستاں وخود پرستاں وخود بیناں ندہند۔ وآن را کہ دہند رائگاں دہند۔" (ورق ۷) اس سلسلہ میں چند ہدایتیں بھی دی گئی ہیں۔
اور حدیث الحیاء من الایمان کی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ شیخی اور سجادگی ایک ایسا درخت ہے جس میں ثمر نہیں۔ یعنی طائفہ بے عملی اور بے فیضی کا شکار ہے۔

پنجم ۱۲/ رمضان: قضاء جاہل کی توضیح اور قضاء کی قسموں کا بیان۔ اس سلسلہ میں ایک حکایت بیان کی گئی ہے۔

ششم ۱۹/ رمضان: حروف مقطعات قرآنی کا ذکر اور اس کے اسرار ورموز کا بیان۔ توریت کی ضخامت۔ اس کا جلایا جانا۔ پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا مبعوث ہونا اور توریت کا لکھوانا۔ شیطان کے بہکانے میں آکر اصل توریت سے انکار۔ مضامین توریت وانجیل کی صحت کا اقرار قرآن پاک میں انہی مضامین کا اعادہ اختصار کے ساتھ۔ قرآن کو فرقان کہنے کی وجہ۔ تفسیر آیۃ الم تر الی الذین ظلموا۔ مناسب حال حکایت۔ تعظیم ظالم۔

۷-۲۵/ رمضان: توضیح حدیث۔ خلق اللہ الخلق ثم رش علیہ من نورہ بیان ذلت آدم۔ مطابقت حدیث۔ الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر۔

۸-۳۰ رمضان: علم وعمل سے متعلق سوال کرنے اور اس کے جواب دینے کا بیان۔ سفر کی قسموں اور ان کے شرائط کا ذکر۔ بعض حضرات اولیا جو نماز جمعہ میں شامل نہیں ہوتے تھے ان کی حمایت اور اسباب کا بیان۔ ڈولہ پر سوار ہو کر نفل نماز ادا کرنی جائز ہے یا نہیں۔

۹-۴رشوال: حضرت مخدوم کا بعد نماز جمعہ ایک مجمع کثیر کے ہمراہ اپنے مستقر کو لوٹنا اور ایک شخص کو مرید کرنا، اسے طاقیہ عطا فرمانا۔ اس کے بعد سعادت و شقاوت کے موضوع پر اظہار خیال۔ جگہ و زمین میں سعادت وشقاوت کا ذکر۔

۱۰-۳۰ جمادی الاول: روز اول پنج شنبہ ماہ رجب و نماز لیلۃ الرغائب کا ذکر۔ مہینوں اور دنوں کا ایک دوسرے پر فضل کا کیا سبب ہے۔ جب کہ سبھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ سنار گاؤں کے بادشاہ شمس الدین کی حکایت۔ اگر سارا عالم تہ و بالا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ فرق درمیان طالب و مطلوب۔ حالت خواب میں روح منتقل ہوتی ہے یا نہیں۔ ماہیت روح کا بیان۔ تشریح شعر۔ واقعہ خشک سالی در عہد حضرت موسیٰ۔ واقعہ عبداللہ اسحاق رومیؒ۔

۱۱-۴ر رجب: توضیح حدیث۔ نصیب امتی من نار جهنم كنصيب خليل من نار نمرود۔ کیفیت و مناجات حجۃ الوداع۔ قرآن کے فوائد جملہ مومنین کے لئے ہیں۔ اس میں کوئی قید نہیں۔ لیکن وعید میں قید ہے۔ کیفیت رحلت نبی کریم ﷺ اور اپنی امت کے اعمال و افعال کے لئے پریشانی۔ صور اسرافیل کی کیفیت اور اس کے اثرات۔ قیامت اور حشر کس کو کہتے ہیں، عاقبت بخیر ہونے کیلئے کیا کرنا چاہئے

۱۲-۱۵ر شعبان: عورتوں کے زیب و زینت کے بیان میں۔ سیندور لگانا مثل کافرہ کے جائز ہے یا نہیں۔ وجہ تسمیہ شب برات اور اس کی فضیلت۔ مولانا موید عارف کا شب برات میں حضرت مخدوم کی اجازت سے خانقاہ میں وعظ و پند اور حضرت مخدوم کی شمولیت اس کے بعد سو رکعت نماز با جماعت ادا کرنی۔ اور حضرت مخدوم کا ڈولہ پر سوار ہو کر قبرستان کی زیارت کو تشریف لے جانا۔ جامع ملفوظ بھی حضرت مخدوم کے ہم رکاب تھے۔ حضرت مخدوم اپنی والدہ کے مزار پر

تشریف لے گئے، جسے جامع ملفوظ نے صاف کر رکھا تھا اور حضرت مخدوم کی خوشنودی کے امیدوار تھے۔ زیارت سے فراغت کے بعد حضرت مخدوم نے ان پر بڑی شفقت وعنایت فرمائی اور خانقاہ واپس آکر اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر ان کے سر پر رکھ دی اور بڑی شفقت ومہربانی سے پیش آئے۔ گرچہ یہاں پر جامع ملفوظ نے اختصار سے کام لیا ہے لیکن جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح انہیں حضرت مخدوم سے عقیدت ومحبت تھی اس طرح حضرت مخدوم بھی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے اوران کا بڑا لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

۱۳-۱۵رشعبان: معنی حقیقت وشریعت اور ان کی تعبیر وتوضیح۔تشریح اصطلاحات صوفیہ۔وقت۔حال۔تمکین۔مقام۔اگر کسی چیز کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہ ہوتو اس سے گریز سنت پیغمبری ہے۔واقعہ ہجرت۔ نزول بلا سے گریز منافی صبر وضبط ہے اور ایسا شخص راضی بہ رضا الٰہی کیوں کر ہوسکتا ہے۔اس کی تفصیل وتوجیہ۔

۱۴-۲۰رشعبان: حدیث من بشرنی بخروج الصفر بشرته بدخول الجنة کی توضیح و تشریح صبر شرائط ایمان میں سے ہے۔

۱۵-۲۶رشعبان: تبدیلی اوصاف واخلاق کے بیان میں کہ صوفیا اسے گردش کہتے ہیں

۱۶-۲۷رشعبان: توضیح حدیث: الشریعة اقوالی والطریقة افعالی والحقیقة احوالی۔فرق ایمان مقلد وایمان عارف۔حضرت موسیٰؑ وخضرؑ کا قصہ۔تکبر و خود بینی کے نقصانات۔

۱۷-۱۰رشعبان: فضیلت خانہ کعبہ وطریقہ حج۔ہجرت نبی کریم ﷺ فضیلت انصار۔

۱۸-۲۰شعبان: خاتمہ کی خبر کسی کو نہیں کہ بخیر ہوگا یا نہیں۔موت کے اوصاف اور اس کا بیان۔حوال سکرات۔موت نبی کریم ﷺ۔کیا سکرات اولیاء و انبیاء اور جمیع خلائق بر بر ہے۔مسلمانوں کے بچے کا حشر ماں باپ کے ساتھ ہوگا۔لیکن کافروں کے بچوں کے متعلق اختلاف۔

۱۹-۳۰ رشعبان: مذمت نفس کا بیان۔ آیۃ رب ہب لی ملکا لا ینبغی لاحد کی تفسیر۔ قصہ سلیمان وصفت نفس۔

۲۰-۱۵ رمضان: جو مومن کہ ماہ رمضان میں فوت ہوتا ہے اس پر عذاب نہیں ہوتا ہے۔ بہشت میں اس وقت جو لوگ ہیں ان کا بیان۔ قصہ حضرت آسیہ اہلیہ فرعون۔ مقابلہ زلیخا با حضرت آسیہ۔ بیان حسن یوسفؑ۔ قصہ قحط مصر۔

۲۱- یکم محرم: بیان دوزخ وہوائی گرم۔ ذکر توبہ ودعا مغفرت۔

مغز المعانی :

قلمی: کتب خانہ بلخیہ، فتوحہ، پٹنہ

اس کا ایک نسخہ کتب خانہ مشرقیہ (خدابخش لائبریری) پٹنہ کی بھی زینت ہے جس کا ۳۲ ہے۔ یہ نسخہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۲۵۴ فصلی کا مکتوبہ ہے اور اس میں ۳۲ مجالس ہیں کتب خانہ بلخیہ کے نسخہ میں ۲۹ اذکار ہیں۔ کتاب کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ کتب خانہ مشرقیہ کے نسخے میں مغز المعانی تحریر ہے۔

مخ المعانی کی طرح اس کے جامع حضرت شہاب الدین عماد حالفی نے اس مجموعہ کو بھی حضرت مخدوم کے دیگر ملفوظات سے ملخص اور مستخرج کر کے تحریر کیا ہے کوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ ملفوظات جن سے واقعات واذکار نقل کئے جائیں ان کی عبارت بجنسہ اس مجموعہ میں آئے۔ ترتیب وتدوین بھی کافی محنت کی گئی ہے۔ بعض مکرر بیان کردہ حالات اور واقعات کو نظر انداز کر کے طوالت سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس طرح نفس موضوع اور مطالب بیان پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

چند اذکار کے عنوانات درج ذیل ہیں۔ تفصیل سے اس لئے احتراز کرتا ہوں کہ اس کے عنوانات دیگر ملفوظات میں آچکے ہیں۔

ذکر ذات وصفات۔ بحث حلت وحرمت سماع۔ ذکر مراقبہ۔ فکر وتفکر۔ ذکر

عبادت ظاہر و باطن۔ ذکر عشق و محبت۔ ذکر حمل و شرح ابیات۔ ذکر تاویل و تشریح زلف و خال وغیرہ۔ ذکر حال و مقام و وقت۔ ذکر روح۔ پیری و مریدی۔ شیخ و اہلیت شیخی۔ طاقیہ۔ خرقہ۔ مقراض۔ قصر و حلق۔ مردان غیب و معراج۔

اسباب النجات لفرقۃ العصات:

قلمی: کتب خانہ بلخیہ فتوحہ پٹنہ۔ مکتوب شاہ تقی بلخی۔ تاریخ کتابت ۱۳۷۸ھ

اس کا دوسرا نسخہ اسی کتب خانہ کی زینت ہے، جس کے کاتب حبیب نصر اللہ نے ۹۲۵ھ میں کتابت تمام کی۔ جیسا کہ کتاب کے خاتمہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

''تمت ہذا الکتاب بعون الملک الوہاب بخط بندہ ضعیف و نحیف فقیر حقیر تراب قدم صغیر و کبیر حبیب نصر اللہ اوراد بندگی قطب المشائخ شیخ شرف الحق و الشرع و الدین قدس اللہ سرہ العزیز بوقت نماز چاشت روز جمعہ بتاریخ بست و پنجم ماہ رجب المرجب سن خمیس و عشرین و تسعمائیہ مرتب شد۔ ہر کہ بخواند بفاتحہ سلام ایمان مدد نمائند۔''

یہ نسخہ موخر الذکر بڑی تقطیع کے ۳۶ اوراق پر مشتمل ہے اور اس میں کل تین ابواب ہیں۔ باب اول میں ۲۹ فصلیں۔ باب دوم میں ۶ اور باب سوم میں ۱۷ فصلیں ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک مختصر مقدمہ مولف کی جانب سے درج ہے جس کی ابتدا چند اشعار سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس نسخہ کے ترتیب کی طریقہ پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اس طرح ہے:

''میگویند بندہ گنہگار امید وار برحمت پروردگار کاتب مذکور تاب اللہ علیہ وغفر اللہ لہ ولوالدیہ کہ در اوقات مختلفہ در مجلس استاد و پیر ولی نعمت این حقیر مقتدی الخلق بقیۃ السلف

سالک مسالک الطریقۃ کاشف غوائض الحقیقیۃ ازہد الزاہدین شرف الملۃ والدین متع اللہ المسلمین بطول بقایہ ورزق علینا بہ علی الدوام نعمۃ لقایہ مریدین ومعتقدین کہ حاضر می بودند۔ وسوال از احکام شریعۃ وقوانین وقواعد حقیقت میکردند۔ خدمت شیخ سلمہ اللہ تعالیٰ ہر یکی را بر قدر فہم او بر اندازہ علم خویش وقضیہ تکلموا الناس علیٰ قدر عقولھم جواب می فرمودند۔ بعض را بہ مجرد گفتن بر زبان مبارک کردندی وبرای بعض بقلم مبارک متبرک بنویسندی واین حقی اگر مسموع خویش ودیگری بنویسد بطویل کشد وچند از اعتماد نہ بودو تواند بود بر گفتہ خدمت شیخ سلمہ اللہ کم ویابیش بود پس در تحت این وعہد در آید۔ ان اللہ تعالیٰ لا یحب المفترین۔ بنا بریں جملہ مسموعات را ترک آوردم و ہیچ در قلم آوردہ بودند از عزیز برای انتساخ پسندم واز اوراق متفرقہ بی کم وبیش درین اجزا جمع آوردم وآن را ترتیب دادم بسہ باب۔ وچند فصل بنا نہادم ----"

عبارت مندرجہ بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زیر نظر تالیف ملفوظات کے صف میں نہیں آتی ہے بلکہ حضرت مخدوم نے طریقہ نماز اور اوراد سے متعلق اپنے دست مبارک سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے انہیں مختلف رسائل اور تصنیفات یا مکتوبات سے مستنبط کر کے یکجا کر دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اس کتاب کا نام ملفوظات کی فہرست میں بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے اور خود اس کتاب کے سرورق پر ملفوظات حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہاریؒ قدس اللہ وجہ کے الفاظ درج ہیں اس لئے مختصراس کا تعارف یہاں کرادیا گیا تا کہ اس کی تالیف کی نوعیت بھی معلوم ہا جائے۔

۞۞۞۞۞۞

لطائف المعانی:

اس رسالہ کے متعلق جناب شاہ تقی حسن صاحب بلخی رسالہ المجیب پھلواری شریف بابت ماہ شعبان ۱۳۸۳ھ میں حضرت حسین نوشہ توحید بلخیؒ کے ملفوظ گنج لا تخفی کے سلسلہ میں ایک مضمون میں اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''نیز اسی طرح لطائف المعانی کی طباعت حضرت مخدوم جہاں کی مصنفہ لکھ کر شائع ہو چکی ہے۔ حالانکہ وہ حضرت حسن دائم حسن بلخی ابن حسین نوشہ توحید بلخیؒ کی تصنیف ہے۔ اور غالباً اسی مطبوعہ کتاب کو دیکھ کر محترم جناب صباح الدین صاحب علیگ نے بزم صوفیہ میں (جس کی اشاعت دار المصنفین سے ہوئی ہے) اور دردائی صاحب نے بھی تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں مخدوم جہاںؒ کی تصنیف شمار کر لیا ہے اور تصنیفات مخدوم جہاں میں چھٹے نمبر پر اس کو رکھا ہے۔ ارقام فرماتے ہیں کہ ''یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری لیکن بزم صوفیہ کے مصنف نے اس کو معدن المعانی کا خلاصہ لکھا ہے ص ۲۳۶۔ پھر بھی مقام حیرت ہے کہ حضرت حسن دائم چشتی بلخیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں یہ بھی ارقام فرما گئے'' آپ کی تصنیفات میں دو کتابیں مشہور ہیں ایک تو کاشف الاسرار جو حضرت حسین نوشہ توحید بلخؒ کی عربی کتاب خمس کی بہت بلیغ شرح ہے اور دوسری لطائف المعانی (ص ۱۵ المجیب)''

اسی کو کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ سچ یہی ہے کہ لطائف المعانی حضرت حسن دائم چشتی بلخی کے ملفوظات کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔ ایک قلمی نسخہ مجھے خانقاہ منیر شریف کے کتب خانہ میں بھی ملا۔ اس پر ملفوظات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ہی تحریر ہے۔ غالباً اسی مطبوعہ نسخہ کی یہ نقل ہے۔ جسے شاہ

مراد اللہ صاحب منیری نے نقل کیا ہے۔ اس کی عبارت اور تمام مضامین کا جب کتب خانہ بلخیہ کے دو قلمی اور قدیمی نسخوں سے میں موازنہ کیا تو لفظ بہ لفظ یکسانیت نظر آئی۔ ان دونوں نسخوں میں سے ایک کا سال کتابت ۱۱۹۸ھ اور دوسرے کا ۱۲۹۲ھ ہے اور اس کے کاتب ابوالحسن بلخی ہیں۔ ایک تیسرا نسخہ بھی اس کتاب خانہ کی زینت ہے جس پر سال کتابت تو درج نہیں لیکن آخر میں جو عبارت درج ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ رسالہ حضرت حسن بلخیؒ ہی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

> ''کہ نسخہ منیر کہ جامع علم و معانی الملقب بہ لطائف المعانی من ملفوظات شیخ الشیوخ مولانا ومقتدینا حضرت مخدوم شیخ حسن دائم جشن بن حضرت مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید بلخی البہاری قدس اللہ اسرارہا۔''

مرأۃ المحققین یا (مرأۃ القلوب):

اس کا ایک قلمی نسخہ جناب شاہ تقی حسن بلخی قدس سرہٗ سجادہ نشین خانقاہ بلخیہ فتوحہ پٹنہ کے کتب خانہ میں ہے۔ یہ مختصر رسالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اول آخر کے صفحات کچھ غائب ہیں اور کچھ بوسیدہ اس لئے اس کے سال کتابت اور جامع کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ آغاز کتاب اس طرح ہوتا ہے:

> ''امابعد این مختصر کتابے است در بیان معرفت نفس و علم خداشناسی --- این کتاب را مرأت المحققین نام نہادہ شد جہت آنکہ مرأت آئینہ باشد و خاصیت آئینہ آنست کہ چوں کسے را در چشم نور باصرہ باشد حواس روشن بود آئینہ مصفا باشد چوں دروی نگرد خود را تو ندید --- کقولہ علیہ السلام من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ وایں کتاب مختصر است بر ہفت باب''

باب اول : در بیان نفس طبیعی و نباتی و حیوانی و انسانی وقو تہائے ایشاں وخادمان ایشاں۔

باب دوم: درآفرینش صورت موجودات۔

باب سوم: در بیان واجب وممکن وممتنع است۔

باب چہارم: در بیان آنکہ حکمت چہ بود کہ حق تعالیٰ عالم را آفرید۔

باب پنجم: در مبداء بدن ومعاد او۔

باب ششم وہفتم: در تطبیق آفاق وانفس دادن با مردم۔ در بیان ظاہر عالم ودیگر در بیان باطن او۔

ملفوظات حضرت مخدوم جہاں پر ایک نظر:

اگلی سطروں میں یہ تحریر کر چکا ہوں کہ ملفوظات کا طرز تحریر اور اسلوب بیان کا صاحب ملفوظ کی تحریر سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ جامع ملفوظات کی تحریری صلاحیتوں کا اندازہ اس کے جمع کردہ ملفوظ سے ہوتا ہے۔ اس لئے ملفوظات پر صاحب ملفوظ کی مستقل تصنیف یا تالیف کا حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ ایک ہی بزرگ کے ملفوظ کے جامع چونکہ متعدد حضرات ہوتے ہیں اس لئے سبھوں کی تحریر جداگانہ اور اسلوب بیان الگ الگ ہوتا ہے۔ بایں ہمہ ملفوظات کی صوفیانہ ادب میں اہمیت اور قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ رہروان راہ سلوک کی رہنمائی اور رہبری کا یہ بہترین ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کی تعلیمی اہمیت بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات محض مجالس کی گفتگو پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ان کی مجالس میں جو دقیق صوفیانہ مباحث اور مسائل شرعیہ یا نکات راہ سلوک وعرفان بیان کئے جاتے تھے ان کا بیش بہا گنجینہ ہیں۔ مکتوبات تو الگ رہے ملفوظات میں بھی اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ کوئی مسئلہ بغیر سند وحوالہ کے قلم بند نہ کیا جائے۔ قرآن کی آیتوں اور

احادیث نبویہ کے علاوہ فقہی کتابوں اور واقعات و حالات صوفیہ سے بھی سندیں پیش کی گئی ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات و ملفوظات کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ انہوں نے بزرگان سلف کے اقوال و افعال سے بہت زیادہ فائدے اٹھائے ہیں اور ان کی تصنیفات و تالیفات کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا ہے۔ قدم قدم پر اپنے قول کے ثبوت میں بزرگان سلف کے اقوال و واقعات پیش کرتے ہیں۔ حوالہ کے طور پر جن بزرگوں کے نام بار بار آپ کی مجالس ملفوظات یا مکتوبات میں آئے ہیں انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

حضرت خواجہ فرید الدین عطار۔ حضرت جنید بغدادی۔ مولانا شمس الدین یحییٰ۔ امام ثوری۔ امام سبکی۔ سلطان العارفین۔ ابن جلابی۔ خواجہ رویم۔ خواجہ فضیل عیاض۔ سعید جسیر۔ شیخ ابو یعقوب یوسف ہمدانی۔ قاضی القضات ہمدانی۔ ابوالحسن سالم۔ شیخ ابو طالب مکی۔ شرف الدین کرمانی۔ شیخ مجد الدین بغدادی۔ خواجہ ابوسعید ابوالخیر۔ امام قشیری۔ حارث محاسبی۔ استاد ابو علی دقاق۔ ابن مبارک۔ خواجی یحییٰ معاذ رازی۔ خواجہ ابراہیم ادہم۔ امام قتادہ۔ امام واسطی۔ خواجہ ابوسعید خزاری۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی۔ خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی۔ شاہ شجاع کرمانی۔ خواجہ شقیق بلخی۔ ابوتراب بخشی۔ خواجہ معروف کرخی۔ عبداللہ رازی۔ خواجہ ابو عثمان مغربی۔ ابوبکر قحطی۔ خواجہ عثمان خبری۔ محمد علی ترمذی۔ ابوبکر وراق۔ صالحہ حمدون قصار۔ خواجہ سہیل تستری۔ امام ابوالحسن ثوری۔ خواجہ عطار سلمی۔ خواجہ ذوالنون مصری۔ خواجہ منصور مغربی۔ خواجہ احمد قلانسی۔ ابی حفص نیشاپوری۔ خواجہ ابوبکر طمستانی۔ خواجہ داؤد طائی۔ خواجہ محمد جوہری۔ امام خضرمی۔ ابراہیم خواص۔ شیخ جمال۔ خواجہ حسن بصری۔ شیخ ابومسلم فارسی۔ خواجہ سلیمان دارانی۔ خواجہ بشر حافی۔ شیخ ابوالعباس قصاب۔ خواجہ سری سقطی۔ ابوعلی رودباری۔ عبداللہ حنیف۔ بشر حارث۔ ممشاد دینوری۔ خواجہ محمد مقدسی۔ ابوعمر اصطخری ابوبکر جعفر۔ خواجہ ابراہیم تمیمی۔ رابعہ بصری۔ امام عبدالرحمٰن ارکاف۔ شیخ ابوعلی سیاہ۔ محی الدین عربی۔ امامان غزالی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی۔ ملا عراقی۔ امام اعظم ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل۔ امام محمد۔ امام ابو یوسف۔ حضرت خواجہ نظام

الدین اولیا۔ حضرت علی ہجویری۔ مولانا رومی۔ حضرت امیر خسرو۔ شیخ شرف الدین توامہ۔ مولانا حمید الدین ناگوری۔ شرف الدین پانی پتی۔ خواجہ سنائی۔ خواجہ حازم اعرج رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اسی طرح حوالہ کے طور پر چند کتابوں کے بار بار نام آتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

ہدایہ۔ تذکرۃ الاولیا۔ وصیت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی۔ ملخص احیاء العلوم۔ روح الارواح لوامع۔ مکتوبات عین القضات ہمدانی۔ کلمات قدسیہ۔ ملفوظات نظام الدین اولیا۔ ترغیب الصلوٰۃ۔ غرائب التفسیر۔ تفسیر زاہدی۔ کشف المحجوب۔ روضۃ العلماء۔ سراج العارفین۔ قوت القلوب۔ عوارف المعارف۔ لسان فقہ ابو اللیث۔ کنز المسائل۔ شرح تعرف۔ سراج العالمین۔ ریاحین زبدۃ عین القضات۔ کتاب الٰہیات ارسطو۔ تمہیدات ابو شکور سالمی۔ آداب المریدین۔ تفسیر لطائف۔ منازل السائرین وغیرہم۔

مکتوبات حضرت مولانا مظفر بلخیؒ:

مکتوبات حضرت مولانا کا ایک قلمی نسخہ میرے پیش نظر ہے۔ یہ بڑی تقطیع میں ۱۵۶ اوراق پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۸۱ مکاتیب درج ہیں۔ کاتب محمد فضل الرحمٰن منیری فردوسی اور سال کتابت ۱۹۲۷ء ہے۔ دوسرا قلمی نسخہ کتب خانہ بلخیہ فتوحہ کی زینت ہے، جس پر ملا غلام یحیٰی بہاری کا حاشیہ درج ہے اور انہی کے قلم سے نسخہ کے اختتام پر ان کا نام اور سال تالیف درج ہے۔ اس میں بھی ۱۸۱ مکتوبات ہیں۔ اور ترتیب بھی وہی ہے جو نسخہ اول کی ہے۔ تقطیع اوسط میں ۲۰۶ اوراق ہیں۔ ۱۱۵۰ھ آخر میں درج ہے۔ یہ نسخہ بھی میری نظر سے گزرا ہے۔

اس مجموعہ کے ۱۳ مکاتیب مع ترجمہ مطبع حنفیہ پٹنہ سے ۱۳۲۳ھ میں بڑی

تقطیع میں شائع ہو چکے ہیں جس کے مترجم کا نام عبدالرحمٰن خان فردوسی درج ہے۔

ان تمام مکتوبات کو مجموعہ کی شکل میں لانے والے حضرت مولانا کے برادرزادہ جانشین اور خلیفہ حضرت حسین نوشہ توحید بلخیؒ ہیں۔ جنہوں نے مکاتیب سے پہلے ایک دیباچہ لکھ کر اس مجموعہ کو ترتیب دینے کی غرض وغایت اور طریقہ کار پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اپنی کاوش سے جن لوگوں کے نام بھی حضرت مولانا کے خطوط دستیاب ہو سکے انہیں اس میں شامل کر لیا ہے، جیسا کہ دیباچہ کی عبارت سے ظاہر ہے:

"---اشکال مقامات برقع عرائض التماس کردند اسرار کلمات را بواسطہ وصول مکاتبات ادراک کردند۔ بندہ درویشان آن مکتوبات متفرقہ را در مجلدی جمع کرد" (ص۲ الف)

جن لوگوں کے نام مکتوبات ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا ظہیر الدین۔ قاضی شرف الدین۔ عبدالملک شہاب الدین۔ قاضی خواجہ۔ مولانا معز الدین۔ امیر خضر۔ مولانا فرید الدین۔ تاج الدین۔ مولانا مسعود۔ امیر محمد۔ قاضی زین الدین۔ مردان شہہ۔ قیصر خان۔ مولانا عالم۔ حضرت راجن۔ خواجہ برہان۔ شیخ حسن۔ مولانا علاء الدین۔ معین الدین۔ خواجہ فخر الدین۔ مولانا کریم الدین۔ مولانا محمود۔ قاضی عابد بہاری۔ خواجہ عبدالرحمٰن۔ ملک شہہ۔ خواجہ افتخار الدین خان جہاں فردوسی۔ سلطان غیاث الدین۔ دستور خاں ہمایوں۔ مولانا رضی الدین۔ حنیف خاں۔ محمد حاجی خاں۔ خواجہ حامد۔

فہرست مندرجہ بالا پر نظر ڈالنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مولانا کے زیادہ تر مخاطب وہی حضرات ہیں جن سے حضرت مخدوم جہاں سے خط و کتابت رہتی تھی اور اس کی وجہ بھی صاف ہے۔ حضرت مولانا حضرت مخدوم کے خلیفہ، مجاز اور جانشین تھے۔ اس لئے ان کے بعد جو اشکال ان کے مریدین و معتقدین کو پیش آتے ان کے لئے وہ حضرت مولانا کی طرف رجوع کرتے اور حضرت مولانا حضرت مخدوم جہاں ہی کے انداز میں ان کی تشفی فرمایا کرتے۔ اس لئے ان کی زبان بھی سادہ اور عام فہم ہے۔ عبارت رواں ہے اور حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ جن

میں آیات قرآنی، احادیث نبوی اور بزرگوں کے اقوال بھی درج ہوئے ہیں۔ اپنے پیر و مرشد حضرت مخدوم جہاں کے مکاتیب اور اقوال سے بھی حضرت مولانا استناد کرتے ہیں اور بعض مکاتیب میں بصراحت اس طرح کے حوالے آئے ہیں۔ مثلاً مکتوب ۱۲۷ میں تحریر ہے:

"از خدمت شیخ شنیدم در آخر زمانہ انسان ہلاک با بدست مادر و پدر بود یا بدست زن بد بود کہ اورا از کار دین باز دارند و در طلب دنیا مشغول کنند (ص-۱۰۰الف)"

اسی طرح ایک مکتوب ۱۶۸ میں حضر مخدوم جہاں کے ایک مکتوب کے حوالہ سے چند اشعار درج کئے گئے ہیں لکھتے ہیں:

"خدمت شیخ الاسلام قطب عالم شرف الحق والدین منیری قدس اللہ روحہ در مکتوبی در آغاز این ابیات آوردہ است۔

ابیات

حال دنیا را پرسیدم من از دیوانہ
گفت یا خاکیست یا بادیست یا افسانہ
باز گفتم حال آن کس گو کہ دل در وی بہ بست
گفت یا غولیست یا دیوویست یا دیوانہ

اس مجموعہ میں مختصر ترین مکتوب ۱۵ ہے جو قاضی خواجہ کے نام ہے اور جس کے پہلے دریافت شادی کا عنوان درج ہے۔ انہی کے نام اور اسی عبارت پر مشتمل ایک اور مکتوب بھی اس مجموعہ میں شامل ہے جس کا نمبر ۱۷۲ ہے۔ صرف اختتام مکتوب میں ایک ہندی دوہرے کا اضافہ ہے ورنہ لفظ بہ لفظ عبارت یکساں ہے۔ یہ مکتوب محض تین سطروں پر مشتمل ہے اس لئے اسے یہاں مکمل درج کیا جاتا ہے تا کہ انداز تحریر پر کچھ روشنی پڑ سکے:

"برادر اعز قاضی خواجہ سلام و دعاء از مظفر شمس مطالعہ فرماید۔ اگر با خدائی شادی میکنی کہ کار کار تست و با یار تو وگر با خودی

مصیبت ماتم خودمی دارد وواویلا میگوئی واین بیت میخواں:

گہ بادہ سرخ دارم گہ درد بادہ خوارم
گہ این و گاہ آنم عنوان وقت خویشم

اس مجموعہ میں شامل مکاتیب میں سب سے زیادہ طویل ایک مکتوب ۱۶۳ سلطان غیاث الدین کے نام ہے۔ جس پر شروع میں عنوان کی جگہ ''در جواب عریضہ سلطان غیاث الدین'' تحریر ہے۔ اس مکتوب میں بعض آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی تشریح وتوضیح کے بعد بعض نمازوں کے ادا کرنے کا طریقہ اور اوراد وغیرہ ہیں۔

مکتوب ۱۷۷ بجائے مکتوب کے مستقل ایک رسالہ کی شکل میں ہے۔ جس کی ابتدا نہ تو مخاطبت سے ہوتی ہے اور نہ دعا سلام سے بلکہ حمد ونعت کے بعد تین پیغمبران حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات اس خصوصیت کی بناء پر درج کئے گئے ہیں کہ یہ تینوں سلطان وقت تھے۔ مکتوب شروع کرنے سے پہلے جو عنوان قائم کیا گیا ہے وہ بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے یہ مستقل رسالہ ہے۔ تحریر ہے:

''برطریق رسالہ در بیان احوال پیغمبران کہ بادشاہ بودند''

یہی حال مکتوب ۱۸۱ کا ہے۔ جس کا عنوان ''در بیان ہدایت و نیابت درویش'' ہے۔ مکتوب حمد ونعت کے بعد حاجی شرف الدین فردوسی کو مخاطب کر کے تحریر کیا گیا ہے۔

''حاجی شرف الدین فردوسی از فقیر حقیر مظفر شمس التماس
کرد کہ از علم درویش چند سخن برطریق یادگار برائی من بنویسد تا در
کار دارم و بر آن۔۔۔''

حضرت مولانا کے نام پر ایک رسالہ در ہدایت و نیابت درویشی کے نام سے بھی منسوب ہے۔ جو اسی مکتوب کو علیحدہ کر کے ترتیب دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ مکتوب ہی کی شکل میں تھا اور اب بھی ان کے مجموعہ مکتوبات میں شامل ہے۔

حضرت مولانا کی تعلیمات بھی وہی ہیں جو حضرت مخدوم جہاں یا دیگر اکابر

صوفیا کی تھیں۔ یعنی جادۂ شریعت پر قدم استوار رکھنا اور دنیا کو مزرعہ آخرت سمجھنا۔ اس کی بیوفائی پر یقین رکھنا۔ چنانچہ اپنے مکتوب ۴۸ میں دنیا کی بیوفائی اور اس سے محبت نہ رکھنے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ وصیت فرماتے ہیں:

"وصیت اینست کہ بر جادہ شرع باشد انشاء اللہ تعالیٰ
بعد از توبہ و پیوند درویشان امید خیر بسیار است (ص ۵۱ ب)"

اپنے مکتوب ۶۵ میں بھی اسی طرح پابندی شریعت کی تعلیم ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"تا توانی پناہ شرع مگذار کہ سبب ترقی است کہ موصل
است نہ قاطع (ص ۶۸ ب)"

آگے چل کر بتاتے ہیں کہ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"ای دوست مسلمان کرا گویند؟ میدانی مسلمان آن را
گویند کہ ظاہر و باطن او ہمہ تسلیم خدای تعالیٰ بود۔ چنانکہ خلیل اللہ
گفت: **اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب
العالمین**۔ اگر سالک در ظاہر و باطن موئی است کہ نہ تسلیم خدائی
است جیب دست کدام جنابت۔ جنابت کفر۔ راہ خدا چوں آں
موئی نیز تسلیم شد جنابت کفر برخیزد"

خلاصہ یہ ہے کہ راہ معرفت میں ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہئے۔ صرف دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ ظاہری اعضاو جوارح سے بھی اللہ کے احکام کی پابندی ہونی چاہئے۔

مکتوب ۷۱ میں اہل اللہ کا ادای ارکان و فرائض اور پابندی شرع کا جو مطلب حضرت مولانا بیان فرماتے ہیں انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"واگر گوئی دوستان خدا نماز نگزارند و روزہ ندارند گویم
نماز گزارند اما در نمازی دیگر گزارند و در روزہ روزۂ دیگر

دارند۔ باللہ العظیم ۔تا چند قدمی از بیرون نہ روی این سخناں فہم نتوان کرد۔ تراکلمات بیخوداں گویم گوشی از بیخودی۔ ای دوست سلوک راہ خدای تعالیٰ ومرگ بیخودی وولایت ثانی ہمہ بیک معنی است اما تادرون بردہ آئی پس راز بشنو از بیرون نتواں شنید۔ (ص ۷۳ الف)''

اپنے مکتوب ۹۶ میں درویش کی علامت اور معرفت کے ضمن میں صاف لفظوں میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اس راہ میں دنیا کے تمام علائق اور تفکرات سے دل موڑ کر یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے ہی کی صرف ہوس ہونی چاہئے اور طلب ماسوااللہ کو بالکل ترک کردینا چاہئے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کے احکام اور فرمان نبویؐ کی مکمل پیروی ہو۔ تحریر فرماتے ہیں:

''درویشی چیست؟ سینہ پاک از ہمہ اندیشہا جز یک اندیشۂ ودماغی صاف از ہمہ ہوسہا بجز یک ہوس۔ بیت:

ہوس است در سر من کہ سری بسر ندارم
من ازان ہوس چنانم کہ ز خود خبر ندارم

این درویشی است و صاحب ایں معنی درویش است۔ باللہ العظیم (ص ۱۹۱ الف ب)''

زمانہ کی بے راہ روی اور دین سے کنارہ کشی کا تذکرہ بھی اپنے ایک مکتوب ۱۰۳ میں بڑے قلق واضطراب کے ساتھ فرماتے ہوئے مکتوب الیہ مولانا عالم کو جو چند نصیحتیں اعمال کی درستی کے لئے کرتے ہیں ان سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت مولانا کے نزدیک اتباع شریعت کی کتنی زیادہ اہمیت ہے۔

ایک مکتوب ۷۳ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا صرف دوسروں کو ہی نصیحت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ خود بھی انہی پر کاربند رہتے تھے۔ اپنے معمولات کو بیان کرتے ہوئے اپنی ریاضت اور مشقت پر تفصیلی طور پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''غرض فقیر این بود کہ من فرزند وعیال ندارم وطلب دنیاو
حب جاہ ومال ندارم ودریں شہر تعلقی وکاری ندارم جز بیان سودائی
خود ودعائی این فقیر خدمت ملک را کم از دو سوار برگستوانی کہ پیش
ملک غزا کنند نخواہد بود واین بیچارہ با خدائی خود وعید کرد کہ از خلوت
گاہ خود بیرون نیاید مگر بسہ جاہی۔ جماعت۔ وجمعہ۔ وگور۔ خانہ را
گور ساختہ ام درراہ موتوا قبل ان تموتو اقدم می زنم کہ بیش از مرگ
میرم (ص ۵۷ الف)''

مکتوب ۱۱۱ میں محبت وعشق فی اللہ کی افادیت اور ضرورت پر بڑے پر اثر انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں:

''قال اللہ تعالیٰ و الذین آمنوا اشد حبا للہ ۔ شدت
محبت مغز ایمان است۔ میوہ بے مغز کار نیاید۔ ایمان بے مغز چہ
کار آید۔ آن دیوانہ ازیں جا گفت ہر کرا عشق نیست ایمان
نیست۔ المحبۃ محبۃ فاذا اشد صار عشقا۔ (ص ۱۰۱
الف)''

مکتوب ۱۴۱ میں اتباع شریعت اور پیروی رسولؐ کی تاکید ذرا سخت الفاظ میں ملتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ حقیقت میں درویش وہی ہے جو سنت نبوی کی پوری پوری پیروی کرتا ہو اس مکتوب کا انداز بیان بھی بہت دلچسپ اور دل میں اتر جانے والا ہے۔

حضرت مولانا اپنے تبحر علمی اور دقت مطالعہ کی وجہ سے حضرت مخدوم کے مریدین میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود حصول علم اور مطالعہ کتب کی لگن ایسی تھی کہ دور دراز سے کتابیں منگواتے خود اس کی نقل کرتے اور پھر انہیں بحفاظت تمام واپس کر دیتے۔ اسکا ثبوت بھی ان کے مکتوب ۱۳۹ سے ملتا ہے۔ جس میں انہوں نے مکتوب الیہ کو چند کتابیں روانہ کرنے کے لئے لکھا ہے اور ان کی نقل کی اجازت بھی طلب کی ہے۔ حضرت مولانا اپنے مکاتیب میں اپنے پیر ومرشد کی طرح بکثرت اشعار بھی نقل کرتے جاتے ہیں۔ لیکن ان اشعار میں ان کی اپنی غزلوں کے

اشعار بھی موجود ہیں۔ان سے عبارت مکتوب اور انداز بیان میں بڑی رنگینی اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔ کچھ خطوط میں ہندی کے دوہرے بھی استعمال ہوئے ہیں لیکن بخط فارسی، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ صوفیای کرام نے مقامی زبانوں کو کتنی اہمیت دے رکھی تھی اور عوام سے ربط پیدا کرنے کے لئے انہیں سیکھنے کی مشقتیں بھی انہوں نے اٹھائی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اردو کی نشو ونما میں بھی ان دوہروں کا بخط فارسی تحریر کیا جانا ایک خاص تاریخی مقام رکھتا ہے۔اس حیثیت سے بھی حضرت مولانا کی خدمات دانشوران بہار کے اعزاز وافتخار کا باعث ہیں۔ چند دوہرے جو اس مجموعہ میں درج ہیں ملاحظہ ہوں:

(۱) بات بھلے پر سا نہ کرے نگر بھلا پر دور
ناتھ بھلا پاتلا مارے کر ہڑ چور

(۲) سانکر کنواں پتال پائی لاکھن بوند نکالے
بجر پروسہ متھرا نگری کانہہ پیاسا جاکے

(۳) آمی کون تن نیکر وا جنگل کر نہہ اداس
کنکر چن چن جل سہہ دہی نہ چھو نہ پاس

مکتوبات کی فہرست میں مکتوب الیہ میں سلطان غیاث الدین اور وزیر اعظم (دستور) خان ہمایون کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ان کے علاوہ دیگر امرائے سلطنت بھی حضرت مولانا کے ارادت مندوں اور عقیدت مندوں میں تھے لیکن ان کی امارت یا علوئے مرتبت حضرت مولانا کی تعلیم وتربیت یا پند ونصائح کی راہ میں حائل نہیں بلکہ یکساں اور عام انداز سے انہیں بھی مخاطب فرماتے ہیں۔اور انہیں بھی اسی طرح نصیحت کرتے اور محرم راز راہ سلوک بناتے ہیں جس طرح دوسرے ارادت مندوں کو۔کوئی فرق وامتیاز کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ چنانچہ مکتوب ۱۵۰ میں دستور ہمایون کو مخاطب کرتے ہیں تو صرف السلام علیکم سے۔اس کے بعد عربی میں ایک جملہ لکھنے کے بعد اس طرح نصیحت فرماتے ہیں:

"بیرون آمدن از ہوا و عادت وصرف وقت در طاعت و عبادت در طلب مرضات اللہ است۔ وسعی وکوشش در برآمدن کار مومن و دریافتن وی نیز کار بزرگ است (ص ۱۳۶ الف)"

سلطان غیاث الدین کے نام جو مکتوبات ہیں ان میں بھی یہی بات ہے۔ بے تکلف "ای دوست" کے لفظ سے مخاطب فرماتے ہیں اور بلا جھجک پند و نصائح کے الفاظ نوک قلم سے نکلتے ہیں۔ ایک مکتوب ۱۵۱ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نے سلطان کو دستار اور آئینہ ہدیہ میں روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد مکتوب ۱۵۲ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سفر حج کی نیت رکھتے ہیں اور سلطان سے سفر کا انتظام اور چاٹگام سے روانگی کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس کا تذکرہ حضرت مولانا کے حالات کے ضمن میں بھی ہو چکا ہے۔

ملفوظات حضرت شیخ آموںؒ:

حضرت شیخ آمونؒ کے مندرجہ ذیل دو مجموعہ ملفوظات ہیں اور یہ دونوں ہی مجموعے معاشرتی اور تاریخی حیثیت سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں اس لئے ایک ملفوظ "تحقیقات المعانی" کے جامع حضرت شیخ آمون کے صاحب زادہ حضرت شیخ ارزانی ہیں۔ اور دوسرے ملفوظ مطلوب مبارک کے جامع ان کے پوتے حضرت مبارک ہیں۔ دونوں بزرگوں کو نسبی حیثیت سے جو قربت حضرت شیخ آمون سے ہے اور پھر حضرت آمون کو جو قربت حضرت مخدوم جہاں سے تھی اس کا تقاضہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاں کے حالات و واقعات یا نسب وغیرہ کے سلسلے میں جو بیانات حضرت آمون کے ان ملفوظات میں آئے ہیں ان کی صحت پر پورا پورا بھروسہ کیا جائے اس طرح کا دوسرا ایک ملفوظ گنج لا تخفی بھی ہے جو حضرت حسین نوشہ توحید بلخی کا ہے اور جس کے جامع ان کے ایک ارادت مند ہیں۔ انہیں کوئی نسبی تعلق حضرت حسین بلخی سے نہ تھا۔ اس لئے حضرت آمون کے ان دونوں ملفوظات کے مقابلے میں اس کی وہ

اہمیت نہیں رہتی۔ ویسے اس کی اہمیت وافادیت اور صوفیانہ ادب میں اس کے مرتبہ ومقام پر انشاء اللہ اگلے باب میں بحث آئے گی۔

برادر محترم ڈاکٹر طیب ابدالی مدظلہ نے دونوں ملفوظات کو ایک تصور کر کے وسیلہ شرف کے حاشیہ پر ایک مختصر نوٹ بھی سپرد قلم کیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ تحقیقات المعانی ہی کا دوسرا نام مطلوب المبارک بھی ہے [1]۔ حالانکہ ان دونوں ملفوظات کے جامع حضرات بھی مختلف ہیں اور ان دونوں ملفوظات کے مضامین بھی مختلف ہیں، اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ حضرت آموں کے ان دونوں ملفوظات کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تاکہ میرے اس دعویٰ کی تصدیق بھی ہو جائے کہ دو نام سے یہ دونوں ملفوظات حقیقتاً دو جداگانہ رسائل ہیں ایک نہیں۔ گو بعض موضوعات بحث میں ان دونوں رسائل میں اتحاد پایا جاتا ہے لیکن اس بنیاد پر دونوں کو ایک ہی ملفوظ قرار دینا مناسب نہیں۔

(۱) تحقیقات المعانی:

جامع حضرت شیخ ارزانی۔ قلمی مکتوبہ ملا غلام یحییٰ بہاری۔ قبل از ۱۱۵۰ھ۔ ضخامت ۱۲ صفحات۔ ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۹ سطریں۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ بلخیہ فتوحہ کی زینت ہے۔ آغاز کتاب میں ایک مختصر دیباچہ ہے۔ جس کی ابتدا حمد ونعت سے ہوتی ہے۔ حمد ونعت کا طرز تحریر ادیبانہ ہے۔ ہر جملہ مقفیٰ ہے جیسے:

"مجمع رسالت شمع شب کرامت صبح روز قیامت"

پھر جامع نے اپنا نام لکھنے کے بعد ملفوظات زیر نظر کے جمع کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ آموں نے اس رسالہ کو من اولہ و آخرہ ملاحظہ فرما کر خود ہی اس کا نام تحقیقات المعانی تجویز فرمایا ہے۔ جہاں حضرت آموں کا نام نامی آتا ہے وہیں ان سے اپنی نسبت نسبی کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔ تحریر ہے:

"می گوید بندہ عاصی بیچارہ ارزانی حسب اظہار و استفسار از راہ ارشاد بر وجہ تعلیم و تلقین از لسان گوہر فشاں خلیفہ عصرنا

---

[1] حاشیہ وسیلہ شرف مرتبہ ڈاکٹر طیب ابدالی ص ۴۳

ومقتدای دہرنا گوہر معدن تحقیق ولولوءلجہ تصدیق حضرت مخدومنا
مقبولنا مرشد الحق والحقیقة مولانا بندگی حضرت مخدوم شاہ آموں
والد بزرگوارم قدس روحہ درسمع قاصرایں وفہم فراخاطرایں بیچارہ
گشتہ مطابق ایماء شریف واشارت لطیف تحت قید قلم درآوردہ
بنظر مبارک حضرت مخدوم معز اللہ عظمۃ اللہ گزرانیدہ چنانچہ ازراہ
توجہات وعنایات بی غایات من اولہ وآخرہ مطالعہ شریف فرمود۔
بزبان مبارک نامش تحقیقات المعانی نہادہ اشارت بلیغ بالتکرار و
التاکید فرمودہ بدیں وجہ کہ اکثر فواید خوب بترتیب مرغوب واقع
است۔ (ص ۱-۲)

دیباچہ کے بعد اصل ملفوظ کی عبارت کا آغاز دن تاریخ اور وقت کی قید کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن شروع مجلس میں سن تالیف مذکور نہیں ہے۔ آخری مجلس میں سن اربعہ وثمانین وسبعمائۃ (۷۸۴ھ) درج ہے۔ جملہ ملفوظات دو ابواب پر مشتمل ہیں۔ ہر باب میں تین تین مجلسیں ہیں جن کی ابتدا ۱۵ر رجب سے ہوتی ہے۔ اور اختتام ۴ر شعبان ۷۸۴ھ کو ہوتا ہے۔ باب اول تحریر کرنے کے بعد اس کی مجلسوں کے مندرجات کو موضوعات تحریر کردئے گئے ہیں جو اس طرح ہیں:

"درذکر سلسلہ توالد وآباواجداد قدوۃ العارفین مخدوم
العالم حضرت پیران پیر مخدوم شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری
مخدوم جہاں دام شرفہ ودرذکر سلسلہ توالد آباواجداد حضرت شاہ
مظفر بلخی خلیفہ اعظم مخدوم العالم حضرت مخدوم جہاں دام شرفہ ودر
ذکر سلسلہ توالد آباواجداد بیچارہ مولف این مختصر ودرذکر وجہ تسمیہ
قریہ چرواہان کہ مرکب بہ اسم ابراہیم پور علی وجہ التحقیق مشتمل است"

اس طرح اس باب میں تین بزرگوں کے انساب کو بالتفصیل علیحدہ علیحدہ پہلی مجلس میں بیان کیا گیا ہے۔ اور بر سبیل تذکرہ بعض اسماء کی وجہ تسمیہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعض اسماء کے لقب بھی بصراحت بیان کئے گئے ہیں اور ان کہ وجہ بھی بتائی

گئی ہے۔ مثلاً حضرت مخدوم جہاں اور مولانا مظفر بلخی کے انساب بیان کرنے کے بعد جب حضرت آمون خود اپنا سلسلہ نسب بیان کرتے ہیں تو یہ بھی بتاتے ہیں کہ فہر ابن مالک ابن نضر کا لقب قریش تھا اس کے بعد ان لوگوں کے یہ لقب اختیار کرنے کی کیا وجہ ہوئی اس پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

> ''وجہ تسمیہ بقریش آنست کہ ہمہ در حرم جمع شدند بعد از آنکہ متفرق شدہ بودند و تقرش جمع شدن یا بجہت آنکہ ایشاں اہل تجارت و کسب بودند و بریں تقدیر کہ قریش از قرش کہ بمعنی کسب است گرفتہ باشند و بعضی گویند کہ بجہت آن ایشاں را قریش گفتند کہ مردم چوں بحج خانہ کعبہ می آمدند آن تفتیش حال فقراء می نمودند و ایشان را چیزی می دادند۔ بنا بریں تقدیر قریش از تقرش کہ بمعنی تفتیش است ماخوذ بود۔ (ص-۴)''

اسی طرح کتابوں میں جو مختلف وجوہ لقب قریش اختیار کرنے کی آئی ہیں انہیں بصراحت بیان فرمانے کے بعد جیسا کہ اس ملفوظ میں درج ہے حضرت شیخ آمون تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے اس کے بعد مراقب ہوئے اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے۔ جب آیت لاتقنطوا الخ پر پہنچے تو آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ اور اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں کی وفات کا واقعہ بیان فرمایا جس سے ان کے دیدہ پرآب ہونے کی وجہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اور حضرت مخدوم جہاں کے وفات نامہ مرتبہ زین بدر عربیؒ کے بیان کردہ واقعات کی تائید بھی ہوتی ہے۔

دوسری مجلس میں حضرت آمون اپنے آباو اجداد کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ابراہیم پور چرگاران (ضلع مونگیر) میں وارد ہونے کی مفصل کیفیت بیان کرتے ہیں۔ پھر بیعت اور حضرت مخدوم جہاں کی عنایت سے جو جاگیر انہیں اس موضع میں ملی تھی اس کی اپنے ذمہ منتقلی کی تفصیل اور اس زمین پر حضرت مخدوم کی باغ لگانے کی تاکید کے بموجب اسے آباد کرنے کا نقشہ بڑی صراحت سے کھینچا ہے۔

تیسری مجلس میں قریہ شیخ پورہ کے ابراہیم پور چرگاوان سے موسوم کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے یہ کہا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں اپنی عادت کے موافق حضرت آمون سے ملنے آئے تو انہوں نے نذر میں ملی ہوئی زمین پر اپنے حکم کے مطابق جب باغ لگا ہوا دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اس جگہ کو آباد کرنے کی تاکید فرماتے ہوئے اپنی زبان مبارک سے اس جگہ کا نام شیخ پورہ ابراہیم پور چرواہاں فرمایا۔ چنانچہ ان کے حکم کے مطابق یہ جگہ آباد کی گئی اور اس کا یہی نام مشہور ہوا۔

حضرت آمون نے اپنے بزرگان سلسلہ کے جن معمولات ریاضت ومجاہدہ اور وظائف کا ذکر اپنی مجلسوں میں کیا تھا وہ دوسرے باب میں درج کیے گئے ہیں۔ اور آخر میں مولف نے ان کی وفات کا پورا حال سپرد قلم کیا ہے۔ چنانچہ مجالس شروع کرنے سے پہلے باب دوم تحریر کرنے کے بعد موضوعات کو ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

"دربیان ارشاد تلقین ذکر مشائخاں وعابدان شب خیزی
بہ نہجی کہ از پیرا ومرشدان وہادیان رسیدہ است ودر ذکر وفات
خلیفہ عصرنا ومقتدی دہرنا مولانا حضرت مخدومنا مرشد الحق والحقیقۃ
والد بزرگوار حضرت مخدوم شاہ آمون قدس روحہ (ص-۸)"

اس عبارت کے بعد مجلس اول کا آغاز ۸ر رجب کی تاریخ سے ہوتا ہے جس میں ایک طالب راہ طریقت کو ذکر کے شرائط کیفیات اور آداب وغیرہ بتائے گئے ہیں۔ دوسری مجلس کی تاریخ ۹ر رجب درج ہے اور اس مجلس کے تحت ذکر نفی واثبات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور حضرت آمون افضل الذکر کسے سمجھتے تھے اسے بتایا گیا ہے۔ اور اس کے فوائد بتاتے ہوئے توبہ واستغفار کی کثرت اور مداومت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس فصل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمون کے نزدیک افضل الذکر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

آخری اور تیسری مجلس کی تاریخ ۴ر شعبان ۸۴۷ھ درج ہے، جس کے تحت حضرت آمون کے وصال سے قبل فرمودات اور وصایا کو قلم بند کیا گیا ہے۔ عام حاضرین کو مخاطب فرماتے ہوئے وصیت کرتے ہیں:

"وصیت من مجمع دوستان و عزیزان این است کہ بیاد
مولی کہ از ہمہ اولی است مشغول باشند"

اس کے بعد مولف ملفوظ حضرت ارزانی کو اجازت وخلافت اور تبرکات و دستار وغیرہ عطا فرماتے ہوئے ملفوظ میں تاریخ وفات بھی درج کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ مولف نے حکم ملتے ہی "مادہ تاریخ" "درشرف بصدف اصل شد" کہہ کر سنایا۔ شیخ آمون نے اسے پسند فرمایا اور اسے بھی لکھ لینے کی تاکید کی۔ اور سبھوں کو ایک ایک کر کے رخصت فرما کر اپنے حجرۂ خاص میں یاد خدا میں مشغول ہوئے اور اسی حال میں اس روز وصال فرمایا۔

آخر میں مولف یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ آمون کی اجازت و خلافت کے بموجب وہ ۶۳ سال تک سند سجادگی پر فائز رہے۔ اس مدت میں ان کے لڑکے حضرت مبارک (جامع مطلوب المبارک) حصول تعلیم ظاہری و باطنی سے فارغ ہو چکے تھے انہیں مولف نے اجازت وخلافت عطا کر کے تمام طالبین اور مریدین کے سامنے بزرگوں کے تبرکات دستار وغیرہ مرحمت فرمائے۔

مطلوب المبارک:

قلمی مکتوبہ شاہ محمد اعظم علی منیری۔ بتاریخ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۳۷ھ

دوسرا نسخہ مکتوبہ شاہ محمد عمر منیری ثم الاسلام پوری بتاریخ ۱۷ رجب ۱۳۱۷ھ

دونوں نسخے کتب خانہ صوفی منیری خانقاہ منیر شریف کی زینت ہیں اور اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ ان کے علاوہ اس ملفوظ کے دوسرے قلمی نسخوں کی نشاندہی استاذی پروفیسر سید حسن صاحب مدظلہ نے معاصر پٹنہ بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۷ء میں اور پروفیسر خورشید حیدر صاحب نے رسالہ اشارہ پٹنہ بابت ماہ جون ۱۹۶۶ء میں کی ہے۔

پیش نظر دونوں نسخے نستعلیق میں ہیں۔ دوسرے نسخہ کی ضخامت ۲۵ صفحات ہے اور ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۱ سطریں ہیں۔ جیسا کہ میں نے پچھلی سطروں میں تحریر کیا ہے اس کے جامع حضرت شیخ آمون کے پوتے حضرت شیخ مبارک ہیں جنہوں نے اپنے

جدامجد کی زندگی ہی میں اس کارآمد ملفوظ کو ترتیب دے لیا تھا اور تحقیقات المعانی ہی کی طرح اسے بھی حضرت آمون کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے پیش کیا گیا۔ اور انہوں نے اول سے آخر تک اسے بالاستیعاب معائنہ فرما کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اور اس کا نام بھی خود ہی مطلوب المبارک تجویز فرمایا۔ اس بات کو دیباچہ میں مولف نے بصراحت بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''می گوید بندہ بیچارہ ضعیف کہ بعضی ترتیب اصلاح خیر سر اللہ نہانی دریافتی ستم ہای معانی و رموزات و کیفیات خفیات ربانی و مواعظات استقامت رحمانی و دور ماندن از ہوا و حرص شیطانی کہ آنست بوازمہ جسمانی حسب اظہار و استفسار بعض طالبان دین اہل یقین از راہ ارشاد کیفیت معرفت الٰہی بروجہ تعلیم وتلقین علم الیقین والدین از لسان گوہر فشان خلیفہ عصرنا ومقتدیٰ دہرنا گوہر معدن تحقیق ولولوء لجہ تصدیق مخدومنا مقبولنا استاذنا قبلتنا مرشد الحق مولانا شاہ آمون جدنا قدس روحہ در سمع قاصر وفہم این ناقص انچہ کہ در اوقات مخصوصات بخلوت خاص مسموع و مفہوم فراخاطر گشتہ موجب اشارت بعض عزیزان ندیم وطالبان دین بہ تحت قلم درآوردہ درین چند اوراق جمع نمودہ بیچارہ مبارک بہ نظر مبارک حضرت مخدوم عظمۃ اللہ تعالیٰ گزرانیدہ چنانچہ از توجہات وعنایات و پیغامات من اولہ وآخرہ مطالعہ شریف فرمودہ پسندیدہ بزبان مبارک مطلوب المبارک نام این مختصر نہادہ۔ (ص ۲-۳)''

یہ مجموعہ بھی دو ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں ۴ مجلسیں ہیں اور باب دوم میں ۳ مجلسیں ہیں۔ باب اول کا عنوان حضرت مولف نے اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"ثابت است درمیان توحیدات و رموزات نہانی وغیرہ وسانیاسبہ کہ لائق مقام باشد" اور باب دوم میں تحریر ہے

"ثابت است در بیان اظہار سلسلہ نسب نامہ بزرگان خویش وغیرہ وسانیاسبہ"

باب اول کی مجلس اول میں وصول الی اللہ کی بحث پر بڑے عالمانہ اور منطقیانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلے عربی زبان کی ایک عبارت تقسیم وصول الی اللہ کے سلسلہ میں ملتی ہے پھر انہی تین قسموں کو جنہیں عربی زبان میں بیان کیا گیا ہے تصریح کے ساتھ درج کیا ہے۔ اور ترک دنیا اور وصول الی اللہ کی تعلیم دیتے ہوئے دنیا کی برائی اور اس سے کنارہ کشی کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قصہ حضرت سلیمانؑ کا اور ایک واقعہ حضرت مخدوم جہاں کا بھی بیان کیا ہے کہ حضرت مخدوم جب دنیا کا ذکر کرتے تو اس کے بعد وضو فرماتے اور جب بہشت کا ذکر کرتے تو غسل کرتے۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ دنیا محدث ہے اس لئے اس کا ذکر حدث ہے جس کے بعد شرعاً وضو لازم آتا ہے۔ اور بہشت خواہشات نفسانی کو تکمیل تک پہنچانے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کا ذکر بمنزلہ جنابت (ناپاکی) کے ہوا اور شرعاً ایسی حالت میں غسل واجب ہوتا ہے۔

دوسری مجلس میں یادالٰہی کے تین اقسام بتائے گئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ایک حدیث قدسی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ طالب کو چاہئے کہ وہ کشتی فنا پر بیٹھے تاکہ وہ ملاقات کے ساحل پر پہنچ سکے کشتی فنا کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ریاضت و مجاہدہ کی تعلیم ان الفاظ گہربار میں دیتے ہیں:

"باید کہ تاج اخلاص نفاس را بر سر نہادہ و کمر بند حضور را در کمر استقامت بستہ بر مرکب عبودیت سوار شود۔ و تازیانہ عبادت درست گیرد و در میدان وحدت اسپ نیارد تا مقام احمدیت برسد برین صفات قل ھو اللہ احد اللہ الصمد (ص-۸)

اس طرح قرآن اور حدیث کے حوالے دیتے ہوئے اور الفاظ کے موتی پروتے ہوئے اس بحث پر پہنچتے ہیں کہ مومن کا شغل تین اقسام پر مشتمل ہے:

''یکی عبادت دوم عبودیت سوم محبت۔ بداں کہ عبادت چیست یعنی عوض او حور و قصور و نعمت بہشت برسد۔ و عبودیت چیست یعنی عوض اور درجات حاصل گردد و محبت چیست یعنی بذلہ او ذات اللہ باشد پس مومن را باید کہ ہمہ حال طالب ذات او باشد (ص:۹)''

اس کے بعد حب اللہ تعالیٰ پر تفصیلی بحث ہے جس کے ضمن میں متعدد حوالے احادیث کے پیش کئے گئے ہیں اور اس پر فصل تمام ہوتی ہے۔

تیسری فصل کا آغاز نفس کافر کی بحث سے ہوتا ہے اور اس سے محاربہ کی تلقین اور فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے ایمان و یقین پر استوار رہنے اور ہر دم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو سمجھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

چوتھی مجلس میں تمام و کمال وہی بحث ہے جو تحقیقات المعانی کے باب دوم مجلس اول میں آئی ہے لیکن کچھ اضافہ اس طرح پر ہے کہ حضرت مخدوم جہاں نے حضرت آمون کو ذکر کی جو تعلیم دی تھی اور جس طرح دی تھی اسے حضرت آمون نے بعینہ بیان فرمایا ہے۔ اور حضرت مبارک اسے احاطہ تحریر میں لے آئے ہیں۔ اس پر یہ باب اول تمام ہوتا ہے۔

دوسرے باب مجلس اول میں جس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے اسے تحقیقات المعانی میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی نسب نامہ حضرت مخدوم جہاں حضرت مولانا مظفر بلخی اور شیخ آمون اس کے بعد پھر شیخ آمون کا خاموش ہو کر مراقب ہونا اور آبدیدہ ہونا پھر حضرت مخدوم جہاں کے وصال کا واقعہ بھی بصراحت بیان ہوا ہے۔ یہ تمام بحث تحقیقات المعانی کے باب اول مجلس اول میں بیان ہوئی ہے۔

دوسری مجلس میں اپنے بزرگوں کے انتقال مکان کا تذکرہ ہے۔ جسے تحقیقات المعانی کے باب اول مجلس دوم میں بیان کیا گیا ہے۔ پیش نظر مجموعہ میں اس سلسلہ کے تمام واقعات کا تذکرہ تحقیقات المعانی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ تفصیل سے آیا ہے۔

مجلس سوم میں حضرت شیخ آموں کے وصال کی تاریخ اور واقعہ درج کیا گیا ہے۔ یہ بحث تحقیقات المعانی میں بھی آخری مجلس میں آئی ہے اور کچھ زیادہ ہی تفصیل سے درج ہے۔ مطلوب المبارک میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اور حضرت آموں کے حکم کے بموجب تاریخ وصال اور حضرت ارزانی کا کہا ہوا مادہ تاریخ درج کر کے اس مجموعہ ملفوظات کو تمام کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ بات محقق ہو جاتی ہے کہ یہ ملفوظ ۸۴۷ھ میں تمام ہوا۔ برخلاف اس کے تحقیقات المعانی کے مولف نے اس کے بعد بھی اس میں اضافے کئے ہیں۔ اور آخری حصہ میں اپنے ضعیف ونقاہت اور سجادگی حضرت مبارک کا تذکرہ کیا ہے جس سے اس کے اختتام تاریخ کا تعین نہیں ہو پاتا۔

زبان دونوں مجموعوں کی یکساں ہے۔ تحقیقات المعانی کے دیباچہ کی زبان ادبی ہے۔ اور یہی انداز مطلوب المبارک کے مختلف مباحث میں ملتا ہے۔ تحقیقات المعانی کی مجالس کے موضوعات کچھ ایسے تھے کہ اس میں نہ تو اشعار پیش کئے جانے کی گنجائش تھی اور نہ عبارت کی رنگینی کی۔ صرف دیباچہ ہی میں اس فن کا مظاہرہ ہو سکتا تھا اور وہ پوری طرح ہوا ہے۔ برخلاف اس کے مطلوب المبارک کے مباحث عبارت آرائی و اشعار پیش کئے جانے کے پوری طرح متحمل تھے۔ اس لئے حضرت مبارک نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور اپنے تبحر علمی اور تحریر پر قدرت کا ایک اچھا نمونہ اس ملفوظ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اشعار کے برمحل استعمال نے کتاب کی عبارت کی رنگینی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ احادیث نبوی اور آیات قرآنی کو بھی موقع بہ موقع استعمال کیا گیا ہے۔ ان خصوصیات کے علاوہ اگر بغور دیکھا جائے تو دوسری خصوصیات میں دونوں ملفوظات یکساں نظر آئیں گے مثلاً زمانہ تحریر۔ بعض مباحث ملفوظ۔ حضرت شیخ آموں کا ملفوظ پر نظر ثانی کرنا۔ خود ان کا نام تجویز کرنا۔ وفا کی تاریخ اور واقعات کا بیان۔ تاریخ وفات درج کرنے کی ہدایت۔ دونوں بزرگوں کا حضرت شیخ آموں سے نسبی قرابت رکھنا وغیرہ۔ پھر اکثر و بیشتر مضامین کا دونوں مجموعوں میں یکساں لایا جانا بھی کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات عرض کرنی ضروری ہے۔ وہ

یہ کہ دونوں مجموعوں کے اگر چہ بعض مضامین اور مندرجات میں اتحاد پایا جاتا ہے لیکن زبان و بیان میں دونوں کے نمایاں فرق ہے۔ ایک میں جس بات کو بہ صراحت بیان کیا گیا ہے، دوسرے میں اسے اختصار کے ساتھ لایا گیا ہے۔ کہیں اس کے برعکس بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ حضرت مبارک کی زبان ادبی ہے اور طرز بیان سادہ نہیں۔ جو خصوصیت حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات کی ہے وہ اس میں مفقود ہے۔ اس کے برعکس حضرت ارزانی نے دیباچہ میں تو اپنا زور قلم دکھایا ہے لیکن بقیہ مضامین بیانیہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور ان کے طرز ادا کی خشکی قاری کو کھٹکتی ہے۔ لیکن وہ بھی کیا کرتے۔ موضوعات بحث کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ اس میں تخیل کے گل و بوٹے نہیں کھل سکتے اور نہ انداز بیان ہی رنگین ہو سکتا تھا۔

مکتوبات و ملفوظ حضرت حسین معز شمس بلخیؒ:

حضرت حسین نوشہ توحید بلخی کے مکتوبات کے طرز تحریر اور اہمیت کے سلسلہ میں صاحب اخبار الاخیار اس طرح رقم طراز ہیں:

"او را نیز مکتوبات است بطرز مکتوبات شیخ بزرگ اعنی شیخ شرف الدین قدس سرہ مضمن اسرار توحید و باعث بر اختیار تجربہ بزبان لطیف و بیان عجیب۔ (ص ۱۳۹)"

لیکن یہ مکتوبات حضرت مولانا کے مکتوبات کی طرح اب تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے ہیں۔ ان کے قلمی نسخے بہار کے متعدد قدیم علمی اور روحانی خانوادوں کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ میرے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ کتب خانہ بلخیہ فتوحہ پٹنہ کا ہے۔ اس کی فہرست میں ۱۵۴ مکاتیب سلسلہ وار بقید عنوان درج ہیں۔ لیکن نسخہ ناقص آخر ہے۔ آخری مکتوب صدوسی وسیوم (۱۳۳) بھی ناتمام ہی ہے۔ بقیہ مکاتیب کرم خوردگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ ۱۳۳ مکاتیب بھی دو خط میں ہیں۔

۱۰۶ المکتوبات کی کتاب خط نسخ میں ہے اور تحریر قدیم ہے۔ اس میں بھی کہیں کہیں سے کچھ حصے غائب ہوئے ہیں جنہیں بعد میں پورا کیا گیا ہے۔ اسی انداز تحریر میں ۱۰۶ المکتوب کے بعد کے مکتوبات موجود ہیں جو صاف کاغذ پر خط نستعلیق میں ہیں اوران کی کتابت زیادہ قدیم نہیں ہے۔

مکتوبات کی فہرست اور عنوانات درج کرنے سے پہلے ایک مقدمہ شریک مجموعہ کیا گیا، جس میں حمد ونعت کا حصہ ایک صفحہ سے زیادہ کا ہے۔ اور بہ زبان عربی ہے حمد ونعت کے بعد عربی ہی کا ایک شعر بھی درج ہے اس کے بعد جامع حضرت حسن دائم جشن بلخی ابن حضرت حسین بلخی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اس مجموعہ کی تالیف کا سبب تحریر کرتے ہوئے معارف وحقائق راہ سلوک پر بھی اپنے انداز اور اپنی زبان میں خامہ فرسائی کی ہے اور اسی ضمن میں صاحب مکتوبات حضرت حسین بلخی سے مکتوبات کی نسبت بھی بیان کر دی ہے۔ دیباچہ کا انداز بہت لطیف اور شیریں ہے۔ درمیان میں حسب ضرورت اشعار لا کر عبارت کو اور بھی رنگینی اور شیرینی بخشی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ حصہ فارسی زبان کے اچھے سے اچھے ادب کے مقابلہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۱۴ صفحات کے دیباچہ کے بعد فہرست مکتوبات درج ہے۔ فہرست میں درج عنوانات پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نوشہ توحید بلخی نے شریعت کے تمام احکام اور طریقت کے بھی مقامات پر اپنے مکاتیب میں روشنی ڈالی ہے۔ شرعی احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت کلام پاک، طہارت ظاہر، وضو اور ایمان باللہ وغیرہ پر علیحدہ علیحدہ مکاتیب میں بحثیں ملتی ہیں۔ اسی طرح مقامات طریقت مثلاً معنی توحید، فنا، بقا، ذکر، مبداء ومعاد، وجود عالم، معاد سالک، کفر وایمان صوفیان، مشاہدہ حقیقت، انواع معرفت، ترک وتجرید، قطع علائق وترک ہوا، رقعہ عجب، صحبت سالکان، قضاوقدر، تسلیم، تفویض، رضا، تکوین، احوال، توبہ، تطہیر جوارح، محاسبہ نفس، محافظت نفس، خودی وبیخودی، حضور دل، تقلیل طعام وشراب، ذوق وشوق، پاسبانی دل، یاد حق، مروت وفتوت، ریاضت ومجاہدہ، علو ہمت، تصحیح تعین سالک، توکل، ترک اسباب، کفایت مہمات خلق، دستگیری محتاجان، حسن خلق، اخلاق، تواضع، مقام فراق ووصال، اشتیاق،

افلاس مردان دین، حسرت بر مصیبت نایافت، شکستگی و محبت، دوستان حق، اعتقاد با درویشان، احتیاج مرشد، حسن اعتقاد با پیر، محبت حق، عشق حق، احوال عاشق، وجد، مستی شراب وحدت وغیرہ پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں۔ بعض بحثیں بہ تکرار کئی خطوط میں آئی ہیں۔ اس کی وجہ بھی صاف ہے کہ مکررات پر مشتمل یہ خطوط کسی ایک ہی شخص کے نام نہیں بلکہ متعدد اور مختلف حضرات ان کے مخاطب ہیں۔ پھر بھی ان مکررات کا انداز بیان تمام خطوط میں بدلا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے غالباً انہیں اس مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ بعض مکاتیب مشاہیر صوفیا مثلاً مولانا روم، شیخ سعدی اور حضرت شرف الدین پانی پتیؒ کے اشعار کی تشریح وتوضیح پر بھی مشتمل ہیں۔

جن لوگوں کے نام اس مجموعہ کے خطوط ہیں ان سبھوں کو لکھنا اس لئے ناممکن ہے کہ میرے پیش نظر جو نسخہ مجموعہ مکتوبات کا اس وقت ہے اس کا آخری حصہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ناقص ہے۔ لیکن جو چند نام بقیہ موجودہ مکاتیب سے اخذ کئے جا سکے وہ درج ذیل ہیں:

مولانا نورالدین، ملک احمد، مولانا علی، فضل اللہ، قاضی قمرالدین،
مولانا سعدالدین، نورالدین جونپوری، مولانا تاج الدین، قاضی احمد،
خواجہ افتخارالدین، مولانا عینی، مولانا شیخن، ملک القضاۃ، قاضی واحد
مولانا سماءالدین، قاضی نصیرالدین، سراج الدین، امام حسام الدین،
مولانا شہاب الدین، خواجہ میر بڈھ، مولانا مبارک، خواجہ احمد،
مولانا معزالدین، مولانا بہاءالدین، کبیرالدین، ملک رفیع،
سلطان ابراہیم۔

اس مجموعہ کا سب سے طویل مکتوب فی الحال ۸۶ ہے جو کئی صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ مکتوب در قہر نفس و معنی کفر وایمان کے عنوان سے درج مجموعہ ہے۔ اور مختصر مکاتیب میں مکتوب ۳۹ کو پیش کیا جا سکتا ہے جو صرف سات سطروں پر مشتمل ہے۔ اس کا عنوان در بشارت عاصیان وبشفاعت مطیعان ہے۔ طرز تحریر اور قوت بیان کا اندازہ محض چند سطروں پر مشتمل اس ایک مکتوب سے ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''درحدیث صحیح آوردہ است کہ چوں صالحان ومتقیان را از شدائد عرصات قیامت نجات دہند از فاسقان وگنہگاران فریاد نالہ وزاری بر آید۔ فرمان حضرت عزت بہ مطیعان رسد کہ ای متیعان شمار ابداں بخشیدم تا گنہگاران شکستہ حضرت مارا شفاعت کنید تا بواسطہ شفاعت شما از ایشاں در گزر کنیم۔ بعد رسیدن این خطاب ہر یکی از متقیان و صالحان یک گنہگاری طلب کنند تا بواسطہ شفاعت آن گنہگار با خداوند جل وعلا ہمکلام شوند۔ ازیں جا معلوم شد کہ در گزشتن از گنہا گاراں و تباہ کاراں بشفاعت مطیعان و متقیان صفتی از صفات رب العالمین است۔ و السلام۔''

اسی طرح تمام مکاتیب کی زبان سادہ، عام فہم اور عبارت مدلل ہے۔ آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال صوفیا اور مولانا مظفر بلخیؒ کی طرح اپنے پیر ومرشد حضرت مخدوم شیخ شرف الدینؒ کے اقوال اور تحریر سے بھی حوالے پیش کرتے ہیں۔ اشعار بھی اپنے متقدمین ہی کی طرح حسب ضرورت اور بکثرت لائے ہیں۔ مسئلہ توحید یا مسائل عشق ومحبت کی تشریح وتفصیل کی زبان ہی اشعار کو بنایا گیا ہے۔ مقامی زبان کے الفاظ بھی کہیں کہیں مکتوب میں آگئے ہیں۔ حضرت مولانا کی طرح کوئی مستقل دوہرہ پیش نظر حصہ میں ملا نہیں۔ ہاں ایک لفظ بھائی جو آج بھی برادر کے معنی میں مستعمل ہے مکوب ۶۶ میں مولانا سلیمان کے نام کے ساتھ آیا ہے۔ اسی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیای بہار مقامی زبان سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ تب ہی تو بے اختیار اور بہ وقت ضرورت یہ الفاظ نوک قلم پر آجاتے تھے۔ ایک مکتوب ۲۲ میں حضرت مخدوم جہاں سے اپنے تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے ان کی صحبت میں جو تربیت انہوں نے حاصل کی اسے اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''دعا گو مدت چہل سال با برابر رکاب بندگی مخدوم مرحوم بود چنانچہ در سفر وحضر از رکاب جدا نگشتہ از امور دارین اہم مہم

ہمیں دریافتہ کہ مرد را اول قدم نظر از خلق برعکس باید داشت تا اورا
خلق مانعہ از کاری و باعث بر کاری نگردند۔ جہانی از سلوک دریں
حیرت مندرجہ است۔ دیگر آنکہ قدم از در طلب حق چناں استوار
باشد کہ اگر روزی صد بار از راہ طلب باز دارند بلغزانند و دور
افگنند بر صد بار قدم با مخالف ہوا بر دارو در راہ طلب بند۔

عبارت مندرجہ بالا سے یہ بھی آشکارا ہے کہ حضرت نوشہ توحید بلخیؒ کی تعلیم بھی وہی ہے جو حضرت مخدوم جہاں کی تھی۔ اور ظاہراً اور باطناً ان کے مسالک میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اور اختلاف ہو بھی کیسے سکتا تھا جب کہ وہ تربیت یافتہ اور دست گرفتہ حضرت مخدوم کے تھے۔ اس راہ میں تو اتباع شیخ کو بڑی اہمیت ہے۔ اسی سے اتباع شریعت کی راہیں کھلتی ہیں اور راہ سلوک کے اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں چنانچہ حضرت حسین کے مکتوبات حضرت مخدوم جہاں کی تعلیمات کا عکس ہی ہیں۔ صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔ انداز بیان بدلا ہوا ہے ورنہ سب کچھ وہی ہے جو حضرت مخدوم جہاں یا مولانا مظفر بلخی کے یہاں پایا جاتا ہے۔ میرے اس دعویٰ کی تصدیق درج ذیل چند جملوں سے بخوبی ہوتی ہے۔

مکتوب ۱۶ میں طلب دین اور علامت مدعی صادق کے عنوان کے تحت استقامت اور طلب دین کے فضائل اور فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے دعویٰ شیخی کی حقیقت بتائی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس طرح کا دعویٰ کیسے لوگوں کو زیب دیتا ہے۔ مکتوب چونکہ طویل ہے اور بحث بھی طولانی ہے اس لئے جستہ جستہ عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

"خواجہ بی دستاروبی بارانی در مسجد نتوا اندر رفت و دعویٰ ہای
شیخی۔ شیخ ما میگوید ہر چہ مقصود تست معبود تست و خداوند تست تو
بزبان گوئی لا الہ الا اللہ چہ سود کند۔"

آگے چل کر حصول علم دین کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اور چند کتابیں پڑھ کر لوگ جس طرح عجب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس کی حقیقت پر سے پردہ اس طرح اٹھایا ہے:

"کاردیں نہ بدیں مختصر است کہ خلق پنداشتہ است کہ بکافیہ وشافیہ وجامی ومنار دانستہ شود۔ ای دوست علم آنست کہ بخدائی راہ برد۔ بخدائی رساند۔"

اسی طرح اپنے عہد کے مشائخ اور علماء کی کم فہمی اور بے راہ روی کو منظر عام پر لاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اما در زمانہ ما مدعیان ہمیں است کہ قدری علم باید و اجازت مشائخ۔ بمیان خلق رقص وسرود و بخدائی چہ کار است۔ دریغا بر کرا این ہمہ بلدی خودی می باید او حضرت صمدیت را کسی شاید آنرا کہ سر خانماں وجاہ ومال است وطلب جاہ ووقار ودستار است بریں کاریست ایں قوم خود پرستانند نہ خدائی پرستان۔ (مکتوب ۱۶)"

حضرت مخدوم جہاں ہی کی طرح اپنے ایک معتقد مولانا سعد الدین یا مولانا نور الدین مفتی جون پور کو دنیا میں الجھے رہنے اور یاد حق سے غفلت برتنے پر تہدید کرتے ہیں۔ اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"در وقت مراجعت با خدمت مخدومی ملاقات نہ شد و در قضیہ نفی سلطان موقوف بودند۔ بخدائی رب العزت داعی را چندان کراہت آمد کہ در تحریر نیاید۔ دریغا زندگانی چند روز ہم چنیں نہ کنند۔ اگر ہم چنیں کنند ہم چنیں بمیرند۔ خسر الدنیا و الآخرۃ (مکتوب ۲۳)"

ایک دوسرے مکتوب میں اپنے ایک ارادت مند کو احکامات شرعیہ کی پابندی اور برائیوں سے اجتناب کی نصیحت جن الفاظ میں کرتے ہیں انہیں بھی ملاحظہ کیا جائے

"برتو امروز واجب است کہ ازیں آلائش طہارت بدست آری تا شائستہ نماز کردی کہ بی شرط نماز نتواں کرد۔ اولا باید کہ تن وجان ولقمہ پاک کنی۔ بعدہ حواس را از معصیت پاک

کنی وآن گاہ دل را از اوصاف ذمیمہ واخلاق رذیلہ پاک کنی چوں ریا ونفاق وشہوات ممنوعہ از ماکولات ومشروبات۔ (مکتوب ۴۷)''

اور جب ان احکام کی پابندی ہو جاتی ہے تب ہی راہ سلوک کی منزلیں طے ہوتی ہیں اور عرفان حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت حسین بلخی اپنے ایک مکتوب میں یہی بات اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''وظیفہ لیل ونہار فوت نکند واز تاثیر صحبتی کہ دراں دروغ وفحش ولایعنی وبھنگ وشراب حاصل شود پرہیز واجب وفریضہ گیردو بدنگوید واوراد ونماز را مداومت نماید اصلا فوت نکند واین بنیاد را محکم بدارد وآنکہ سبب شہوت نشتہ بود------- و بیداری شب دائم وفکر لازم وایں فکر از نزدیک حق است۔ وحاضری او سلوک تمام گفتہ ام اگر مرد است بگیرد و بر اندازہ ہمت بگیرد۔ (مکتوب ۵۲)''

حضرت مخدوم جہاں نے بھی پابندی شریعت اور فرمان نبوی کی پیروی کو سلوک کی اصل کہا ہے اور جو لوگ شریعت کو طریقت یا تصوف سے علیٰحدہ تصور کرتے ہیں انہیں گمراہ اور زندیق کیا ہے۔ حضرت حسین بلخی بھی اپنے مکتوب (۹۶) میں اپنے انہی خیالات کا اظہار فرماتے ہیں اور مخالف شریعت کے لئے وہ لفظ زندقہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''ہر سلوک کہ نوعی مخالف شریعت محمد ﷺ است باطل است وزندقہ آن کس را کہ زن وفرزند اہل حقوق باشند تا عقل و حسن او باقی ست بر آن کس رسانیدن نفقہ فرزندان وزن فرض عین است از خدائی ورسول اگر در رسانیدن اہمال کند وتقصیر کند فردا نزدیک خدای و رسول ﷺ خائن باشد و از جملہ غاصیان باشد۔''

رہبانیت کا جو عام الزام صوفیا پر جہلا نے عائد کر رکھا ہے انہیں عبارت مندرجہ بالا کو غور سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ ایک صوفی کی ہی تعلیم ہے کہ حقوق کا ہر حال میں خیال رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ یہی نہیں بلکہ آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اہل و عیال کے حقوق کی نگہداشت سے مراتب بلند ہوتے ہیں اور ان کے لئے محنت کر کے روزی حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ انہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''اگر بوجہ شرعی بہ کسبی و کاری مشروع نفقہ عیال حاصل کند و برساند ایں نوع موجب ترقی وقارب باشد این جا بداند آں کسب و کار برائے خط نفس آن کس نباشد باید کہ مخصوص برائی عیال باشد و ایں کس از جہت نفس خود ہیچ غم ندارد (مکتوب ۹۶)

اسی طرح توکل کے متعلق غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں اسے دور کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ مال و اسباب یا جاگیر وغیرہ رکھنا توکل کے منافی نہیں جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے:

> ''ہذا فسق ظاہر۔ چوں جاہلانند۔ خیر از معاملہ اہل اللہ نباشد و از حرمان روزگار راہ ابوجہل و عتبہ و شیبہ در چشم ایشاں دین نماید۔۔۔۔۔آنکہ ہنوز بہ وضو و نماز ظاہر استقامت ندارد و خبر از مسئلہ عبادات ندارد و برای یک جرعۂ آب و شراب پارہ جامہ منعمان و بزرگان در خاک نہد۔ (مکتوب ۹)''

حضرت حسین بلخیؒ کے تمام مکتوبات احکام شرعیہ کی پابندی کی تاکید اور عرفان و سلوک کے رموز و نکات کی تشریح و تفصیل پر مشتمل ہیں۔ ان کے نزدیک اسلاف کی روش ہی ان کی اپنی روش تھی اور ان کے خطوط اس کے زندہ ثبوت ہیں، جو کچھ حضرت مخدوم جہاںؒ یا مولانا مظفر بلخیؒ نے فرمایا وہی ان کے یہاں بھی موجود ہے۔ انہیں خود بھی اس کا اقرار ہے ایک مکتوب میں ہے:

"من بندہ انصاف نمی خواہم اما روش طریقت سلف و
خلف راانصاف بعد ہم وانصاف مید ھانم۔ رحم اللہ علی من انصف
ولعن اللہ من ظلم۔ حق تعالیٰ ہمہ را چشمی دہد۔ و السلام
(مکتوب ۹۷)

ملفوظ گنج لایخفیٰ:

کتب خانہ بلخیہ فتوحہ پٹنہ کے دو نسخے اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔
(۱) مکتوبہ امان علی ہنسوی مورخہ ۱۲۷۷ فصلی
(۲) مکتوبہ محمد یوسف فرید الفاروقی۔ بحکم سید شاہ علیم الدین مورخہ ۲۲ر شوال ۱۲۸۳ھ بخط نستعلیق وخوش خط۔ صفحات ۲۰۱۔ اور ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۵ سطریں ہیں۔

محترم مولانا قاضی سید عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی نے اپنے مضمون مطبوعہ معارف ماہ مارچ ۱۹۵۷ء میں ملفوظ گنج لایخفیٰ کو حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیریؒ کی جانب منسوب کیا ہے لیکن محترم سید شاہ تقی حسن بلخی نے ایک مضمون (مطبوعہ المجیب پھلواری شریف ماہ شعبان ۱۳۸۳ھ میں) اس کے رد میں لکھ کر خارجی اور داخلی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ملفوظ حضرت حسین بلخیؒ کا ہی ہے۔ اور محترم اورنگ آبادی کے مضمون سے جو اختلاف اور شک وشبہہ اس ملفوظ کی نسبت کے سلسلہ میں پیدا ہو گیا تھا میں سمجھتا ہوں کہ وہ محترم شاہ تقی صاحب کے مضمون سے دور ہو چکا ہے اور اب اس سلسلہ میں مزید کسی دلیل یا برہان کی ضرورت نہیں۔ اور نہ تفصیل میں جانے کی حاجت ہے اس لئے کہ شاہ تقی صاحب کے مضمون کے بعد کوئی گوشہ نسبت سے متعلق تاریکی میں نہیں رہتا اور لکھی ہوئی بات کو دہرانا تحصیل لاحاصل ہوگا۔

اس مجموعہ کے جامع کے متعلق بھی شاہ تقی حسن صاحب بلخی نے اپنے مضمون میں ایک بلیغ اشارہ فرمایا ہے۔ اور مجلس پنجاہ وہفتم کی عبارت بھی حوالہ کے طور پر پیش

کی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ اس کے جامع مولانا نعمت اللہ ہیں۔ یہاں اس عبارت کو نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

"چند روز از رحلت مخدوم سلمہ اللہ تعالیٰ ماندہ بود کہ فرمود مرا چیزی بہ پرسید بندگی مخدوم زادہ شیخ حسن حاضر بودند ادبی کہ داشتند پرسیدن نتوانستند فرمود سلمہ اللہ تعالیٰ کہ نعمت اللہ را بطلبید چوں ایں بیچارہ حاضر شد---- (ص ۱۹۹)"

اسی مجلس کی درج ذیل عبارت بھی خالی از بحث نہیں۔ اس سے بھی یہی اشارہ ہوتا ہے کہ اس مجموعہ کے جامع مولانا نعمت اللہ ہی ہیں، کوئی دوسرا نہیں۔

"متابعت الشیخ من نیز فرزند صغیر خود را یعنی شیخ سیف الدین را اجازت می دہم و مولانا نعمت اللہ را اتا بکی او می فرمایم و بدیں بیچارہ فرمود ای مولانا شیخ سیف الدین بزرگ شود علم بیاموزی و تربیت کنی و خدمت کن۔ (ص ۲۰۰)"

اس عبارت سے مولانا کے علم و فضل پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت حسین کے ممتاز معتقدوں میں تھے ورنہ انہیں تعلیم و تربیت کی ہدایت نہ فرماتے۔ ملفوظ زیر بحث کی عبارت رواں اور سلیس ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات کی طرح جب موضوع بحث بدلتا ہے تو لفظ "فرمود سلمہ اللہ یا ذکری افتاد" سے اس کا آغاز کرتے ہیں۔ پورا ملفوظ ۷۵ مجالس پر مشتمل ہے۔ بعض مجلسوں کی ابتدا دنوں کے نام کے قید کے ساتھ ہوئی ہے، لیکن اسے قاعدہ کلیہ کا درجہ نہیں دیا گیا ہے۔ تاریخ کی قید کسی مجلس میں نہیں لیکن یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ یہ مجموعہ حضرت مخدوم جہاں کے وصال کے دو سال بعد ۷۸۴ھ میں اختتام پذیر ہوا۔ مجموعہ کا آغاز مجلس اول ہی سے ہوتا ہے۔ شروع میں کوئی دیباچہ یا مقدمہ پیش نظر نسخہ میں نہیں ہے۔ آغاز عبارت اس طرح ہوا ہے۔

"مجلس اول: روز جمعہ دولت پای بوس میسر شد۔ عزیزی التماس کرد در خانہ من پسر آمدہ است برای او نامی فرمان شود۔

بندگی مخدوم سلمہ اللہ تعالیٰ فرمود۔ برادر را چہ نام دارد۔ عرض داشت محمد۔ فرمود ایں را احمد نام کردہ شد۔ بعدہٗ فرمود می آرند کہ فردای قیامت فرمان شود ہر کسی را کہ موافق نام پیغامبر علیہ السلام باشد او را در بہشت برند۔''

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے اسمای مبارک کو بیان کیا گیا ہے۔

پھر ابو علی دقاق کے قول کی تشریح ملتی ہے اور اسی پر یہ مجلس تمام ہو جاتی ہے۔ اسی مجلس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بہشت میں کون کون لوگ کس ترتیب سے داخل ہوں گے۔

ذیل میں ابتدائی چند مجلسوں کے موضوعات پر بھی بحث مختصراً درج کرتا ہوں تا کہ اس مجموعہ کی افادیت پر روشنی پڑ سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ مکتوبات ہی کی طرح ملفوظات میں بھی حضرت نوشہ توحید گنجی کی روش وہی رہی ہے جو حضرت مخدوم جہاں یا مولانا مظفر بلخی کی تھی اور طریقہ گفتگو و تحریر بھی انہوں نے اپنے اسلاف ہی کا اپنایا تھا۔ یعنی جو باتیں پیش کی جائیں حوالہ اور دلیل کے ساتھ۔ ضرورتاً اشعار کا استعمال بھی ہوا ہے اور ان کی تشریح و توضیح بھی۔

مجلس دوم : درذکر مفعولات بندہ۔ اثر قدرت بندہ است چگونہ باشد۔ ذکر صفات حق۔ اہل وحدت۔ زلف وخال۔

مجلس سوم : حاضری قوالان وشعر خواندن وتشریح اشعار۔ درذکر عالم ملکوت لاہوت وتشریح حدیث سبقة رحمتي على غضبي۔

مجلس چہارم: گل را بوئیدن وایں مصرعہ خواندن۔

ای گل زتو خوشنودم تو بوئی کسی داری۔ درذکر یاد حق از دیدن گل۔ وتشریح حدیث حوالہ از مثنوی سنائی۔

مجلس پنجم: ذکر رفتن شہری وتشریح قول مخدوم جہان دریں باب۔ معنی مشاہدہ و احوال قیامت۔

مجلس ششم: ذکر مذہب جبر و مقام فنا و مذہب قدر۔
احوال مکاشفات و مشاہدات۔

مجلس ہفتم: ذکر فضیلت چہار یار و مذہب اہل سنت والجماعۃ و مشاہدہ در بہشت باعتقاد صوفیا۔ و معنی چہار کس۔ نیت وز وجیت چہ نوع است۔

مجلس ہشتم: ذکر در غیرت و تشریح و من غیر ته حرم الفواحش۔
بصورت حکایتی۔ وحدت و کثرت و اقسام کثرت۔

مجلس نہم: تشریح شعر خواجہ عطار۔ و مراد مرادت چیست۔ و معنی تلبیس۔
وجود عالم جبروت و ملکوت بچہ نوع است۔ تکلم خداوندی بروز جمعہ

مجلس دہم: ذکر بندہ بودن و بندگی کردن۔

مجلس یازدہم: سبق شر تعرف و بحث غیر نبی را اطلاع بر غیب نیست و نبی را هم اطلاع بر غیب بی وحی نیست۔ ذکر کلمہ طیبہ۔

مجلس دوازدہم: ذکر دوئی بر دو نوع است۔ موجودات۔ پیری مریدی۔ نزدیکی حق داوری بندہ۔ توحید عملی۔

مجلس سیزدہم: تشریح شعر و ذکر در تجلیات۔

مجلس چہاردہم: معانی و مفاہیم من عرف ربه طال لسانه و من عرف ربه كل لسانه۔ ذکر موحد حقیقی۔

اس مجلس میں موحد حقیقی کے صفات بیان کرتے ہوئے کس طرح شریعت کی پابندی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ انداز بیان کتنا مدلل اور دلچسپ ہے۔

ملاحظہ ہو:

''موحد حقیقی آنست کہ بکل احوال رجوع او بحق باشد و فرمود کہ توحید ایمان واجب کند و ایمان اسلام واجب کند و اسلام شریعت واجب کند و شریعت ادب واجب کند پس ہر کرا ادب نیست شریعت نیست و ہر کرا شریعت نیست اسلام نیست و ہر کرا اسلام نیست ایمان نیست و ہر کرا ایمان نیست توحید نیست

وادب در ہر مرتبہ است در شریعت وطریقت وحقیقت۔ ادب
شریعت آنکہ اتباع اوامر واجتناب نواہی کند وہیچ چیز ازاں فوت
نکند۔"

بعض رسومات قدیم مثلاً عرس، کندوری وغیرہ کا بھی علم اس ملفوظ سے ہوتا ہے۔ مجلس ۱۸ میں عرس حضرت مخدوم جہاںؒ کا تذکرہ ہے اسی طرح مجلس ۲۰ میں کندوری کی رسم کا ذکر ملتا ہے۔ بعض الفاظ مقامی زبان کے بھی کہیں کہیں استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے مجلس نہم میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوشہ توحید ایک چبوترہ پر تشریف فرما تھے۔ لفظ چبوترہ بعینہ اور مروجہ معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ساتویں مجلس میں لفظ چہار کی اصطلاحی تشریح ملتی ہے لیکن یہ مقام واضح نہیں ہوتا اس کی تفصیل وتوضیح مجلس ۲۲ میں اس طرح آتی ہے۔

"دنیا بر چہار کس قائم است۔ یکی آنکہ آموختن علم و
پرسیدن آن ننگ وشرم نکند۔ دوم عالمی کہ باعمل خود کار کند وسیوم
فقیر کہ دین را بدنیا نفروشد وچہارم تونگری کہ زکوۃ مال بدہد (ص
۶۱)"

رسم کلاہ ومقراض یا خرقہ خلافت کی جو توضیح وتاریخ حضرت حسین نے فرمائی ہے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ فرماتے ہیں:

"فرمود سلمہ اللہ تعالیٰ کلاہ ومقراض در وقت خواجہ جنیدؒ شدہ
است پیش ازاں ہمیں خرقہ وصحبت بود وایں خرقہ از آنجا می آید کہ
چوں حضرت رسالت علیہ السلام را در شب معراج شریک خرقہ از
حضرت عزت جل جلالہ یافت فرمان شد کہ ہر کہ بگوید کہ
مسلمانان را بپوشم ایں خرقہ او را بدہی ----- چوں خرقہ با امیر
المومنین علیؓ رسید ازو بہ فرزندان امیر المومنین رسید ونسبت طبقات
مشائخ ہمہ با امیر المومنین علیؓ ---" (مجلس ۲۳ ص ۶۲-۶۳)"

مجلس ۲۹ میں کسی ولی اللہ کا کرامت دکھانے یا خانقاہوں کی موجودہ روش پر سخت تنقید فرمائی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوئے ہیں جنھوں نے گروہ صوفیا اور زہاد کو اپنے اعمال وافعال سے بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور خود ساختہ صوفی بن بیٹھے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی حضرت نوشہ توحید کا ارشاد ملاحظہ فرمالیا جائے:

''صاحب کرامت اگر روئی بکرامت آورد آں کرامت بت اوگشت کہ ماشغلک عن الحق فہو طاغوتک۔ بی شبہہ از مکرم اعراض کردولا ولایۃ مع الاعراض علی المخصوص کہ ہر دعوئی کرامت وولایت دلیری کند۔ وامروز خوئی بیشتر خلق را ہمیں شدہ است کہ خلیفہ بگیرند و شیخ شدند و بر سجادہ نشینند و بگویند ما چنیں کردیم و چنیں خواہد شد و ہیچ غم مسلمانی نہ و تتبع احوال خود نہ و جوارح مرا از معصیت وخلاف نگاہ داشتن نہ۔ وگاہی چشم ایشاں بر لوث خود نمی افتد کہ در ازالہٗ بسیار تر شود۔ وخلفا بسیار شوند۔ ضلوا و اضلوا (مجلس ۲۹ ص ۸۳)''

اسی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ آگے چل کر حضرت مخدوم جہاںؒ کے سجادہ پر بیٹھنے کا پورا واقعہ بیان کر کے ان کے اظہار ناپسندیدگی کے الفاظ بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اسے میں حضرت مخدوم کے ملفوظات پر تبصرہ کے دوران بھی لکھ چکا ہوں۔

سماع کے متعلق حضرت نوشہ توحید کے اقوال وافعال اس کی اباحت پر دال ہیں لیکن جو لوگ نماز سے زیادہ سماع میں حضور قلب اور وارفتگی کے قائل ہیں انہیں ان الفاظ میں تنبیہ کرتے ہیں۔

''کجا حضرت نماز کجا سماع۔ چنیں اعتقاد ما نباید کرد۔ کسانی کہ ایں نوع میگویند ایشاں را ایں معنی نرسیدہ است نہ از خود دارند و نہ از پیران خود یافتہ اند۔ (مجلس ۴۱ ص ۱۲۴ و مجلس ۴۰)''

اسی طرح السلامۃ فی الواحدۃ کا جو غلط مفہوم بعض لوگوں نے رکھا ہے اور اس سے رہبانیت کا پہلو نکالتے ہیں حضرت نوشہ توحیدؒ نے اس کی بھی نفی بڑے موثر اور پر مغز انداز میں اس طرح کی ہے:

"سلامتی در تنہا بودن آں نیست کہ در گوشہ بردند و بہ نشینند۔ معنی سلامتی در وحدت در طور شریعت و طریقت آنست کہ تنہا باشد تا اگر دو نفر یکجا باشند غیبت و لا یعنی گویند و گر مشاغل از حق افتند و اکثر زمانہ باہمیں است۔ بلکہ دہ نفر کہ وقت نشستن مسلمان بنشینند عجب باشد کہ وقت برخواستن مسلمان برخیزند۔ (مجلس ۴۸ ص ۱۶۴-۱۶۵)"

معاصر صوفیا کے مکتوبات و ملفوظات کا تقابلی مطالعہ:

گزشتہ سطروں میں ملفوظات و مکتوبات کی قدامت پر ایک سیر حاصل بحث شواہد و نظائر کی روشنی میں کی جا چکی ہے۔ یہاں یہ دیکھنا ہے کہ دیگر صوفیا کے یہاں بھی ملفوظات کو جمع کرنے کا اور مکتوبات کو ذریعہ تعلیم بنانے کا رواج قرن اول میں رہا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں تحقیق کے طالب کو مایوسی کا منہ دیکھنا نہیں پڑتا، بلکہ متقدمین اور اکابر صوفیا کے ملفوظات کے ذخائر اور مکتوبات کے مجموعے اس شبہے کی تردید کرتے نظر آتے ہیں کہ ملفوظات کے جمع کرنے اور مکتوبات کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی رسم صوفیائے بہار نے تو ایجاد و اختراع نہیں کی۔ جن اکابر صوفیا کے ملفوظات آج موجود نہیں ہیں ان کے اقوال مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچ چکے ہیں۔ اس طرح قرن اول میں باضابطہ ملفوظات جمع کرنے کی کمی کو ان اقوال مشائخ نے پورا کر دیا ہے۔ مثلاً حضرت جنید بغدادی، حضرت شبلی، حضرت بایزید بسطامی اور حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی کے اقوال اور واقعات بیشتر کتب تذکرہ اور سوانح کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

ہندوستان میں صوفیا کی آمد اور اسلام کی توسیع و اشاعت، تعلیم و تعلم، درس و تدریس اور دیگر مشاغل راہ تصوف کو ملفوظات کی شکل میں جمع کرنے کی بنیاد خانوادہ چشتیہ سے پڑی۔ اس خانوادہ کے اکابر صوفیا کے ملفوظات کے مجموعے ملفوظات خواجگان چشت کے نام سے یکجا اور فرداً فرداً دوسرے ناموں سے آج بھی دستیاب ہیں۔ گرچہ ان ملفوظات کی صحت اور نسبت صحیح کے متعلق بعض اصحاب نے اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے اور کچھ لوگوں نے اعتراضات بھی کیئے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دلائل اور شواہد کے ذریعہ ان کی صحت پر شبہہ نہیں کرتے اور ان کی صحت و نسبت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح اولیت کا سہرا خواجگان چشت کے سر ہوگا ورنہ دوسری صورت میں صوفیائے بہار ہی کو یہ فخر بھی حاصل ہوگا کہ ہندوستان میں اول اول ملفوظات کو جمع کرنے کی داغ وبیل انہیں نے ڈالی۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے خود مخدوم شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کے ملفوظات میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ملفوظات کا ذکر ہوا ہے۔ ان کے اقوال و اعمال ہمارے سامنے رکھے اور تعلیمات راہ تصوف و سلوک سے ایک نئے انداز و اسلوب سے ہمیں واقف کرایا۔ اسی طرح مکتوبات کے ذریعہ بھی طالبان راہ سلوک کی تعلیم اور تربیت سب سے پہلے حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری نے ہندوستان میں کی۔ مولانا نسیم احمد امروہی نے مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی کے پیش لفظ میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کی اولیت، عظمت، انفرادیت اور قدر و قیمت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے:

"بزرگوں کے ملفوظات کی طرح ان کے مکتوبات مرتب کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے مکتوبات اپنی خاص نوعیت اور تاثیر کے لحاظ سے غالباً سب سے پہلے مرتب ہوکر بقائے دوام کے بلند مقام پر جلوہ گر ہوئے۔ (مکتوبات خوجہ محمد معصوم سرہندی مطبوعہ ص ۲)"۔

مشائخ چشت کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ یہی ملفوظات ہیں۔ اور جس عہد کے صوفیائے بہار کے ملفوظات و مکتوباست اس مقالہ کا عنوان ہیں اس دور میں اس سلسلہ کو بڑی اہمیت اور قبولیت حاصل تھی۔ اکثر و بیشتر

معاصر صوفیا خانوادہ چشتیہ ہی سے سروکار رکھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تقابلی مطالعہ کے وقت انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور ان کی افادیت واہمیت اور مسلک و مشرب کا بھی جائزہ لیا جائے۔ خواجگان چشت کے علاوہ صاحب ملفوظات ومکتوبات بزرگ ومعاصر کی حیثیت سے محض چند نام ہی سامنے آتے ہیں۔ اس طرح چودہویں صدی کے معاصر صوفیا میں حسب ذیل اسماء گرامی پر نظر ٹھہرتی ہے جنہیں صاحب ملفوظات ومکتوبات ہونے کی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل ہے اور جن کی تعلیمات چند اہم مجموعوں کی شکل میں اب تک موجود ہیں۔ صوفیائے کرام کے نام نامی کے ساتھ ان کے مجموعہ ملفوظات ومکتوبات کی فہرست بھی درج ذیل ہے:

(۱) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

ملفوظات: فوائد الفواد، افضل الفواید یا فضل الفواد، رحت المحبین، سیر الاولیا

(۲) حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ

مکتوبات بنام اختیار الدین

(۳) حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ

ملفوظات: حصول الوصول، ہدایت القلوب، نفائس الانفاس

(۴) حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ

ملفوظات: خیر المجالس، مفتاح العاشقین، مکتوبات: صحائف السلوک

(۵) حضرت جلال الدین بخاری جہانیان جہاں گشتؒ

ملفوظات: خزانہ جلال، سراج الہدایہ، جامع العلوم

(۶) حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ

ملفوظات: لطائف اشرفی، مکتوبات اشرفی

(۷) حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ

ملفوظات: جوامع الکلم، مکتوبات بندہ نواز۔

صوفیائے مندرجہ بالا کے ارشادات ومکتوبات کا موازنہ اور مقابلہ کرنے کے لئے بہار کے صوفیا میں صرف حضرت مخدوم شرف الدینؒ کے ملفوظات اور مکتوبات

کو پیش نظر رکھنا اس لئے کافی ہوگا کہ اس عہد کے بقیہ صوفیاء بہار انہی کے خانوادہ فردوسیہ سے متعلق ہیں اور ان کا مکتبہ خیال اور انداز فکر بھی یکساں ہے۔ طرز ادا اور انداز بیان کے اعتبار سے بھی ان کے اور مخدوم کے ملفوظات ومکتوبات میں شاذ ونادر ہی فرق یا اختلاف نظر آتا ہے۔ پھر بھی جہاں فرق نظر آئے گا اسے روشنی میں لانے کی پوری سعی کی جائے گی۔

(۱) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات:

فوائد الفواد

اس ملفوظ کو حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ایک محبوب خلیفہ ومرید حضرت خواجہ حسن سنجریؒ نے ان کی مجالس میں بہ نفس نفیس حاضر رہ کر جمع کیا ہے۔ جس کا زمانہ تحریر ۷۰۷ھ تک ہے۔ آغاز میں بزبان فارسی محض چند سطروں کا ایک دیباچہ ہے۔ جس میں نام کتاب اور شیخ سے اس کی نسبت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تاریخ وار بقید سن ان کے ارشادات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ زبان نہایت شستہ اور رواں ہے۔ اور انداز بیان اثر انگیز۔ یہی وجہ ہے کہ اس مجموعہ کو ہر زمانہ میں بے انتہا مقبولیت حاصل رہی: امیر خسرو جیسا قادر الکلام شاعر اور نثر نویس بھی اس مجموعہ کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے:

> ''کاش! میری تمام تصنیفات خواجہ حسن کے نام سے نامزد ہو جاتیں اور ان کے بدلہ میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا (تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۴)''

حضرت مخدوم نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کا نام نامی اپنے مکتوب اور مجلسوں میں حوالہ کے طور پر متعدد بار لیا ہے۔ اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے مسلک میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ صبر وتوکل، قناعت، فقر، عشق مع اللہ، رضا اور ترک دنیا وغیرہ جیسے صوفیانہ مقامات کی تشریح وتوضیح دونوں بزرگوں کے یہاں

یکساں طور سے ملتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں ہی کے انداز میں متقدمین صوفیا کے اقوال و افعال کو سند کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں اشعار بھی درج ہیں۔ لیکن اتنی کثرت سے نہیں جتنی حضرت مخدوم کے ملفوظات میں ہے۔ عبادت اور وظائف کی تعلیم بھی جا بجا ملتی ہے۔ احکام شریعت کی پابندی کو حضرت مخدوم جہاں ہی کی طرح راہ سلوک کا اصل الاصول قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ''اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شرع میں گرے اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اس کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔''

حضرت مخدومؒ کی طرح نماز جمعہ اور نماز باجماعت کی بڑی تاکید فرمایا کرتے اور ترک جماعت خود بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ اظہار کرامت سے بیزاری کا اظہار حضرت مخدوم جہاں نے بھی فرمایا ہے حضرت نظام الدین اولیاؒ نے بھی اس کی ممانعت ان الفاظ میں کی ہے:

> ''کرامت پیدا کردن کاری نیست۔ مسلمان روی راستی گدائی بیچارہ می باید بود (ص ۷۷)''

سماع کے متعلق جزوی اختلاف ملتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف بھی ایسا ہے کہ اہل باطن کے لئے اتفاق ہی پر منتج نظر آتا ہے۔ خانوادہ چشتیہ میں سماع کو مباح قرار دیا گیا ہے۔ اس خانوادہ کے متبعین سارا زور اسی پر صرف کرتے ہیں کہ سماع کی اباحت کو خواجگان بزرگ کے فرمودات اور تحریرات سے ثابت کریں۔ لیکن ان کی نظریں ان شرائط کی طرف نہیں جاتیں جو اس کی اباحت کے لئے لگائی گئی ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ''سنانے والا لڑکا یا عورت نہ ہو۔ جو چیز سنی جائے وہ فواحش سے پاک ہو۔ جو سنے وہ صرف خدا کے لیئے سنے اور آلات سماع مثلاً چنگ و رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں۔ سننے والوں میں عورتیں نہ ہوں۔ (ص ۹۵-۲۴۶)''

ایک مجلس میں معتقدین نے سماع کی حلت کے متعلق کچھ کہا تو حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا:

"چیزے کہ حرام است بحکم کسے حلال نہ شود۔ و چیزے
کہ حلال است بحکم کسے حرام نشود۔ (ص ۱۴)"

زیر نظر ملفوظ سے اکابر اولیاء مثلاً حضرت مخدوم جہانیاں وغیرہ سے حضرت خواجہ کے تعلقات اور معاملات داد و دہش کا بھی علم ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات ان کی زندگی کے تمام گوشوں کو ہمارے سامنے لے آتے ہیں اسی طرح اس مجموعے سے بھی حضرت خواجہ کی باعمل زندگی پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے۔ اوران کے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور تعلیمات کا حال معلوم ہوتا ہے۔

فضل الفواد:

اس کے جامع حضرت امیر خسرو ہیں۔ انہوں نے اپنی بیعت کی تاریخ سے لے کر ماہ رمضان ۷۱۹ھ تک کے فرمودات دو حصوں میں جمع کیے ہیں۔ فوائد الفواد ہی کی طرح آغاز کتاب میں چند سطروں کا مقدمہ نام کتاب اور شیخ سے اس کی نسبت کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ اس کے بعد تاریخ وارشادات شیخ کو احاطہ تحریر میں لائے ہیں۔ پہلی مجلس میں اپنی بیعت کے حالات بیان کیے ہیں جس کی تاریخ ۲۴/ ذی الحجہ ۷۱۳ھ درج کی ہے۔ حضرت خسرو کے انداز بیان پر میری کیا قدرت کہ تنقید و تبصرہ کروں۔ صرف ان کے اس بیان کا حوالہ دینا اپنی طرف سے کافی سمجھتا ہوں جو انہوں نے فوائد الفواد کے سلسلہ میں دیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ادبی اعتبار سے حضرت خسرو کی تالیف کمتر درجہ کی ہے۔ بلکہ اس بیان کو فوائد الفواد کی مقبولیت عام کی بنیاد پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور امیر خسرو کا جو خاص انداز تحریر ہے اس کو ذہن میں رکھ کر اس مجموعہ کی زبان اور بیان کا جائزہ لینا چاہیے۔ معانی و مطالب کے لحاظ سے یہ مجموعہ ملفوظات بھی تعلیمات راہ اور مقامات تصوف کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے۔ چنانچہ صالحین کی صحبت کے فواید کے متعلق حضرت خواجہ کا فرمودہ اس طرح نقل فرماتے ہیں:

''بعد ازاں لختی سخن در مصاحبت افتادہ بود و بر لفظ مبارک
راند کہ صحبت نیکاں بہ از کاری نیک است۔ وصحبت بداں بدتر از
کار بد است (ص ۴)''

حضرت حسن ہی کی طرح متقدمین صوفیا کے جو حوالے حضرت خواجہ دیتے جاتے تھے انہیں بھی نظرانداز نہیں فرماتے۔ چنانچہ صحبت نیکاں کے فوائد کے سلسلہ میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا قول بھی نقل فرماتے ہیں۔ غرض اسی طرح یہ مجموعہ بھی حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات کی مانند دلائل و براہین کے ساتھ رموز راہ سلوک و عرفان کے مطالب ومضامین پر مشتمل ہے۔ سماع کے متعلق حضرت خواجہ کا خیال اس طرح قلم بند کیا گیا ہے:

''من منع کردہ ام کہ مزامیر و محرمات درمیان نباشد۔ ہر
چہ کردہ اند نیکو نکردہ اند۔ دریں باب بسیار گلو فرمودہ
اند (ص ۱۲۶)''

دوسری جلد میں حضرت امیر خسرو تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی جلد مرتب کرنے کے بعد اسے حضرت خواجہ کی نظر سے گزارا گیا اور اس کے بعد درخواست کی گئی کہ حکایت انبیاء وسلوک بزرگان اگر بیان فرمادیں تو دوسری جلد انہی مضامین پر مشتمل مکمل کی جائے۔ یہ ایک نیا طریقہ ہے جو حضرت مخدوم جہاں کی مجلسوں یا ملفوظات کے جامع حضرات نے اختیار نہیں کیا ہے۔ حضرت مخدوم کے بعض ملفوظات تالیف کے بعد ان کی نظر سے گزرے ضرور ہیں اور ان میں بقدر ضرورت اصلاح بھی فرمائی گئی ہے لیکن اس طرح فرمائش کر کے کسی خاص موضوع کو قلم بند کرنا بالکل ہی نئی چیز ہے۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ دوسرے حصہ کی حیثیت تصنیف بیانیہ (Dictated) کی ہوگئی ہے تو یہ بیجا نہ ہوگا۔ صوفیائے متقدمین میں سے کسی کا یہ مسلک نہیں رہا ہے۔ یہ ایک انفرادیت اور جدت ہے جس کے بانی دوسری جدتوں کی طرح حضرت امیر خسرو ہیں۔ جگہ جگہ اس مجموعہ میں بھی اشعار درج ملتے ہیں لیکن کتاب فوائد الفواد ہی کی طرح خال خال۔ ان کی بہتات نہیں ہے۔

راحت المحبین :

ملفوظات خواجگان چشت میں افضل الفواد مذکورہ بالا دوسری جلد کا نام راحت المحبین مقرر کر کے شامل کیا گیا ہے۔ان میں جیسا کہ میں نے عرض کیا انبیاء علیہم السلام کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔تاریخ وصال اور مجلسوں کی قید کے ساتھ ملفوظات کو قلم بند کیا گیا ہے۔جملہ ۷ مجلسیں ہیں۔بعض مجلسوں میں مقامات راہ سلوک کا بیان اور اس کی توضیح بھی ملتی ہے مثلاً تیرہویں مجلس درویشی اور اہل سلوک کے بیان پر مشتمل ہے۔چودہویں مجلس میں اسرار عشق پر سے پردے اٹھائے گئے ہیں بعض مجلسوں میں مہینوں مثلاً ماہ شعبان، رمضان، صفر اور محرم الحرام کے خصائص اور فضائل بیان کئے گئے ہیں۔یہ باتیں ہمیں حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات میں بھی ملتی ہیں۔لیکن جس طرح ایک ہی ملفوظ میں انبیاء کرام کے مسلسل حالات کو بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور اپنے چہیتے مرید حضرت امیر خسرو کی فرمائش پوری کی گئی ہے یہ ایک نئی چیز ہے۔اور اس اعتبار سے یہ مجموعہ منفرد بھی کہا جا سکتا ہے۔

سیر الاولیاء :

اس کے جامع بھی حضرت محبوب الٰہی کے ایک مرید حضرت محمد مبارک امیر خورد ہیں اور یہ کتاب بھی دو حصوں پر مشتمل ہے۔حصہ اول میں خواجگان چشت کے حالات درج ہیں۔اور حص دوم میں حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات ہیں۔انداز تحریر فوائد الفواد اور افضل الفواد کے جیسا ہے۔مجلسوں کے تعین کے ساتھ تمام حالات اور ارشادات محبوب الٰہی بیان کئے گئے ہیں۔یہ ملفوظ بھی اس حیثیت سے منفرد ہے کہ اس کے حصہ اول میں خواجگان چشت کے حالات درج کئے گئے ہیں۔دوسرے کسی ملفوظ

میں اس کی نذیر نہیں ملتی۔ حقائق راہ تصوف کے ساتھ ساتھ احکامات شرعیہ کی پابندی کے موضوع پر بھی حضرت محبوب الٰہی کے ارشادات کو التزام کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے

تمام صوفیا راہ سلوک میں توبہ اور احکام شرعیہ کی پابندی اور عقائد کی درستگی پر بہت زور دیتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات اور مکتوبات میں بھی اس موضوع پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی کا یہ ملفوظ بھی انہی مضامین اور موضوعات پر مشتمل نظر آتا ہے۔

مکتوبات حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ

حضرت مخدوم جہاں کے مرید خاص حضرت قاضی شمس الدین تھے اور مکتوبات صدی کے نام مکاتیب انہی کے نام ہیں۔ اسی طرح مکتوبات بوعلی قلندر پانی پتیؒ کے تمام مکاتیب ان ے ایک محبوب مرید حضرت اختیار الدین کے نام ہیں۔ تخاطب کا انداز بھی جناب اختیار الدین سے حضرت پانی پتی کی محبت وشفقت کو ظاہر کرتا ہے۔ تمام خطوط میں "ای برادر" کے القاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔

حضرت پانی پتی کا بھی حوالہ حضرت مخدوم جہاں کے اکثر ملفوظات و مکتوبات میں ملتا ہے۔ جس سے ان کے علوی مرتبت اور جلالت شان کا اظہار ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عشق ومحبت الٰہی کے اسرار ورموز پر سے جہاں پردہ اٹھایا گیا وہاں حضرت عین القضاۃ ہمدانی یا حضرت پانی پتی کا تذکرہ ضرور کیا گیا ہے۔

حضرت پانی پتی اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار اور اس کے عشق میں اپنے آپ کو بھولے ہوئے تھے چنانچہ یہی سرشاری اور والہانہ پن کی کیفیت ان کے خطوط میں بھی ملتی ہے۔ احکام شرعیہ سے جس انداز میں حضرت مخدوم جہاں یا دیگر اکابر صوفیا کے یہاں بحث ملتی ہے وہ بات حضرت پانی پتی کے یہاں نہیں۔ ان کے یہاں عشق اللہ

اور فکر اللہ کی تعلیم پر سارا زور صرف کیا گیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں بھی جب اس مقام کی توضیح وتشریح کرتے ہیں تو ان کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ لیکن ہر مکتوب اسی موضوع سے متعلق ہو ایسی بات نہیں کیونکہ سالک کا مرتبہ یہ نہیں۔ اسے تو تمام احکامات شرعیہ اور افعال نبویہ کی اتباع کرتے ہوئے اپنے دل کی دنیا آباد رکھنی ہوتی ہے۔ لیکن حضرت پانی پتی کی فدائیت اور شیدائیت اس کی متحمل نظر نہیں آتی اسی لئے ان کے کلمات میں از اول تا آخر عشق، حسن، تحیر اور راضی برضائے الٰہی جیسے عاشقانہ اور والہانہ مضامین پر خامہ فرسائی ملتی ہے۔

زبان شیریں اور عبارت بہت شگفتہ ہے۔ صفحہ کا صفحہ ایک ہی موضوع عشق و محبت سے متعلق لکھ جاتے ہیں۔ لیکن قاری کی طبیعت سیر نہیں ہوتی بلکہ انداز بیان کچھ ایسا دل آویز اور موثر ہے کہ طبیعت کچھ اور کی متقاضی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ :

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے تین ملفوظات میں سے صرف ایک ملفوظ ''نفائس الانفاس'' صاحب بزم صوفیا کی نظر سے گزرا ہے۔ اور وہ بھی کرم خوردہ اور قلمی تھا۔ بقیہ کتابیں مجھے بھی دستیاب نہ ہو سکیں۔ چنانچہ بزم صوفیا میں جو تفصیلات ہیں انہیں کی روشنی میں حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات سے مختصراً موازنہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات کی طرح نفائس الانفاس کو بھی حضرت غریب کے ایک مرید خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی نے مرتب کیا ہے۔ اور تاریخ و سال درج کرنے کا اہتمام بھی فوائد الفواد کی طرح کیا ہے۔ طرز بیان بھی حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظ فوایدالفواد کا اختیار کیا گیا ہے۔ مرتب نے اپنے پیر کا نام درج کرنے سے پہلے جن القاب سے انہیں موسوم کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ

انہیں اپنے پیر سے بڑی عقیدت تھی اور نام درج کرنے میں بھی احترام ملحوظ رہا ہے۔

مضامین کے اعتبار سے یہ ملفوظ بھی دیگر مشائخ چشت کی تعلیمات سے علیحدہ نہیں بلکہ تمام تر وہی باتیں ملتی ہیں جو ملفوظات خواجگان میں ہیں۔ مثلاً وصول الی اللہ۔ کمالات انسانی۔ خود بینی و خودشناسی۔ حقیقت عالم۔ فضائل عشق و محبت۔ دلجوئی اور غیروں کو راحت پہنچانا یا بخل کی خرابیاں۔ سخاوت کی خوبیاں۔ مہمان نوازی۔ عدل واحسان اور اہل وعیال کے حقوق وغیرہ جیسے عنوانات پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں۔ اتباع شریعت اور پیروی رسول ان کی تعلیم کی جان تھی۔ چنانچہ ایک موقع پر مریدوں کو یہ بتایا ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے وہاں فرشتہ رحمت داخل نہیں ہوتا۔ پھر اس فرمان نبوی سے یہ صوفیانہ نکتہ نکالا کہ نفس انسانی کتا ہے اور خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت گویا تصویر ہے۔ ایسے آدمی کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہوسکتی اس لئے خدا کی محبت کے لئے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ کی محبت سے دور رکھنا ضروری ہے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ :

حضرت چراغ دہلیؒ کے ملفوظات کے دو مجموعے اس وقت دستیاب ہیں۔

(۱) خیر المجالس: مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر۔ اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی ۱۰۰ مجلسوں کے حالات اور فرمودات تاریخ وار قلم بند کئے گئے ہیں۔ صوفیانہ رموز ونکات کو بڑے دلچسپ پیرایہ میں رنگین حکایتوں کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ پوری کتاب شروع سے آخر تک بڑی دلچسپ ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کی طرح درمیان میں مستند حوالے اور برمحل اشعار بھی لائے گئے ہیں۔

(۲) مفتاح العاشقین: جامع مولانا محب اللہ۔ یہ ۳۸ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ جس میں دس مجلسوں کے فرمودات قلم بند کئے گئے ہیں۔

حضرت چراغ دہلیؒ علم وفضل میں یکتائے زمانہ اور وحید عصر تھے چنانچہ ان

کے فرمودات سے بھی ان کی علمی صلاحیت اور برتری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور ان کے افعال و اعمال بھی ان کے انتہائی پابند شریعت ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ سماع سے دیگر خواجگان چشت کی طرح انہیں بھی شغف تھا لیکن اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

> ''اول تو سماع ہی میں اختلاف علماء ہے۔ گرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کیا گیا ہے لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں۔'' دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''(سماع) داروئی دردمنداں ست'' لیکن اس کی صفت اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ''سماع میں ذوق درد دل سے ہوتا ہے نہ کہ مزامیر سے''

رجوع خلائق اور ہجوم عوام کی وجہ سے عبادت میں جو رخنے اور ریاضت میں جو رکاوٹیں پڑ جاتی تھیں، انہیں بھی بعض مجالس میں بڑی حسرت کے ساتھ بیان فرمایا کرتے اور دوسروں کو عباعت و ریاضت میں مشغول رہنے کی تلقین و تاکید کیا کرتے۔ حضرت مخدوم جہاں بھی خانقاہ کی تعمیر اور پھر معتقدوں کے اصرار پر مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہونے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اسی طرح فرماتے ہیں کیونکہ یہ سب اسباب اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حضوری قلب کی راہ میں رکاوٹ سے کم نہیں۔

خیر المجالس کی مجلس ۸۸ میں ایک سیدزادہ کے مرید ہونے اور پھر اس کو نیک اعمال کی تلقین کا پورا واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ پند و نصائح کے طور پر جو کچھ بھی فرمایا اس میں خلاف شرع ایک لفظ بھی نہیں۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ شریعت اسلامیہ ہی کی پابندی پر آپ نے سارا زور صرف کیا۔ بطور ثبوت کچھ حصے درج ذیل ہیں:

> ''نماز باجماعت پڑھا کرو۔ جمعہ کی نماز فوت نہ ہو۔ ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے اس کی روزی بڑھتی ہے۔ جو کام خدا اور رسول ﷺ نے منع کیا ہے وہ نہ کرو۔ دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے------ یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی پھر چھوٹنے والی چیزوں

کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے۔ فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا
چاہئے جو ہمیشہ باقی رہے گی ----- اگر کوئی شخص گھر یا راہ میں
شب و روز قرآن پڑھتا ہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اس
کے لئے نوکری حجاب نہیں وہ صوفی ہے اور اس کے بعد حضرت
سعدی کا یہ شعر پڑھا:''

شعار اہل طریقت لباس ظاہر نیست کمر بخدمت سلطان بہ بند و صوفی باش

حضرت مخدوم جہاںؒ ہی کی طرح حضرت چراغ دہلوی بھی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام الٰہی اور سنت نبوی ہی کی پیروی اور متابعت اور تعلیمات پر زور دیا کرتے تھے۔ ان کے ملفوظات انہی کے حوالوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اتباع بزرگان کی مثالیں وہیں آتی ہیں جہاں ان دونوں سے کوئی حوالہ یا نظیر نہیں ملتی۔ شریعت کے متابعت کے سلسلے میں ایک بار انہوں نے فرمایا کہ

''لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل
نہیں کرتے اس لئے خراب و پریشان ہیں''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ

''حضرت رسول اللہ ﷺ سے جو قول اور فعل صادر ہوا وہ
سزاوار متابعت ہے۔ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو
چیزوں پر ہے جو خدا اور رسول نے فرمایا اس کی متابعت کرے اور
جس سے منع کیا اس کو ترک کردے۔''

شریعت کی پابندی کا اتنا پاس تھا کہ مریدوں کو یہ حکم تھا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس کی تعظیم نہ کریں اور اس کے سلام کا جواب نہ دیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ اسے محسوس کر کے شرمندہ ہو۔

ان کے علاوہ حضرت چراغ دہلیؒ کے ملفوظات میں راہ سلوک و تصوف کے مقامات و احوال کی بھی تشریح و توضیح بڑے پر اثر انداز میں ملتی ہے۔ لیکن ان مقامات کو فتح کرنے کے لئے عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کو وہ لازمی عنصر قرار دیتے ہیں

تا کہ نفس امارہ کا دخل عمل نہ ہو سکے۔

اصول طریقت کی بنیاد پر غسل کی قسمیں۔ محبت کے اقسام۔ جذب و سلوک اور اس کی منزلیں۔ حال وقال۔ صحت نفس اور تربیت نفس۔ تجلی روح وغیرہ موضوعات تصوف پر بھی بڑی سیر حاصل بحث ان کے ملفوظات میں ملتی ہیں۔

(۳) صحائف السلوک: (مکتوبات)

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مکتوبات کا ایک مطبوعہ صحائف السلوک کے نام سے ہے۔ پیش نظر نسخہ کا اول و آخر صفحہ غائب ہے۔ اس لئے مطبع کا نام درج نہیں کر سکتا۔ صفحات کی تعداد ۲۰۲ ہے۔ مجموعہ میں شامل کل مکاتیب کی تعداد ۶۰ ہے۔ آخری حصہ میں مکتوبات کے جستہ جستہ اقتباسات بھی ''من فوائد'' کے عنوان کے تحت شامل ہیں۔ جن لوگوں کے نام یہ خطوط لکھے گئے ہیں ان میں ان کے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاؒ اور معاصر بزرگ حضرت خواجہ برہان الدینؒ مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاؒ بھی ہیں۔ زیادہ تر خطوط کے مخاطب حضرت خواجہ خیر الدین ہیں ان کے علاوہ حسب ذیل حضرات کے نام بھی اس مجموعہ کے خطوط ہیں۔ عزیز الدین، محب اللہ، خواجہ تاج الدین محمد، مجیر الدین، حاجی سیف الدین، سید بدر الدین۔

حضرت خواجہ تاج الدین کے خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے بھائی حضرت خواجہ سعید الدین سے بھی حضرت چراغ دہلیؒ سے مراسلت کا سلسلہ قائم تھا۔

تعلیمات کے لحاظ سے ابتدائی چند خطوط احکام شرعیہ کی وضاحت اور پابندی سے متعلق ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے خطوط کی طرح اس مجموعہ میں بھی شروع میں علم اور نیت وغیرہ کی بحث ملتی ہے۔ اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کی پابندی اور طریقوں کی وضاحت کے موضوعات ہیں۔ ان کے بعد مسائل تصوف کی توضیح و تشریح ملتی ہے۔ بعض خطوط موضوع کے اعتبار سے مختصر ہیں تو بعض بہت طویل۔ بعض مقامات کی تفصیل میں ہی علم وحکمت کے خوب خزانے لٹائے گئے ہیں۔ احکامات کے سلسلے میں کلام اللہ اور احادیث نبویہ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ اور اشعار کا بھی برمحل استعمال ہوا ہے۔ بعض مکاتیب میں تو اشعار بکثرت درج ہیں۔ ان میں عربی زبان

کے بھی ہیں اور فارسی کے بھی۔ زبان و بیان خالص علمی اور ادبی ہے۔ عام فہم نہیں۔ خصوصیت کے ساتھ جو خطوط اپنے پیر و مرشد کے نام انہوں نے لکھے ہیں وہ استعارے، تشبیہات اور اشعار سے بھرے ہوئے ہیں۔ بعض مکمل مکمل جملے عربی کے بڑی روانی سے بے تکلف لکھے گئے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کے جو خطوط تعلیم کی غرض سے لکھے گئے ہیں ان کی زبان بڑی آسان اور عام فہم ہے۔ لیکن اس مجموعہ میں شامل تمام خطوں کی زبان اور طرز تحریر دقت پسندی کی مثال ہے۔ ایک مکتوب میں صرف اصطلاحات صوفیا کی تشریح ہے۔ یہ تشریح خود تشریح طلب ہے۔ چند ایک ملاحظہ ہو:

> ''عارض القاء نفس شیطان است۔ صحو توطن باطن است در تمکن بصفت بقا۔ بقا بقاء ثباتست در عالم لاہوتی۔ حسرت بدیہہ عشق است در جمال و اضطراب در فکر۔ تجرید تنزیہہ سر است از اغیار (ص ۱۴۶)''

عام طور پر خطوط کا آغاز معمولی القاب یا اشعار سے ہوتا ہے اور اس کے بعد حضرت مخدوم جہاںؒ ہی کی طرح مقصد اصلی یعنی تعلیم کی جانب قلم کو موڑ دیتے ہیں۔ لیکن بعض مکتوب میں قدیم القاب اور طریقہ تخاطب کی بھی جھلک ملتی ہے۔ مثلاً مکتوب ۲۰ کا آغاز ایک عربی اور ایک فارسی شعر سے کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> ''فقیر حقیر وضعیف بی تدبیر احمد در غرقاب غفلت دست شہوات در آشنائی دارد و در پایات عطلت قدم سیات در گل می سپارد و سلام و دعاء از سر اخلاص رسانیدہ و نمودہ احوال بعد کرم اللہ تعالیٰ برکت خاک آستانہ شیخ ذکرہ اللہ بالخیر بخیر است للہ الحمد والمنۃ مقصود آنکہ صحیفہ گرامی اخوی بعد مدتی مدید رسید مضمون روشن گشت (ص ۶۷)''

تمام خطوط میں اپنا نام احمد تحریر فرماتے ہیں حالانکہ اسم گرامی محمود تھا غالباً عاجزی و انکساری کی بنا پر یہ روش اختیار کی گئی ہے اس لئے کہ ناقص الطرفین ہونے

کے باوجود اس مجموعہ کی نسبت میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں کیونکہ شروع کے صفحات پر نام کتاب کے ساتھ یہ بھی تحریر ہے کہ
"یعنی رقعات حضرت شیخ نصیر الدین روشن چراغ دہلی"

حضرت مخدوم جلال الدین بخاری المعروف بہ جہانیان جہان گشتؒ :

صاحب بزم صوفیا نے حضرت مخدوم جہانیان کے تین ملفوظات کا ذکر کیا ہے: خزانہ جلالی، سراج الہدایہ، جامع العلوم۔

خزانہ جلالی مخطوطہ کی شکل میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے اور تذکروں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ صاحب بزم صوفیہ کی نظر سے گزرا ہے۔ اس کے ابواب کی تفصیل بھی انہوں نے درج کی ہے۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گو یہ ملفوظ تاریخ وار مرتب کیا گیا ہے لیکن ہر ماہ کی مجلسوں کو ایک باب کے تحت بیان کر کے ایک نئی بات پیدا کی گئی ہے۔ ہر باب کو موضوع بحث کے اعتبار سے کسی نہ کسی عنوان کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ ان عنوانات کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حکایات و قصص انبیاء و اولیاء کے علاوہ اس میں احکام شرع کی پابندی اور اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے۔ اور حضرت مخدوم جہانیاں کی تعلیم کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ:

خلاف پیمبر کسی رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

چنانچہ احادیث نبوی کی فضیلت، افادیت اور اس کی اہمیت پر مستقل ایک باب قائم کیا گیا ہے پھر دوسرے ابواب میں بھی مسائل دینیہ احکام شرعیہ، بیان دعاء و نماز، فضائل سورہ فاتحہ وغیرہ کے عنوانات کے تحت یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تصوف شرع

سے کوئی الگ چیز نہیں بلکہ راہ سلوک طے کرنے کی پہلی شرط اتباع شریعت اور پیروی رسول ﷺ ہے۔ ہمیں اسی طرح کی تعلیم حضرت مخدوم جہاںؒ اور اس عہد کے دوسرے صوفیای بہار کے ملفوظات میں بھی ملتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کے بعض ملفوظ میں مشکل اشعار کی تشریح وتوضیح بھی مسلک صوفیا کے مطابق ملتی ہے۔ چنانچہ اس ملفوظ میں بھی اس روایت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اور بعض عربی اشعار کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ایک باب قائم کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بے شمار مفید معلومات درج ہیں۔ مثلاً یک علیحدہ باب میں چاول، گندم، خرما، انگور، امرود، خربزہ، انار، اسپغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضۂ مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے خواص اور فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ اس حیثیت سے یہ ملفوظ دیگر صوفیا کے ملفوظات کے مقابلہ میں انفرادیت کا حامل ہے ورنہ تعلیمات کے لحاظ سے کوئی فرق یا امتیاز کرنا مشکل ہے۔

جامع العلوم: اس کا اردو ترجمہ الدرر المنظوم کے نام سے شائع ہو کر مقبول عام حاصل کر چکا ہے۔ یہی ترجمہ اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اس میں حضرت جہانیاں کی مجلسوں کے حالات تاریخ وار درج کئے گئے ہیں۔ ہر مجلس کا وقت انعقاد بھی بیان کر دیا گیا ہے تا کہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کا فرق ظاہر ہو جائے جامع ملفوظ نے ایک طریل دیباچہ آغاز کتاب میں شامل کیا ہے۔ جس میں مجموعہ کی ترتیب کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں کو ملفوظ کی ترتیب کا علم ہو چکا تھا۔ اس لئے بعض مجلسوں میں خصوصیت کے ساتھ مرتب کی جانب مخاطب ہو کر اپنی زبان سے علم وحکمت اور رموز واسرار سلوک پر سے پردہ ہٹایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی انہیں تحریر کر لینے کی تاکید بھی فرما دیتے تھے۔ چنانچہ بعض مجالس کے واقعات مجلس کے اندر ہی قلم بند کئے گئے ہیں اس طرح کہ حضرت جہانیاں ارشاد فرماتے گئے اور مرتب اسے لکھتے گئے۔ حضرت مخدوم جہاں یا دیگر صوفیای بہار کے ملفوظات کو احاطہ تحریر میں لانے کے لئے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ مرتب ملفوظ نے دیباچہ کے آخر میں وصایا کے نام سے چند نصیحتیں بھی اپنی طرف

سے قاری کے لئے تحریر کی ہیں جو قطعی بے تعلق چیز ہے۔ اور اس کی کوئی ضرورت دیگر صوفیا کے ملفوظات کے مرتبین نے محسوس نہیں کی۔ دیباچہ کے بعد اصل ملفوظ شروع ہوتا ہے جس کا انداز تحریر بہت دلچسپ اور دل آویز ہے۔ ہر مسئلہ کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ صوفیانہ مقامات کی توضیح وتشریح کے علاوہ شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی بہ کثرت ملتے ہیں، جن پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ احکام شرعیہ اور اس کی مداومت کی بڑی تاکید ملتی ہے۔ مشہور احادیث کی کتابوں اور فقہی تصنیفات کا درس ان کی مجلسوں میں ہوتا تھا، جس کے دوران کہ اپنا مسلک بھی بیان کرتے جاتے اور مریدوں کو اعمال کی درستگی کی تاکید بھی کرتے جاتے۔ ایک جگہ سلوک، سیر وطیر کی تشریح جن الفاظ میں فرماتے ہیں وہی اس بات کی دلیل ہے کہ صوفیا کے یہاں احکام شرعیہ اور عبادات کا کیا درجہ تھا۔ فرماتے ہیں:

> ''سلوک تو عبادت بدنی ہے۔ اور سیر مصفا اور پاک ہونا دل کا ہے۔ اور طیر صفت ہے روح کی۔ اگر اس کو حق کے ساتھ محبت ہو جائے۔ (ص ۴۸، ج اول)''

اسی طرح سماع اور مزامیر کے متعلق ارشاد ہے:

> ''سماع میں اختلاف ہے لیکن ضرب دف چاروں مذہب میں حرام ہے۔ (ص ۵۰ ج ۱)''

احکام شرعیہ بیان کرنے میں یہ احتیاط رکھی ہے کہ چاروں مذاہب یعنی حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کے مسالک کو بالتفصیل بیان فرمادیتے ہیں مثلاً نیت اعمال کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ:

> ''یہ قول امام شافعیؒ کا ہے ان کے نزدیک سب چیزوں میں نیت فرض ہے۔'' (ص ۱۸۳ ج ۱)''

شیخ کامل ہونے کے لیے جو شرائط حضرت مخدوم جہانیاں نے بیان کی ہیں وہ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ علوم شرعیہ سے واقفیت اور اس پر عمل کو ان کے نزدیک کتنی اہمیت تھی۔ فرماتے ہیں:

"مشیخت کی شرطیں تین چیزیں ہیں۔ وہ تینوں نہ ہوں تو مشیخت درست نہ ہو۔ ایک شرط یہ ہے کہ تین علم کا عالم ہو۔ علم شریعت وطریقت وحقیقت۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بعض دانشمند اس کے زمانہ کے اس کو قبول کریں اور اس سے پیوند کریں۔ اور معتقد ہوں اور اس کے مرید ہوں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ سوائی خدائی تعالٰی کے اس کو اور کوئی طلب نہ ہو۔ اور یہ شعر فرمایا:

مرا ہمتی بس بلند روزی کن　　　　که من از تو ہمیں ترا نمی خواہم

اسی طرح اپنی مجلسوں میں زہد وتقویٰ، صبر ورضا، توکل وقناعت وغیرہ جیسے اہم مقامات کو دلپذیر حکایات وامثال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ جہاں حاجت ہوتی ہے آیات قرآنی اور احادیث نبوی یا اقوال ائمہ سے دلیل بھی پیش کرتے جاتے ہیں۔ دوران بیان حضرت مخدوم جہاں کی طرح اشعار کا استعمال بھی ہوتا ہے جس سے بیان میں حسن اور رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن زیادہ تر اس مجموعہ میں ان مجلسوں کی تفصیل ہے جن میں کتابوں کا درس ہوا کرتا تھا اور درس میں شامل کتاب کے اہم مقامات کی جو تشریح حضرت جہانیاں نے بیان کی ہے اسے بڑے اہتمام سے درج کیا گیا ہے۔ اکثر مجلسوں کے اختتام پر یہ عبارت ملتی ہے۔

"پس روئی مبارک بریں فقیر آوردند فرمودند فرزند من ایں فائدہ کہ گفتم بنویسید۔ پس نبشتم۔"

اور میں نے یہ شروع ہی میں عرض کیا ہے کہ اس حیثیت سے یہ مجموعہ انفرادیت کا حامل ہے۔

❁❁❁❁❁

حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانیؒ :

حضرت سمنانی کے ملفوظات کا ایک ضخیم مجموعہ جو دو حصوں پر مشتمل ہے لطائف اشرفی کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس کے مرتب دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں کہ وہ تیس سال تک حضرت سمنانی کی خدمت میں رہے ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے ان کی مجلسوں میں سنا ہے اسے قلم بند کرتے رہے۔ آخر کے کچھ حصوں کو چھوڑ کر پورا ملفوظ حضرت سمنانی نے لفظ بہ لفظ مطالعہ فرمایا اور طریقہ تحریر وغیرہ پر اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اس حیثیت سے یہ مجموعہ حضرت مخدوم کے ملفوظ معدن المعانی اور حضرت شیخ آمون کے ملفوظات کی خصوصیت کا حامل ہے۔ اور اس کے مباحث و موضوعات بیان پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن انداز بیان مرتب نے دقیق اور مشکل اختیار کیا ہے۔ عبارت عام فہم میں آنے والی نہیں۔ تاریخ اور مجالس کی بھی کوئی قید نہیں رکھی گئی ہے۔ موضوع کے اعتبار سے بھی اس کی حیثیت ایک کشکول کی سی ہو کر رہ گئی ہے جس میں صوفیانہ مباحث، شرعی مسائل، حالات صوفیا، قصص انبیاء، سیرت نبی کریمؐ اور ان کی اولاد و امجاد، بیان ائمہ وغیرہ سے لے کر پیاز، کدو، انگور وغیرہ کے خواص تک درج ہیں۔ ترتیب میں بھی کوئی قید نہیں رکھی گئی ہے۔ ایک طرح کے موضوعات مسلسل لائے گئے ہیں۔ بلکہ آغاز "در بیان توحید وارباب مراتب او" سے ہوتا ہے اور مسلسل ۳ ابواب تک مقامات و مسالک صوفیا کے بیان کے بعد چودھویں باب سے مختلف خانوادوں اور ان کے مشاہیر اولیا کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے بعد مسائل تصوف کا بیان پھر آجاتا ہے۔ احکام شرعیہ کی تفصیل بھی اسی ضمن میں ہے۔ پھر امت مسلمہ کے مختلف گروہ کا تذکرہ اور ان کے عقائد کی تفصیل ملتی ہے۔ اس کے بعد سفر کے فوائد بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد سفر میں جن لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں یا جو عجائب روزگاران کے مطالعہ میں آئے ان کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد کھانے کا طریقہ اور اس کے آداب، بعض چیزوں کے خواص کے ساتھ درج ہیں۔ پھر اعتکاف

اور خلوت گزینی کے فوائد اور طریقے پر بحث ملتی ہے۔ پھر کچھ دعائیں اور نمازوں کی ترکیب بتائی گئی ہے۔اس کے بعد قمری مہینوں کے فضائل اور خواص درج ہیں۔ان کے بعد پھر اصطلاحات صوفیہ کی تشریح وتوضیح ہے لیکن یہ سلسلہ بھی آخر تک قائم نہیں رہتا بلکہ درمیان میں حضرت نبی کریم ﷺ کے نسب، ولادت، جہاد، حج وعمرہ وغیرہ اور احوال زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے اولاد واجداد اور بنات کا ذکر ملتا ہے۔اس کے بعد حضرت علیؓ کی اولاد کا ذکر ہے پھر ان کی خلافت کی بحث چھیڑی گئی ہے۔ان کے بعد خلفائے راشدین اور بعض صحابہ وتابعین وائمہ اثناعشریہ کے مناقب بیان کئے گئے ہیں اور صوفی شعراء کا ذکر ہے۔آخر کے چند ابواب حضرت سمنانی کے حالات وکرامات اور ان کی اولاد وغیرہ کے حالات کے سلسلہ میں ہیں۔غرض اسی طرح سے سارا مجموعہ بے ربطی اور انتشار کا شکار ہے۔

رباب کو لطیفہ سے منسوب کیا گیا ہے لیکن اس لطیفہ کے اندر بھی فصلوں کی بھرمار ہے اور ان کا نام بھی ہر لطیفہ میں جداگانہ ملتا ہے۔کہیں ذکر ہے تو کہیں کرامت، کہیں یہ مقام ہے تو کہیں تذکرہ۔اسی طرح کہیں شعبہ ہے تو کہیں شرف۔پھر کہیں معائنہ کا نام دیا گیا ہے تو کہیں صنف کا۔کسی لطیفہ میں کیفیت کے لفظ سے فصل کی تقسیم ملتی ہے تو کسی میں نغمہ وکوکب، مطلع، ادب اور شرط کے الفاظ میں۔اس طرح متعدد اور مختلف الفاظ لاکر ایک جدت پیدا کی گئی ہے۔لیکن اس سے مضمون خبط ربط ہوجاتا ہے یکسانگی اور یک رنگی باقی نہیں رہتی۔

مجموعہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر اکابر صوفیا کی طرح حضرت سمنانی کے عقائد بھی شرعی احکام کی پابندی کے سلسلہ میں بہت سخت تھے۔کبھی نماز جمعہ انہوں نے قضا نہیں کی۔حضرت مخدوم جہاںؒ بھی جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے راجگیر کے جنگل سے بہار شریف تشریف لایا کرتے تھے جو ۱۴ میل کی دوری پر ہے۔ اور یہی تقریب آپ کے قیام بہار شریف کی ہوئی۔

کتاب کا آغاز جس عبارت سے ہوتا ہے وہی حضرت سمنانی کی محبت شرع کے ثبوت کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔فرماتے ہیں:

”اول چیز یکہ بر بندہ از دانستن توحید و معرفت ایمان واجب و لازم میگردد علم عقیدہ شریعت و طریقت است و علم عبادت بر درویش فرض۔ چنانچہ در اثر است ادبوا ثم افقھوا ثم اعتزلوا و عملوا (ص-۱۰ج-۱)“

اس طرح ایک ولی کے لئے کن کن شرطوں کا ہونا ضروری ہے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یکی از اہم شرائط ولی است کہ تابع رسول علیہ السلام قولاً و فعلاً و اعتقاداً بود قال اللہ تعالیٰ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ۔ و در طریق سپردن راہ متابعت و رفتن سبیل موافقت اصلا قصور نیابد (ص-۱۴۰ج-۱)“

عبادات و احکام شرع کے سلسلہ میں علیحدہ علیحدہ ابواب قائم کر کے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کی شرعی اور دینی حیثیت بیان کرتے ہوئے صوفیا کے لئے ان پر مداومت کا طریقہ بتلایا ہے۔ اور کبار صوفیا کی ریاضت و عبادت سے نظیریں پیش کر کے اس راہ کے طالب کو ان کی پیروی کی تاکید کی ہے۔

دیگر شیوخ خانوادہ چشتیہ کی طرح حضرت سمنانی بھی سماع سے بے انتہا ذوق رکھتے تھے اور اس ملفوظ میں ان کے مسلک کے جواز میں دلائل عقلیہ و نقلیہ بڑے پرزور الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں لیکن حضرت مخدوم جہاں نے جو شرائط سماع کے لئے مقرر کی ہیں ان سے انہیں بھی انکار نہیں۔ فرماتے ہیں:

”زمان و مکان و اخوان از شروط لازمہ اند وابستہ رعایت باید کرد تا اثر زیادہ یافتہ شود و مکان سماع را بمنزلہ تن و زمان بجائی دل و اخوان بمنزلہ جان است ۔ چوں ہر سہ سلیم باشد و مستمعان از آفات ایمن گردند۔ حیات جاودانی یابند۔ (ص۰۷-ج۲)“

مرتب نے ہر نئے موضوع اور بحث کے لئے ”حضرت قدوۃ الکبریٰ

میر مود' کے الفاظ کے اعادے کا التزام کیا ہے۔حوالہ جات عقلی ونقلی سے بھی اچھی طرح کام لیا گیا ہے۔ بلکہ اکثر تو کتابوں کی عربی عبارتیں صفحہ کا صفحہ نقل کر دی گئی ہیں۔اشعار بھی بقدر ضرورت آئے ہیں۔خصوصیت کے ساتھ حضرت سمنانی کی غزلیں بھی حوالہ یا مقام کی تشریح کے طور پر درج کی گئی ہیں۔

مکتوبات اشرفی:

اس کا ایک نسخہ بھی راقم الحروف کو دستیاب نہ ہو سکا۔صاحب بزم صوفیا نے اخبار الاخیار کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔اور "مکتوبات است مشتمل بر تحقیقات غریبہ"۔اخبار الاخیار میں صرف ایک مکتوب نقل کیا گیا ہے اور جس کا موضوع بحث ایمان فرعون ہے۔صرف اسی ایک مکتوب کی روشنی میں حضرت سمنانی کے مکتوبات پر کچھ لکھنا مشکل ہے۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات ومکتوبات:

ملفوظ جوامع الکلم:

جامع ملفوظ کے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔لیکن اس میں حضرت مخدوم جہاں کے بعض ملفوظات کی طرح تاریخ اور سال کا اہتمام کیا گیا ہے۔اس طرح ۱۸/رجب ۸۰۲ھ سے ۲۳/ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات اس مجموعہ میں قلم بند ہیں۔

جامع ملفوظ نے ابتدا میں ڈیڑھ صفحہ حمد ونعت میں بزبان عربی صرف کیا ہے اس کے بعد ملفوظ کے جمع کرنے کی غرض وغایت پر ادبی انداز میں خامہ فرسائی کی ہے۔عبارت دقیق اور عربی الفاظ کی بہتات کی وجہ سے ناقابل فہم ہو کر رہ گئی ہے۔ پورے مجموعہ میں یہی پیرایہ بیان ہے۔اس لئے ملفوظ کو جمع کرنے کی جو غرض ہے وہ فوت ہوتی نظر آتی ہے۔عام آدمیوں کی رسائی معانی ومطالب تک بہ آسانی نہیں ہو

سکتی۔ حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظات اس حیثیت سے بڑے کارآمد ہیں کہ ان کی آسان اور رواں عبارت کی بدولت انہیں فارسی سے معمولی شد بد رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے۔اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حضرت بندہ نواز کے ملفوظ میں ان کے روزمرہ کے معمولات کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً نماز سے قبل یا بعد کے معمولات، کھانا اور اس کے بعد قیلولہ وغیرہ کا عمل تصریح سے بیان کیا گیا ہے۔ اس حیثیت سے یہ مجموعہ زیادہ وقیع ہو جاتا ہے کیونکہ دیگر صوفیا کے ملفوظات میں ان کے عملی اور روزمرہ کی مجلسوں ہی کے تذکرے اور ان کی خصوصیات کا ذکر ہوتا ہے۔

تعلیمات کے لحاظ سے حضرت مخدوم کے مسلک کی تائید ہر جگہ ملتی ہے۔ مثلاً اہل تصوف کے لئے شرع کی پابندی پر حضرت مخدوم زور دیتے ہیں۔ حضرت بندہ نواز بھی اسی اصول کے حامی ہیں۔ ریاضت و مجاہدات میں شب بیداری، روزے، طے کے روزے، اعتکاف وغیرہ کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ چشتیہ خانوادہ کے متبعین اباحت سماع کے متعلق ان دنوں جو گہر افشانیاں فرمایا کرتے ہیں اور عمل سے اس کی حلت کا ثبوت پیش کیا کرتے ہیں انہیں حضرت بندہ نواز کا یہ فرمان بھی اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے:

> ''حالت ممدوح در سماع این است از خود نشنود با خود باشد ہر چہ کند و بگوید بداند ولیکن حالت او را گرفتہ باشد کہ از اں حرکات و سکنات کہ دراں وقت از وی صادر می شود امتناع نتواند آورد۔ اگر چہ مرد شیخ و با عزت و عظمت است ولیکن دراں وقت ہیچ ایں عزت او را مانع نیفتد۔ (ص ۱۵۲)''

ذرا غور سے دیکھا جائے اور انصاف کیا جائے کہ کتنے حضرات ایسے ہیں جن کی سماع میں مذکورہ بالا کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی عزت و عظمت کو بھول جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنی تصنیفات میں حضرت بندہ نواز نے سماع کے لئے وہی شرطیں عاید کی ہیں جو حضرت مخدوم کے یہاں ہیں۔ مزامیر کی حرمت پر بھی صاف لفظوں میں حکم دیا ہے۔

حضرت بندہ نواز کے ملفوظ میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی تشریح و توضیح اور تفسیر کے علاوہ جو باتیں کہی گئی ہیں ان کے لئے اقوال صوفیا اور کتب معتبرہ سے سندیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ اشعار کا استعمال بھی جا بجا کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں متقدمین کی پوری غزلیں ملتی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ زبان و بیان کے فرق و اختلاف کے علاوہ موضوع اور مطالب کے لحاظ سے حضرت مخدوم جہاں اور بندہ نواز کے ملفوظات میں کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔

مکتوبات بندہ نواز:

حضرت بندہ نواز نے بھی اپنی تعلیمات کا ذریعہ اپنے مکتوبات کو بنایا ہے۔ ان کے مکاتیب حضرت مخدوم جہاں ہی کی طرح اپنے مریدین معتقدین اور فرزندوں کے نام ہیں۔ بادشاہ وقت کے نام بھی ایک مکتوب اس مجموعہ میں ملتا ہے۔ جملہ ۶۶ مکاتیب کتابی شکل میں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ مکاتیب کیا ہیں، اہل ایمان وعرفان کے لئے شمع ہدایت ہیں۔ زبان و بیان سخت اور مشکل ضرور ہے لیکن مطالب ومفاہیم واضح ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کی طرح ہر بات کے لئے اپنے مکاتیب میں سند پیش نہیں کرتے ہیں۔ اشعار کا استعمال بھی بکثرت نہیں ہوا ہے۔ بلکہ بعض مکاتیب تو بالکل سادہ اور مختصر ہیں۔ لیکن اس اختصار میں بھی اصلاح باطن کی کوشش قابل ستائش ہے۔ آداب والقاب کے گرداب میں نہیں پھنستے۔ بلکہ مکتوب الیہ کو حضرت مخدوم جہاں کی طرح نہایت سادگی اور خلوص کے ساتھ مخاطب فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مکتوب ۱۰ جو مختصر بھی ہے اور جامع بھی:

"برادر دینی مولانا علاء الدین وفرزندان اودعائی محمد حسینی مطالعہ کنند۔ محقق دانند کہ مقصود از خلقت کونین وآفرینش نور عین جز عبادت وبندگی خدائی نبودہ است۔ ہر محبتی وہر معاشرتی وہر دوستی وہر معاملتی کہ باشد اگر دراں غرض دینی حاصل تست وآں برای خدائی راست خود بخ بخ والا فالانقطاع۔ شنیدہ شدہ

است کہ آں عزیز دائم متوجہ ایں حضرات است۔ کار مقربان
است و عظیم دولت است الحمدللہ علی ذٰلک کہ یکی را مقرب میدانی
و آنگاہ بدو توجیہ میکنی و ایں بار جملہ سعادتہا است۔ فعلیک
ھذا اعاظ البریۃ اجمعین۔ والسلام"

انداز بیان بے انتہا موثر اور دل میں اتر جانے والا ہے اس پر سادگی و صفائی کے ساتھ امور دینی اور عبادات کی طرف راغب کرنے کا طریقہ نہایت اچھوتا ہے۔ حضرت مخدوم کے یہاں ہر مسئلہ بہ صراحت ملتا ہے۔ اس کے ایک ایک جز کی تشریح و توضیح ہوتی ہے لیکن حضرت بندہ نواز نے وہ کام اختصار کے ساتھ لینے کی جو کوشش کی ہے اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ بعض خطوط طویل بھی ہیں لیکن یہ طوالت بلاوجہ نہیں اور نہ بار گراں ہی معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ کسی مسئلہ کو دلائل و براہین اور عقلی و نقلی طریقے سے جب ثابت کرتے ہیں تو اس میں طوالت سے دامن بچانا مشکل ہو جاتا ہے اور اسی طرح سائل کی تشفی و تسکین ہو سکتی ہے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی گلبرگہ کے نام جو مکتوب ہے اس میں صرف چند دعائیہ جملے ہیں۔ حضرت مخدوم کی طرح وہاں پند و نصائح سے کام نہیں لیتے بلکہ مکتوب کو اس جملہ پر تمام کر دیتے ہیں:

کہ تقدیر ازلی موافق دعاء ماست الحمدللہ علی ذالک - والسلام

سچ یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ فن مکتوب نویسی سے جو دینی و علمی کام لیتے ہیں اور جس طرح اپنے متبعین کی اصلاح اس کے ذریعہ سے کرتے ہیں وہ انہی کا حق ہے۔ ان کی پیروی میں دوسرے مشائخ عظام اور صوفیائے کرام نے اس میدان میں قدم ضرور رکھا لیکن اس کا حق ادا نہ کر سکے۔ کہیں حکومت و سطوت کا خوف کہیں طوالت کا ڈر اور کہیں قلم میں اس زور اور طاقت کا فقدان جس سے مافی الضمیر پوری طرح ادا ہوں۔ اور مکتوب الیہ اس سے کماحقہ فائدہ اٹھا سکے۔ یہ تمام خوبیاں اگر تھیں تو حضرت مخدوم جہاں کے قلم مبارک میں۔ اور آج بھی اس کا اعتراف ہر ذی علم اور شناور بحر سلوک و عرفان کو ہے۔

❁❁❁❁❁

اختتام

نہ جنبش غایتی دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

چودہویں صدی اور اس سے قبل کے صوفیائے بہار کے ادبی و علمی کارناموں اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مختصر جائزہ لینے اور بیرون بہار صوفیائے کرام کی آمد اور ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا ان سے موازنہ و مقابلہ کرنے کے بعد چند ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جن سے اعراض ممکن نہیں۔ ان کے انکشاف سے ممکن ہے بعض حلقے حیرت کا اظہار کریں اور کچھ لوگ صرف چونک کر رہ جائیں۔ لیکن ان اللہ لا یستحی من الحق کے مصداق انہیں عرض کر دینا ہی بہتر ہے۔

عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ تصوف کی ترویج واشاعت اور خصوصیت کے ساتھ سلسلۂ چشتیہ کے ہندوستان بھر میں بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ ہیں۔ حضرت خواجہ کا علم وفضل اور تقدس اپنی جگہ پر۔ لیکن حقیقت پر پردہ ڈالنا بھی تو درست نہیں۔ یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ ہی چکی ہے کہ ان سے قبل غیر منقسم ہند میں اولیاء اللہ وارد ہوئے اور صاحب تصنیف و تالیف بھی گزرے لیکن سلسلہ چشتیہ کے ہندوستان میں پہلے صوفی کی حیثیت سے جو خواجہ صاحب کو جانا جاتا ہے اور پہچانا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان میں یہ سلسلہ انہی سے جاری وساری ہوا تو میرے خیال میں یہ ایک حد تک عدم واقفیت اور اہل بہار کے گوشہ گمنامی میں پڑے رہنے کی عادت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ خواجہ صاحب ہی کے ایک ہم عصر چشتی بزرگ حضرت آدم صوفی ؒ (جن کی درگاہ جیٹھلی پٹنہ) بھی ہیں۔ انہیں سلسلہ چشتیہ کی اجازت وخلافت تھی لیکن بلا واسطہ حضرت خواجہ اجمیری ؒ۔ اور آج بھی یہ سلسلہ زندہ اور جاری ہے۔ (اعیان وطن)

کہا جاتا ہے کہ خواجگان چشت تعلیمات کا جہاں تک سروکار ہے اس کی حیثیت علم سینہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ خود حضرت خواجہ نظام الدین اولیا ؒ

کا قول اس سلسلہ میں موجود ہے جو خواجگان چشت کی جانب منسوب تمام ملفوظات و مکتوبات اور تصنیفات کی صحت انتساب پر ایک کاری ضرب ہے۔

حالانکہ حضرت مخدوم جہاں شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے ملفوظات میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات کا ذکر ملتا ہے اس لئے ملفوظات خواجگان چشت کے وجود سے یکسر انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور محققین کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ ان ملفوظات کی نسبت کی صحت پر شبہہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لہذا متقدمین میں سے ایک تصنیف حضرت ہجویری کی تشنگان راہ معرفتکی پیاس بجھانے کو نظر آتی ہے۔ ملفوظات خواجگان چشت کے بعد حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور ان کے خانوادے ہی کی تصنیفات ملفوظات اور مکتوبات پر نظر ٹھہرتی ہے۔ حضرت سمنانیؒ، حضرت جلال الدین بخاریؒ اور حضرت بندہ نوازؒ وغیرہ کی کتابیں بھی راہ سلوک وعرفان پر مستند مانی جاتی ہیں لیکن ان کی نوعیت اور حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات وغیرہ کی نوعیت میں نمایاں فرق یہ محسوس ہوتا ہے کہ زبان و بیان کی سادگی اور مسائل کی وضاحت میں جس طرح "تکلموا الناس علی قدر عقولھم" کے اصول پر حضرت مخدوم جہاںؒ کے مکاتیب اور ملفوظات پورے اترتے ہیں وہ بات دوسروں کے یہاں نہیں۔ لا طائل بحثوں، قصہ کہانیوں اور حضرت سمنانی کی طرح بزرگوں کے احوال پر اپنے اوقات کو صرف نہیں کرتے اور نہ اس کا انہیں موقع تھا۔ مجالس کی خصوصیت یہ تھی کہ علم وعرفان، شریعت وطریقت اور اعمال کی جو باتیں ہوا کرتیں انہی کو عام فہم زبان میں جامع حضرات قلم بند کر لیا کرتے یہی اصول ان کے متبعین اور جانشینوں کے عہد میں بھی قائم رہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی تصنیفات اور ملفوظات ومکتوبات وغیرہ کی ان کے شایان شان شہرت نہ ہو سکی جس کی وجہ غالباً علاقائی عصبیت اور بزرگان بہار کا گوشہ گمنامی کو پسند کرنا تھا۔ متقدمین کے علمی، ادبی اور عرفانی کارناموں پر خود بہار میں بھی اب تک کوئی کام نہ ہو سکا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تحقیق وتفتیش کا کام جاری ہے۔ لیکن یہ گوشہ ہنوز تاریکی میں پڑا ہے۔ کچھ لوگوں نے ہمت کی تو انہیں غلط راہ پر ڈال دیا گیا۔ اس کی حالیہ مثال پروفیسر

معین الدین دردائی صاحب کی کاوش ''تاریخ سلسلہ فردوسیہ'' کی شکل میں نظر آتی ہے۔ انہوں نے ایک اچھے اور تحقیقی کام کی طرح ڈالنے کی ہمت تو کی لیکن غیر معروف اور غیر مستند کتابوں پر اعتماد کر بیٹھے۔ قدیم صوفی خانوادوں مثلاً اسلام پور، منیر شریف اور فتوحہ سے رجوع کرنے کی انہوں نے ضرورت تک محسوس نہ کی۔ حالانکہ حضرت مخدوم جہاں اور ان کے جاں نشینوں کی امانت کے آج بھی یہی لوگ سچے امین اور وارث ہیں۔ قدیم مخطوطات کا جو ذخیرہ ان جگہوں پر دستیاب ہو سکتا تھا ان پر ایک نظر ڈالنے کی بھی محترم دردائی صاحب کو مہلت نہ مل سکی اور اس کا کافی موقع مل گیا کہ ان لوگوں کی باتوں پر اعتماد کرلیں جنہوں نے ''مناقب الاصفیا'' میں تحریف کی۔ ''لطائف المعانی'' کو حضرت مخدوم جہاں کا ملفوظ کہہ کر شائع کرا دیا۔ اور ملفوظ گنج لا یخفٰی کو بھی حضرت مخدوم جہاں کی طرف منسوب کرنے پر مصر ہیں۔ یہ ایک ایسی سازش ہے جس کی غرض و غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ایک طرف حضرات بلخ جو حضرت مخدوم جہاںؒ کے صحیح جاں نشیں اور متبع ہیں ان کے علمی و ادبی کارناموں پر پردہ ڈالا جائے اور دوسری طرف حضرت مخدوم جہاںؒ کے نام لیواؤں کے سلسلہ انساب پر کاری ضرب لگائی جائے۔ دردائی صاحب کی کتاب پر بالاقساط تبصرے شائع ہو چکے ہیں اور ان کی غلطیوں کی طرف انہیں توجہ دلائی گئی ہے۔ گو یہ ان کی ذاتی غلطی نہیں لیکن انہی کے نوک قلم سے صفحۂ قرطاس پر بکھری ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو اس الزام سے وہ بچا نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے قصداً ''تاریخ سلسلہ فردوسیہ'' کے حوالے سے اجتناب کیا ہے اور قدیم و مستند کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد جو حالات یا نتائج اخذ کر سکا ہوں انہیں پیش کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کسی جگہ میں نے بھی ٹھوکر کھائی ہو۔ اس لئے کہ انسان خطا اور نسیان کا پتلا ہے۔ ایسی صورت میں اپنے بزرگوں اور ہمدردوں سے اس کی نشاندہی کی توقع رکھتا ہوں۔ اگر اعتراض مستند کتابوں کے حوالوں سے اور باوزن ہوا تو بلا جھجک اپنے خیالات اور تحریر سے رجوع کرلوں گا۔

فہرست ماخذ مخطوطات

مرأة الاسرار	خدا بخش لائبریری، پٹنہ
مرأة مدری	" "
سفینۃ الاولیا	" "
مغز المعانی	" "
رسالہ چہاردہ خوانوادہ	کتب خانہ صوفی منیری، خانقاہ منیر شریف
اجازت نامہ مخدوم زادگان	" " "
نسب نامہ	" " "
اجوبہ کاکویہ	" " "
مونس القلوب	" " "
مکتوبات صدی	" " "
مکتوبات دوصدی	" " "
معدن المعانی	" " "
ملفوظ الصفر	" " "
مونس المریدین	" " "
مکتوبات مولانا مظفر بلخیؒ	" " "
مطلوب المبارک (۲ نسخے)	" " "
مناقب الاصفیاء	" " "
گنج لا یخفی	کتب خانہ بلخیہ، فتوحہ، پٹنہ
بحر المعانی	" "
معز المعانی	" "
اسباب النجات لفرقۃ العصاۃ	" "

لطائف المعانی	کتب خانہ بلخیہ، فتوحہ، پٹنہ
تحقیقات المعانی	" "
مکتوبات مولانا مظفر بلخی	" "
مکتوبات حسین نوشہ توحید بلخی	" "
گنج لا یخفیٰ (۲ نسخے)	" "
گنج ارشدی	کتب خانہ رشیدیہ، جون پور
کنز المعانی	کتب خانہ سجادیہ، بہار شریف
تحفہ غیبی	کتب خانہ قادریہ، اسلام پور، پٹنہ

مطبوعات

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
ترجمہ ہمعات	
تاریخ تصوف در اسلام	ڈاکٹر قاسم غنی
کتاب للمع	شیخ ابو النصر سراج
تصوف اسلام	عبد الماجد دریابادی
تصوف کیا ہے	مرتبہ محمد منظور نعمانی
اسلامی تہذیب کیا ہے	مرتبہ غلام دستگیر
تصوف اسلامی (انگریزی)	سردار اقبال علی شاہ
بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبد الرحمٰن
مقامات تصوف	محمد اسماعیل سنبھلی
وسیلہ شرف ذریعہ دولت	صوفی منیریؒ
وسیلہ شرف ذریعہ دولت	مرتبہ ڈاکٹر طیب ابدالی

مقدمہ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون
کشف المحجوب	حضرت علی الہجویری
دعوت اسلام	عنایت اللہ
خزینۃ الاصفیا	غلام سرور
سیر الاولیاء	سید مبارک علی
اخبار الخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
فوائد السالکین	ملفوظ خواجہ بختیار کاکیؒ
مونس الارواح یا انیس الارواح	ملفوظ خواجہ عثمان ہارونیؒ
سیر العارفین ترجمہ دلیل العارفین	خواجہ معین الدین چشتی
سیر المجالس ترجمہ خیر المجالس	حضرت چراغ دہلیؒ
فوائد الفواد	ملفوظ حضرت نظام الدین اولیا
تذکرہ	دولت شاہ
نفحات الانس	عبدالرحمٰن جامی
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ
الدرر المنظوم ترجمہ جامع العلوم	ملفوظ مخدوم جہانیاں
لطائف اشرفی	ملفوظ حضرت جہانگیر سمنانی
آئین اکبری	مرتبہ سر سید احمد خاں
نیا و پرانا عہد نامہ مطبوعہ لندن ۱۹۴۷ء	(انجیل مقدس)
نظام تعلیم و تربیت	عبدالباری ندوی
مکتوبات بست و ہشت	حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ
فوائد رکنی	" "
معدن المعانی	" "
مخ المعانی	" "
خوان پر نعمت	" "

راحت القلوب	حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ
مکتوبات صدی	" "
مکتوبات دوصدی	" "
وفات نامہ	" "
مکتوبات	خواجہ معصوم سرہندی
جوامع الکلم	ملفوظ حضرت بندہ نوازؒ
مکتوبات	حضرت بندہ نوازؒ
فضل الفواد	ملفوظ حضرت نظام الدین اولیاؒ
راحت المحبین	" "
سیر الاولیا	" "
مکتوبات	حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ
مفتاح العاشقین	ملفوظ حضرت چراغ دہلیؒ
منوسمرتی ترجمہ اردو	مطبوعہ بھائی تاراچند تاجر کتب لاہور
دعوت وعزیمت	مولانا علی ندوی
مناقب الاصفیا	حضرت مخدوم شاہ شعیب
مجموعہ اشعار	مولانا مظفر بلخی (مرتبہ سید حسن صاحب)
حسن جلال	اعجاز سلام
ضیاء القلوب	ملفوظ حضرت احمد چرم پوشؒ
سیرۃ الشرف	مولوی ضمیر الدین احمد
تنویر شرف	عزیزی الحسن عزیز بہاری
صحائف السلوک	مکتوبات حضرت چراگ دہلی

جرنل رایل ایشیاٹک سوسائیٹی لندن ۱۸۹۴ء

لغات

سیر الاقطاب

مرأۃ الکونین

اسرار الاولیاء

غیاث اللغات

بہار عجم

صراح

فیروز اللغات

فیض اللغات

اقرب الموارد

رسایل

اشارہ پٹنہ	مارچ ۱۹۵۹ء
"	مئی ۱۹۵۹ء
"	جون ۱۹۶۶ء
معارف اعظم گڑھ	فروری ۱۹۵۷ء
" "	مارچ ۱۹۵۷ء
المجیب پھلواری پٹنہ	شعبان ۱۳۸۳ھ
روزنامہ صدائے عام پٹنہ	۲ مارچ ۱۹۶۳ء
تاج کراچی	ستمبر ۱۹۶۳ء

بہار کی خبریں (بسلسلہ مضمون حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ)

(ختم شد)

مصنف کی دیگر مطبوعات

۱) کہکشاں: ڈاکٹر ہاشم کی غزلوں کا انتخاب اور تجزیہ
۲) وسیلۂ شرف: مصنفہ صوفی منیری مع اضافہ
۳) سامان رسوائی: شعری مجموعہ
۴) صوفیائے بہار کے ملفوظات و مکتوبات

زیر طبع کتابیں

۱) اردو ناول کا تنقیدی جائزہ
۲) علم کلام اور علمائے متکلمین